مسجد و مزار

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمة

(بغداد محلہ اعظمیہ)

نقشِ قدمِ رسول ﷺ

The Traces of The Prophet (pbuh)

باب سوم (حصہ اول، دوم وسوم)

احوالِ ائمہِ مجتہدین و فن فقہ

Biographies of Scholars of Jurisprudence
and
Science & Art of Islamic Law

(130) مفید سوالات وجوابات پر مشتمل

(عہدِ رسالت تا عصرِ حاضر)

مرتبہ
سید محی الدین میر لطیف اللہ شاہ قادری M.S. (ECE)
سابق مہتمم پولس حیدرآباد

سلسلہ اشاعت لطیف اکیڈیمی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اسمِ تصنیف نقشِ قدمِ رسول (باب سوم)
احوالِ ائمہ مجتہدین وفن فقہ

اسمِ تالیف : سید محی الدین میر لطیف اللہ شاہ قادری، قادری

موضوع اصولِ فقہ

سنہ اشاعت :1432ھ م 2011ء

رسم اجراء : بہ موقع عرس شریف حضرت بحر العلوم حسرت صدیقیؒ کے
فرزند حضرت حسین شجاع الدین عزتؒ
بدست مبارک حضرت محمد غوث محی الدین صدیقی مدظلہ عالی
فرزند و جانشین مرشدی بحر العلوم حسرت صدیقی علیہ الرحمۃ

بارِ اول : 200 (دو سو)

صفحات :344

ناشر : لطیف اکیڈیمی اینڈ پبلشرز
ٹولی چوکی، حیدرآباد (انڈیا) ۔ فون :040 23568160

کمپیوٹر کتابت :ٹرائی اسٹار گرافکس ۔16-3-992/5/A چنچل گوڑہ، حیدرآباد۔فون9247890253

طباعت

ویب سائیٹ :http://www.Lateefacademy.com

ہدیہ :-/Rs.180

-: ملنے کے پتے :-

01. Lateef Academy
Quadri Manzil, 9-4-135/A/5,
Raghava Colony, Toli Chowki, Hyderabad-8
Ph:040-23568160 - cell : 9490754160

02. Dr. Mohd. Abdul Qadeer Siddiqui
Astana-e-Izzat, Siddiqu Gulshan, Bahadur Pura, Hyd.
Phone:- 98850 20384, 98854 18281

03. Hyder & Sons
Books seller & Publishers
Machli Kaman, Hyd.
Phone:- 24578494

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

1- عرضِ ناشر

ہمارے والد گرامی مرشدنا وسیدنا حضرت سید محی الدین میر لطیف اللہ شاہ قادری، قادری مدظلہ العالی کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں ۔آپ کی پُرخُلوص کاوشوں ولگن کے نتیجہ میں لطیف اکیڈیمی اینڈ پبلیشرز کا قیام عمل میں آیا اور اشاعتِ کُتب عرفانی کا جدید طرز پر سلسلہ چل پڑا۔آپ کے اکتسابِ علم و فیضان کی جھلک گلدستہ تالیفِ کُتب میں نمایاں نظر آتی ہے۔''نقشِ قدمِ رسول''عنوان کے تحت کتب کی اشاعت ہماری دیرینہ تمنا تھی جو بفضلِ تعالیٰ پائے تکمیل کو پہنچی۔

''نقشِ قدمِ رسول'' کتب کی سیریز احوال ائمہ، مجتہدین فنِ فقہ، حدیث وفقہ اسلامی پر مبنی نہایت آسان اور مفید انداز میں سوالات و جوابات کی صورت میں ملت کے نوجوان طلباء کے لئے تحفہ ہے۔اس سے قبل کتب بعنوان ''کشکولِ قادریہ'' کی اشاعت عمل میں آئی تھی جو علوم تصوف ومعارف پر مبنی دوجلدوں میں سوالات و جوابات کے ساتھ نہایت مقبول ہوئیں۔ چنانچہ مضمون کی حساسیت اور لامحدود وسعت کے مدنظر یہ کام کچھ آسان نہ تھا چنانچہ آپ کے وصفِ عجز اور احتیاط کے پیش نظر اس کام میں تاخیر ہوتی گئی۔

بالآخر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے حبیب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور پیرانِ عظام کے فیضان سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ہم لطیف اکیڈیمی کی جانب سے حضرت علامہ مفتی خلیل احمد مدظلہ، شیخ الجامعہ نظامیہ، حضرت علامہ مفتی محمد عظیم الدین مدظلہ، مفتی جامعہ نظامیہ، حضرت مولانا شاہ محمد فصیح الدین نظامی صاحب، مہتمم کتب خانہ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد اور جناب سید وحید اللہ حسینی القادری الملتانی، کامل الحدیث کے بے حد ممنون ومشکور ہیں کہ آپ حضرات گرامی نے باوجود اپنی مصروفیت کے کتاب ''نقشِ قدمِ رسول'' باب سوم ''احوال ائمہ مجتہدین وفن فقہ'' کی پروف ریڈنگ اور تصحیح کے اہم کام کو قبول فرمایا اور مفید مشوروں سے اس کام کی سرانجامی میں مدد فرمائی۔ہم جناب میر رفیق علی خان صاحب کے بھی مشکور ہیں جنہوں نے بڑی محنت سے اس کتاب کی کمپیوٹر کمپوزنگ کے کام کو انجام دیا۔زیرنظر کتاب جملہ 130 سوالات و جوابات پر مشتمل نہایت عام فہم انداز میں ترتیب دی گئی ہے حسب ضرورت انگریزی الفاظ کا بھی استعمال کیا گیا ہے امید کہ قارئین اس کو پسند فرمائیں گے۔اس کتاب میں وہ سب کچھ بہ حسن وخوبی موجود ہے جو علمِ فقہ طالب علمؒ کے لئے مفید ہے۔ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں والد گرامی کی اِن تصانیف کو قبولیتِ خاص وعام عطا فرمائے اور آپ کے سایہ عاطفت کو ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے۔آمین

معتمدین لطیف اکیڈیمی۔حیدرآباد

1- میر رحیم اللہ شاہ قادری (اقبال پاشاہ)

2- میر کریم اللہ شاہ قادری (خواجہ پاشاہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

2- انتساب

(Delication)

☆ میری اس ادنیٰ سعی کو سرگروہِ فقہاءِ اسلام سراج الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ بن نعمان بن ثابتؓ کی خدمتِ اقدس میں پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے مرشدینِ کامل!

☆ والدی ومرشدی خواجہ ابوالخیر

ڈاکٹر حضرت میر مومن علی شاہ قادری علیہ الرحمۃ والرضوان

☆ مرشدی ومولائی حبیب اللہ، بحرالعلوم

حضرت محمد عبدالقدیر صدیقی القادری حسرتؔ علیہ الرحمۃ والرضوان

☆ مرشدی ومولائی، خواجہ ابوالفیض، ذرہ نواز

حضرت شاہ محمد خالد وجودی القادری، خالدؔ علیہ الرحمۃ والرضوان

☆ مرشدی ومولائی

حضرت حسین شجاع الدین صدیقی عزتؔ علیہ الرحمۃ والرضوان

کی خدمتِ بابرکت میں پیش ونذر کرتا ہوں جن کے خرمنِ علم وعرفان کی خوشہ چینی نے مجھے دانش وآگہی کا فیضان بخشا۔

خادم ادنیٰ

سید محی الدین میر لطیف شاہ قادری، قادریؔ

سابق مہتمم پولس۔ حیدرآباد

نقشِ قدمِ رسول ﷺ

احوال ائمہ مجتہدین وفن فقہ (باب سوم حصہ اول و دوم)

فہرست مضامین — List of subjects

S.No	عنوان	Page
01	عرضِ ناشر	04
02	انتساب (Delication)	05
03	تاثرات (Servation)	12
04	پیش لفظ (Foreword)	16
05	مقدمہ (preface)	23
	اصولِ فقہ (Principles of Fiqua)	
	اُمورِ اطلاقِ اصولِ فقہ	
	اصولِ فقہ کے فوائد	
	تدوینِ اصولِ فقہ	
	اسالیب اصولِ فقہ	
	طریق احناف	
	طریق شوافع	
	طریق متاخرین	
	اختلافِ ائمہ	
	مجتہدین کے اقسام و درجات	
	تلفیق	
	موضوع اصولِ فقہ	
	(حصہ اول)	
	اسلامی تصور قانون (جدول)	
06	کتاب اللہ (القرآن) (Quran)	47

S.No	عنوان	Page
	حقیقی حاکمیت (الوھیت الٰہی)	
	نیابتی حاکمیت (رسالت)	
	خلافت (امارت)	
	تشریحی حاکمیت	
07	سنتِ رسولؐ (احادیث نبوی) (Hadiths)	53
	تشریعی حاکمیت	
	تشریعی حاکمیت رسول ﷺ کی صورتیں	
08	خلافت (امارت۔اجماع و قیاس)	58
09	خلاصہ (احوال ادلہ اجمالیہ)	60
	فقہ اسلامی کا پہلا ماخذ (القرآن)	
	فقہ اسلامی کا دوسرا ماخذ سنتِ رسول ﷺ	
	فقہ اسلامی کا تیسرا ماخذ اجماع	
	اجماع اصول (اجماع)	
	فقہ اسلامی کا چوتھا ماخذ قیاس	
	قیاس	
	قیاس و استنباط	
	(حصہ دوم)	
	احوال احکام شرعیہ	
10	حکم (Legal Value)	73
	اقسام "طلب"	

S.No	عنوان	Page
	مفہوم مکلفین وافعال	
	حکمِ تکلیفی (Primary Law)	
	حکمِ تکلیفی اور حکمِ وضعی کا موازنہ	
11	احکامِ تکلیفی کے مدارج کی تقسیم	79
	(Gradation of Legal Values)	
	الحکم الشرعی (جدول)	
	تقسیم اول، ثانی، ثالث ورابع	
	تاریخ اصطلاحاتِ مدارج احکامِ تکلیفی	
	احکامِ تکلیفی کے گیارہ اقسام (تعریفات واحکام)	
	(Gradation of Laws)	
	ادلہ سمعیہ (قواعد دلائل)	
12	فرض کا بیان (Obligation)	88
	فرض واجب میں فرق	
13	واجب کا بیان (Imperative)	91
	فرض وواجب کے ثابت ہونے کے ذرائع والفاظ	
14	تقسیمات فرض و واجب	95
1	تقسیم اول (وقت اور زمانہ کے اعتبار)	
2	تقسیم ثانی (تعین مقدار کے اعتبار سے)	
3	تقسیم ثالث (مطلوب وتکلیف کے اعتبار سے)	
4	تقسیم رابع (تعین فعل کے اعتبار سے)	
15	وجوب (فرض یا واجب) کے بجالانے کی صورتیں	103
	تعمیل، اداء، قضا، اعادہ	
	اداء و قضا کی تقسیم	
16	سنت کا بیان (Recommendation)	106

S.No	عنوان	Page
	سنت کے اقسام	
	تقسیم اول	
	تقسیم ثانی	
17	مستحب/مندوب (Desirable)	110
18	حرام کا بیان (Prohibition)	111
	حرام کے اقسام	
19	حرام کے ثبوت کے ذرائع والفاظ	116
	ضرورت اور حاجت میں فرق	
20	مکروہ کا بیان (Disapproved)	118
	مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی	
	خلاف اولیٰ	
21	مباح کا بیان (Proper)	122
	شریعت اسلامیہ کا معروف قاعدہ اور اصول	
	اسلام آسان دین ہے	
	تصریح محرمات قرآن کی روشنی میں	
	اباحتِ اصلی کے قرآنی دلائل	
	احادیث مبارکہ سے اباحتِ اصلی کے دلائل	
	حکمِ وضعی کا بیان	
22	حکمِ وضعی (Declaratory Law)	135
	حکمِ وضعی کی اقسام معہ تعریفات	
	الحکم الشریعی (جدول)	
23	سبب اور علت کا بیان	138
	(Reasons & evidence)	
	سبب کے اقسام	

S.No	عنوان	Page
24	علت کا بیان (Reason)	143
	علت کی اصطلاحی تعریفات	
25	سبب اور علت کا باہمی تعلق	145
26	شرط کا بیان (Condition)	146
27	رکن کا بیان (Settings)	147
	شرط اور رکن میں فرق	
28	مانع کا بیان (Intervieing Factor)	149
	مانع کی صورتیں	
29	صحت کا بیان (Effectiveness)	151
30	فاسد و باطل کا بیا ن (Invalidity)	152
31	عزیمت کا بیان (Decisive Judgement)	153
32	رخصت کا بیان (Exemption)	154
	رخصت کے اقسام	
	محکوم فیہ/محکوم بہ کا بیان	
	(Objective of Law)	
	مقاصد اسلامی قانون	
	مقاصد احکام شرعیہ (جدول)	
33	تعین افعال (پہلا مقصد) (Deeds)	162
	افعال کی اقسام	
	افعال ممکن بالذات والعادۃ کی اقسام	
	وجوبیت کے اعتبار سے	
	شرعی وجوب کے اعتبار سے	
	معاہدانہ نوعیت کے اعتبار سے	
34	تعین حقوق (دوسرا مقصد) (Rights)	170

S.No	عنوان	Page
	حقوق کی اقسام	
	حقوق اللہ کی اقسام	
	حقوق العباد/اقسام حقوق العباد	
	حقوق کی اصلی اور خلف کے اعتبار سے تقسیم	
35	وجوب (فرائض و واجبات) تیسرا مقصد	174
	وجوب کی ادائیگی کی صورتیں	
	محکوم علیہ (مکلّف)	
	محکوم علیہ (مکلّف) (جدول)	
36	محکوم علیہ (مکلّف) کا بیان	180
37	اہلیت کا بیان (Legal Capacity)	
	اہلیت کے اقسام	
	اہلیت کاملہ کے اجزائے ترکیبی	
38	عوارض اہلیت کا بیان (Inabilities)	187
	اقسام عوارض	
	عوارض سماویہ (غیر اختیاری)	
	صغر سنی یا بے عقلی، عدم بلوغ	
	پاگل پن، احمقانہ پن	
	دورۂ بے ہوشی، نسیان، نیند	
	خطا، غیر رضامندانہ نشہ	
	بیماری، حقائق سے بے خبری	
	حیض، نفاس، موت	
	عوارض کسبیہ (اختیاری)	
	جہل، رضا کارانہ شراب نوشی	
	ہزل	

S.No	عنوان	Page
	قانونِ شریعت کا بنیادی تصور	
	حصہ سوم	
	(احوالِ ائمہ مجتہدین)	
39	تمہید (Preamble)	201
	درمحدثین	
	درفقہا	
	درمتکلمین	
	درعلمائے مدنیات	
40	فقہا اور اجتہاد (Muslim Jurist)	207
	اوصافِ مجتہد	
	شرائط اجتہاد	
	فقہا کی فضیلت	
	رائے وقیاس	
41	ضرورتِ فقہ	212
	(Significance of Islamic Law)	
	فقہی احکام کے اقسام	
42	تعارف فقہا عہد، رسالت ﷺ وعہدِ عصر	219
	(Biographies of Jurists)	
	نظائرِ اجتہادِ صحابہ (Precedents)	
	تعارفِ فقہا خلفائے راشدین	
1	امیرا لمؤمنین سیدنا ابو بکر صدیقؓ	
2	امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروقؓ	
3	امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنیؓ	
4	امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰؓ	

S.No	عنوان	Page
	اسماء صحابہ کرام (فقہا)	
1	ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ	
2	حضرت عبدا للہ بن مسعودؓ	
3	حضرت عبداللہ بن عباسؓ	
4	حضرت زید بن ثابتؓ	
5	حضرت عبداللہ بن عمرؓ	
6	حضرت معاذ بن جبلؓ	
7	حضرت زید بن حارثؓ	
8	حضرت ابی بن کعبؓ	
9	حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ	
43	تعارف عصر مجتہدین تابعین ، تبع تابعین	261
1	الامام حضرت جعفر صادقؒ	
2	حضرت سفیان ثوریؒ	
3	امام حضرت وکیع بن الجراحؒ	
4	امام حضرت شعبیؒ	
5	امام حضرت علقمہ بن قیسؒ	
6	حضرت ابراھیم نخعیؒ	
7	حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ	
8	حضرت امام مالکؒ	
9	حضرت امام شافعیؒ	
10	حضرت امام احمد بن حنبلؒ	
11	حضرت امام اوزاعیؒ	
12	حضرت امام بخاریؒ	

S.No	عنوان	Page
44	**تعارف فقہا بر صغیر ہند و پاک**	283
1	امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ	
2	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ	
3	شیخ الاسلام امام حضرت محمد انوار اللہ فاروقیؒ	
4	حضرت احمد رضا خان بریلویؒ	
5	علامہ بحر العلوم حضرت عبد القدیر صدیقیؒ	
6	حضرت ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ	
7	جلالۃ العلم علامہ حضرت سید حبیب اللہ قادریؒ	
8	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی	
9	حضرت علامہ مفتی محمد عظیم الدین مدظلہ	
10	حضرت مولانا مفتی خلیل احمد مدظلہ	
	فنِ فقہ (Science of Islamic Law)	
45	فقہ کی اہم اصطلاحوں پر ضروری مباحث	303
	(Elucidation of Terminologies)	
	امر (Positive Command)	
	امر کے اقسام	
	ادا و قضاء	
	وجہ امر کا حسن و قبح	
	امرِ موقت	
	قدرت	
	مامور بہ کے اقسام	
	نہی (Negative Command)	
	اقسامِ نہی	
	افعال شرعی و حسی	
46	شرعی حکم یا احکام	312
	حکمِ تکلیفی	
	اقسامِ عزیمت	
	اقسامِ رخصت	
	حکمِ وضعی	
	اقسامِ حکمِ وضعی	
	حقوق (Rights)	
	حق اللہ	
	اصل و خلف	
	مکلّف یا مامور بہ	
	مراتبِ عقل	
	افعال (Acts/Deeds)	
	اہلیت	
	حقوق العباد مضر محض	
	حقوق العباد نافع محض	
	مابین نفع و ضرر	
	استنباط (Islamic Interpretation)	
	استقراء	
	قیاس شرعی (Analogy)	
	ثبوتِ قیاس	
	شرائطِ قیاس	
	علت کے اقسام (Various Reasons)	
	علت کی تاثیر	
	مصالح (اقسام)	

S.No	عنوان	Page
	شرائطِ علت	
	وجہ تعلیل	
	قیاسِ جلی	
	قیاسِ خفی	
47	موادِ قیاسات (Subject of Analogy)	323
	برہان	
	بدیہات (اقسام)	
	ادلیات	
	نظریات	
	تجزیات	
	متواترات	
48	خصم یا مدعیٰ علیہ کے فرائض (Respondent's Duties)	325
49	مغالطہ (اقسام) (Misleading)	326
	اعزاء عوام	
	تعظیمِ عظام	
	مبالغہ فی الکلام	
	تطویلِ کلام	
	سوال ملتف	
	سلسلہ مراسلات	
	تبدیل بنائے بحث	
	ادائے ہدایت	
	التزام غیر کالازم	
	عدم علم کو عدم وجود کے مساوی سمجھنا	
	غیر علت کو علت سمجھنا	
	ترجیحات	
	روایات کے لحاظ سے ترجیح	
	شہادت	
50	اصول کلیاتِ فقہ (Fundamental Principles of Fiqua)	331
	تعارض ۔ توفیق اور تطبیق	
	رفع تعارض	
	ترجیح باعتبارِ متن	
	ترجیحاتِ قیاسیہ	
51	فہرست سوالات (List of Questions)	336
	مصنف کی دیگر تصانیف	344

بسم اللہ الرحمن الرحیم

3- تاثرات

بر کتاب ''نقشِ قدمِ رسول''

۴؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ م ۸؍فبروری ۲۰۱۱ء

از: مفتی خلیل احمد، شیخ الجامعہ نظامیہ حیدر آباد

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین و علیٰ اٰلہٖ الطیبین و اصحابہ الاکرمین اجمعین اما بعد:

یہ حقیقت کسی پر پوشیدہ نہیں کہ تفسیر، حدیث اور فقہ پر چودہ صدیوں سے مسلسل کام ہوتا آ رہا ہے۔ تفسیر میں ہر زمانہ میں اس کے تقاضے اور حالات کے مطابق تفسیریں لکھی جاتی رہی ہیں۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ فنِ حدیث شریف میں کوئی نیا کام تو ہو نہیں سکتا کیونکہ حدیث شریف کی جمع و ترتیب کا کام قرونِ اولیٰ میں مکمل ہو چکا۔ البتہ اس کے شروعات و حواشی اور بعض محدثین کے مخطوطات (تحریروں) پر کام ہوتا رہا ہے اور اب بھی جاری ہے۔ اُسی طرح ''فقہ'' میں ہر دَور میں کتابیں لکھی جاتی رہی ہیں۔ دنیا کے مختلف علاقوں میں وہاں کی مقامی زبانوں میں فقہ کی کتابیں لکھی گئیں اور یہ سلسلہ آگے بھی چلتا رہے گا۔ محترم مولوی سید محی الدین میر لطیف اللہ شاہ قادری زیدت مکارمہٗ نے اس بات کا بیڑا اُٹھایا ہے کہ عامۃ المسلمین کو تفسیر، حدیث وفقہ کی اہمیت اور ضرورت سے واقف کرایا جائے و نیز اِن علوم میں جن بزرگوں نے خدمت انجام دی ہیں اُن کے احوال و سیرت سے روشناس کرایا جائے۔ اس کی غرض یہ ہے کہ موجودہ دَور کے لوگ بھی اس کی حقیقت اور اہمیت کو سمجھ لیں اور آنے والی نسلوں کے لئے یہ چیز مشعلِ راہ بنے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے ''صالحین کی حکایات اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے''۔ یعنی بزرگوں کے احوال کو پڑھنے اور جاننے سے دل کو سکون ملتا ہے اور کام کرنے والوں کے لئے اُن کا طریقہ کار کو اپنانے کا سلیقہ ملتا ہے۔ اسی سے دِین اور علم کی خدمت ہو سکتی ہے۔

مصنفِ موصوف قادری صاحب اچھے بزرگوں کی صحبت میں رہے ہیں اور اُن سے بیعت و ارادت بھی رکھتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے بزرگوں سے جو سیکھا اور اپنے مطالعہ سے جو حاصل کیا اس کو سپردِ قلم کیا تا کہ اس کا استفادہ سب کو حاصل ہو۔ آپ نے اپنی تصنیف کا نام ''نقشِ قدمِ رسول'' رکھا اور اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے حصہ میں تفسیر اور مفسرین کے بارے میں ذکر ہے دوسرے حصے میں حدیث شریف اور محدثین کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دو حصے شائع ہو چکے ہیں اور اب تیسرا حصہ شائع ہو رہا ہے اس میں اصولِ فقہ اور مجتہدین و فقہا کے متعلق بیان کیا گیا ہے یہ کتابیں طلباء اور عوام کے لئے مفید ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کو جزائے خیر دے اور ان کی تصانیف کو قبولِ تامہ و عامہ عطا فرمائے، آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم فقط

خلیل احمد

شیخ الجامعہ نظامیہ، حیدر آباد

بسم اللہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم

۲۸؍محرم الحرام ۱۴۳۲ ہجری نبوی

تاثرات

بر کتاب ''نقشِ قدمِ رسول''

از:۔مولانا شاہ محمد فصیح الدین نظامی' مہتمم کتب خانہ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد' الھند

اسلام، اس کائنات کا آخری' قطعی اور حتمی دین و مذہب ہے۔ اسکا ''اِتمام'' و اِکمال'' نبی صاحب الجمال حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ واٰلہ واصحابہ وسلم کی ذات رفعت مآب پر ہوچکا اس طرح آنحضور کی ذاتِ قدسی صفات، خاتم النبیین و خاتم المرسلین ہونے کے ساتھ ساتھ خاتم الجمال' خاتم الاکمال' خاتم الادیان' خاتم الکُتب ، خاتم الصحف' خاتم الکلِم' خاتم الاخلاق' خاتم الاسباق ہے اب صبحِ قیامت وبعدِ قیامت سکۂ محمد ہی چلنے والا ہے ہرسکّہ پر خطِ تنسیخ پھیر دیا گیا۔ دینِ اسلام نے سُکّان ارض کو جو علم دیا وہ اعجازِ رسالت سے صرف نِرا علم نہیں رہا بلکہ 'علم الیقین' سے ''عین الیقین'' کی شاہراہ پر لیجاتا ہے اور وہاں سے ''حق الیقین'' کی منزلِ مقصود پر پہنچا دیتا ہے۔ اس نکتہ کی تشریح ہر دور میں اہلِ فکر ونظر' اہلِ علم وہنر' صاحبانِ فکر وبصر کرتے آئے ہیں' ''نقشِ قدمِ رسول'' (۳ جلد) اسی سلسلۃ الذّہب کی ایک سنہری کڑی ہے جو ہمارے قلب نظر کی جلاء اور طلاء کا کام کر رہی ہے اور دینِ اسلام کی حقانیت اور پیشوایانِ اسلام کی علمی' قلمی' قلبی' اصلاحی' تحقیقی خدمات کا وہ آئینہ ہے جس میں ان کے ''پاسِ انفاس'' کی خوشبو سانسیں لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ یہ سلسلۂ کرم بابِ حرم تک پہنچانے میں معاون ہوگا۔

''نقشِ قدمِ رسول'' بہت ہی منور وتاباں نقش ہے اسی سے ہرعہد وعصر' ہرزمانہ ہرصدی زندگی پاتی ہے اسی میں قومِ مسلم کی حیات اور یہی مسلمانوں کا طرۂ امتیاز بھی ہے اور اسی سے مصنفِ کتاب' والا مرتبت' محترم سید محی الدین میر لطیف اللہ شاہ قادری صاحب کثّر اللہ امثالہم (M.S) (فرزند و جانشین حضرت خواجہ ابوالخیر میر مومن علی شاہ قادری علیہ الرحمۃ) بھی مفتخر وممتاز ہیں جنہوں نے ''خم خانۂ قدیر'' سے جامِ مست مئے اَلَستُ پیر وشیخ کے بافیض دست سے نوش کیا ہے ''صدیق گلشن'' کا یہ فیض ''ع''

کی صورت اختیار کرتے جارہے ہیں، جب مصنف کا قلم ماضی سے نور لیکر حال و مستقبل کو تابناک بنانے اور بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے چلنے کے لئے بے چین و بے قرار نظر آتا ہے۔کتاب ''نقشِ قدمِ رسول'' نئی نسلوں کے لئے ایسا محفوظ قلعہ ہے جس سے باطل افکار وعقائد کی ہر یورش ناکام اور ہر وار بیکار ہوجاتا ہے اور حالات کی دھوپ میں ایسا سائبان ہے جس کی چھاؤں میں ٹھنڈک وراحت کا احساس ہوتا ہے۔ مصنف کا طائرِ فکر وسعتِ پرواز کا متقاضی ہے جس کا اندازہ اس کتاب کے صفحات کے دیکھنے سے ہوتا ہے ''نقش قدمِ رسول'' عصرِ حاضر کے تقاضوں کی ظاہری و باطنی تکمیل ہے اس کی قدر افزائی و پذیرائی ہر اعتبار سے ہونا چاہیئے اسے کتب خانوں' تحقیقی ایوانوں کے ساتھ دل کے نہاں خانوں میں جگہ دے کر مصنف کی ہمتِ مردانہ کو داد اور ذوقِ رِندانہ کے سلامت رہنے کی دعا دینا چاہیئے۔

الٰہی تابود خورشید و ماہی
چراغِ عاشقاں را روشنائی

۲۸/محرم الحرام ۱۴۳۲ھ فقط

شاہ محمد فصیح الدین نظامی
مہتمم کتب خانہ جامعہ نظامیہ
حیدرآباد الھند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاثرات

بر کتاب ''نقشِ قدمِ رسول''

۴؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

از:۔ علامہ مفتی محمد عظیم الدین مدظلہ شیخ الفقہ ومفتی جامعہ نظامیہ حیدرآباد

حمد الله تعالىٰ عزو جل والصلوٰة والسلام علىٰ من بعث الى الخلق كافة و علىٰ اله و صحبه و اتباعه و حزب و علماء ملة مشائخ امتة و فقهاء دينة. اما بعد

نقشِ قدمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی خیز وتقدیس آفریں عنوان کے تحت تالیف کردہ اس کتاب کے مندرجات ومشمولات کو جستہ جستہ دیکھنے کا موقع ملا؛ تمہیدی کلمات کے بعد ضرورتِ فقہ، تعریف فقہ، اصولِ فقہ، اجتہاد، شرائط اجتہاد، اوصافِ اجتہاد و مجتہد، تعارفِ فقہاء عہدِ رسالت مآب علیہ التحیۃ والتسلیم وصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ومجتہدین عصر تابعین رحمہم اللہ ومجتہدینِ عصر تبع تابعین رحمہم اللہ جن کے لئے خیر القرون کی بشارتِ عظمیٰ بلسانِ نبوت مسلّم ومتفق علیہ ہے۔' نیز قرنِ ثالث تا عصرِ حاضر کے بعض مشاہیر کی خدماتِ فقہی کا تذکرہ عصری اسلوب مثبت انداز اور تفہیمی پیرایہ میں سپردِ قرطاس کیا گیا ہے مؤلف کتاب مولوی سید محی الدین میر لطیف اللہ شاہ قادری زیدت مکارمہٗ کی یہ کاوش لائق تحسین اور قابلِ استفادہ ہے' عند اللہ وعند الناس اس کو قبولیت و مقبولیت تامہ وعامہ حاصل ہو' آمین بحقِ سید الانبیاء والمرسلین والحمد للہ رب العلمین فقط

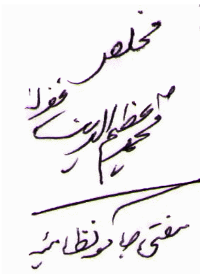

محمد عظیم الدین غفرلہ

مفتی جامعہ نظامیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

4-پیش لفظ

(Foreword)

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوۃ و السلام علی حبیبہ سیدنا و مولانا محمد و علٰی آلہٖ و صحبہٖ اجمعین . اما بعد

برادرانِ ملت! آپ اِس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ اللہ رب العزت قرآنِ حکیم میں ارشادفرماتا ہے۔''جیسا کہ ہم نے تم ہی میں سے رسول بھیجا' جوتم کو ہماری آیتیں پڑھ کرسناتا ہےاورتم کو(علماً وعملاً) پاک وصاف (تزکیہ نفس) کردیتا ہےاورتم کوکتاب (قرآن) وحکمت (سنت) کی تعلیم دیتا ہےاورتم کووہ تعلیم دیتا ہے جوتم جانتے نہ تھے(البقرہ-151)''۔

اِس آیتِ کریمہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کواللہ پاک نے ہمارے لئے معلم ونگران(Teacher & Watchful)بنا کر بھیجا کہ آپؐ ہم کواللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کرسناتے ہیں اورہم''قاری''ہوجاتے ہیں۔ہم کوکتاب اللہ کی تعلیم دیتے ہیں اورہم''مفسر''ہوجاتے ہیں۔ہم کوحکمت کی تعلیم دیتے ہیں اورہم''مجتہد ومتکلم وصوفی''کہلاتے ہیں۔یہی نہیں بلکہ ہم کو آپؐ اپنی فیضِ صحبت وتربیت سے ہماری نفسانی آلائشِ مادیت(Filth of Corporality & Carnel Desire)سے پاک کردیتے ہیں اور بہت سے معارف وعلوم(ظاہری وباطنی)سے آراستہ کرکے ہمارے دِل ورُوح کوحبِ اللہ وحبِ رسولؐ سے مزین فرمادیتے ہیں جن سے ہم واقف نہ تھے۔پھرہم کوکسی اور سے جونقشِ قدمِ رسولؐ پرگامزن نہ ہوں متاثر ہونے کی چنداں کوئی ضرورت ہی نہیں۔

بعض لوگ غلطی سے اِسلامی قانون (فقہ اسلامی) اورشریعت کوعین ایک ہی قرار دیتے ہیں۔حالانکہ ''شریعت''کُل ہےاور''اِسلامی قانون''جز ہے۔

اصولِ شریعت اپنے علمی،فکری اورتہذیبی بلکہ خالص فنی وتکنیکی تناظر میں بھی حیاتِ اِنسانی کےتمام گوشوں' دین کی سب جہتوں اورعُلوم وفنون کے جملہ زاویوں پرمحیط ہے جس میں عقائد ونظریات' احکام واعمال' تزکیہ نفس اورتطہیرِ قلب (Purification and puragation of Soul) کی تعلیمات جنہیں تصوف اور روحانیات کہتے ہیں سب کچھ شامل ہے۔

اِس کے برخلاف قانونِ حکم وفقہ سے مرادشریعت کے صرف اُس حصہ(جز) سے متعلق ہے جو''انسانی زندگی کے لئے ظاہری ضابطۂ عمل''مہیا کرتا ہے۔اُسے عقائد' تصوف' یا دیگرشرعی موضوعات سے کوئی سروکارنہیں حالانکہ یہ سب شریعت کے دامن میں موجود ہیں۔

اسلامی اصطلاح میں ''حکم'' (Law) اور قانون (Anon) میں فرق کیا جاتا ہے اس طرح ماخذ اور نوعیت کے لحاظ سے حکم اور قانون دونوں تصورات (Concepts) پائے جاتے ہیں۔

اِس لئے عصرِ حاضر (آج) کے مسلم علماء نے تقابل اور سہولت کی خاطر مطلقاً قانون کی بجائے ''اِسلامی قانون'' کی اصطلاح استعمال کر کے دائرہ ''حکم اور قانون'' دونوں پر محیط کر دیا ہے۔ اور یہ عرفِ عام میں ''فقہ'' کا بدل سمجھا جانے لگا ہے۔

الغرض! اصولِ شریعت (اسلامی قانون) مکمل طور پر حتمی، قطعی اور یقینی (Ultimate) علم ہے۔ اِس میں ظن وگمان (Presumption) کا ذرا بھی دخل نہیں۔ اِس کا ہر اصول، ہر قاعدہ اور ہر نظریہ بے شمار دلائل وشواہد کے استقراء تام (قرآن وسنت) سے یقین کی آخری حد تک ثابت شدہ (Prooved) ہے۔ یہ نقص ورفع کے ہر احتمال سے مُبرا اور ترمیم وتغیر (Mutation) کے ہر امکان سے ماوراء (بالانظر) ہیں۔ ائمہ فقہ کے منہاج (طریقے) اجتہاد کا تنوع (نوعیت) اختلاف کی نہیں بلکہ وسعت وجامعیت (Large Scope of adoptibility) کا آئینہ ہے۔

واضح ہو کہ دوام ویکسانیت (Uniformity) کی خوبیاں صرف اِسلامی قانون میں پائی جاتی ہیں چونکہ وہ زندگی کے تمام ظاہری (Physical) اور باطنی (Spiritual) تقاضوں پر حاوی ہے اور تغیر پذیر حالاتِ اِنسانی احوال کی تبدیلی کا بھی اِدراک (احاطہ) کرتی ہیں۔ کیونکہ اِس کا ماخذ (Source) وحی الٰہی (Divine Revilation) ہے۔ اِس لئے کہ اِسلامی قانون (اصولِ شریعت) کا وجود نصوصِ قرآن سے تشکیل پائے یا سنت نبویؐ کے احکام سے، دونوں صورتوں میں وہ وحی سے ہی ماخوذ (Legislated) ہے کیونکہ قرآن کی حیثیت ''وحی جلی'' کی ہے جبکہ سنتِ رسولؐ کو وحی خفی کی حیثیت حاصل ہے۔ اجتہادی نوعیت کے قوانینِ اسلام (Islamic Jurisprudence) بھی چونکہ اصلاً قرآن وحدیث ہی کی ہدایات پر مبنی (Based) ہوتے ہیں اِس لئے اُن کا ماخذ (Source) بھی بالواسطہ (Directly) وحیِ الٰہی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِسلامی قانون دائمی اور ابدی (Ever Lasting) بھی ہے اور آفاقی وعالمگیر (Universal) بھی۔ چنانچہ باعتبارِ ماخذ اِسلامی قانون کو وہ امتیاز وانفرادیت (Uniqueness) حاصل ہے جو مغربی قانون کو قطعاً حاصل نہیں کیونکہ اہلِ مغرب (Western Countries) کے نزدیک قانون، اخلاق اور مذہب تینوں کے ماخذ جدا جدا ہیں جبکہ اسلام میں نہ صرف یہ تینوں ایک ہی کُل کے اجزاء ہیں بلکہ ایک ہی اصل کی فروع بھی ہیں۔

ایک اور بات جو قابلِ تحسین وقبولیتِ عامہ کی یہ ہے کہ اسلامی قانون جن انسانی فطرت وطبیعت کے

چھ (6) اساسی (Basic) اصولوں پر مشتمل ہے اُن میں مندرجہ ذیل شامل ہیں۔

1) عدم حرج (Avoidance of Hardship) یعنی اس پر سے بوجھ کو ہٹا دیا جائے۔

2) قلتِ تکلیف (Lessening of Difficulty) یعنی اُسے تکلیف کم سے کم دی جائے۔

3) تدریج (Graudality) یعنی اس پر احکام تدریجاً نافذ کئے جائیں۔

4) نسخ وتغیر (Repeat & Change) یعنی اسے تکلیف کی حالت میں رخصت اور اجازت دی جائے۔

5) رخصت واستثنیٰ (Exceptional Permissibility) یعنی بدلتے ہوئے حالات کے مطابق کے ضابطے مہیا کئے جائیں اور اجازت کا دائرہ ممانعت کے دائرے کے مقابلے میں وسیع ہو۔

6) اصولی اباحت (Presumption of General Permissibility) یعنی ہر کام یا چیز کو اِس وقت تک جائز تصور کیا جائے جب تک کہ قانون اُسے صراحتًا یا کنایتًا ناجائز قرار نہ دے۔

اسلام نے اپنے قانون کو جس حد تک اِن چھ (6) جائز فطری تقاضوں (Natural Needs) سے ہم آہنگ (Agreeing) اور سازگار (Favarouble) کیا ہے مغربی قانون یا پھر دنیا کا کوئی قانون بھی اِس اسلامی قانون کا دھندلا سا نقشہ بھی پیش نہیں کرسکتا۔

چنانچہ مشرق ومغرب کے تمام قانونی نظام اسلامی اور اصولِ فقہ سے بھرپور خوشہ چینی (Gleaning) کے ذریعہ مسلسل ارتقاء کی منازل (Process of Evolution) طئے کرتے چلے آرہے ہیں۔لیکن خود ہماری قوم (ملتِ اسلامیہ) کا یہ حال ہوگیا ہے کہ وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر خود اسلام کے خلاف بڑی فکری سازش (Reflective Conspiracy) کا شکار ہوکر اصولِ شریعت سے بے اعتنائی (لا پروائی) کی مرتکب ہوتی جارہی ہے۔آج کی نئی نسل مغربی قانون (Western Law) میں دلچسپی کا اظہار کرتی نظر آتی ہے۔حالانکہ مغربی قوانین اپنی ماہیت (Nature) کے لحاظ سے مثبت (Dos) اور منفی (Donts) دو نوعیتوں کے ہوتے ہیں اور اُن میں کوئی لچک (Flexibility) نہیں ہوتی۔جس کے نتیجے میں قانونی اقدار کا دائرہ بڑا تنگ اور سخت ہوجاتا ہے۔جبکہ اسلامی قانون (اصولِ شریعت) اپنی ماہیت (Nature) کے لحاظ سے اس قدر وسعت (Large Scope) پر مبنی ہے کہ اِس میں کئی مسائل میں متبادل قانونی راستے (Alternate Lawful ways) رائج اور غیر رائج بنیادوں پر ہوتے ہیں۔اِسلامی قانون کا نہ تو ہر مثبت

(Dos) حکم فرض ہوتا ہے نہ واجب اور نہ ہی ہر منفی (Donts) حکم حرام۔ بلکہ فرضی اور حرام کی دو آخری حدود (Limits) کے درمیان نو (9) قانونی درجات موجود ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اِسلامی قانون کی ماہیت کو وہ ضروری وسعت اور سودمند لچک نصیب ہوگئی ہے جس سے دنیا کا کوئی نظامِ قانون آج تک آشنا نہ تھا۔

چنانچہ اِسلامی قانون کی وسعت (Scope) انسانوں کے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کو حاوی ہے۔ گویا کہ اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں بلکہ مکمل ضابطہ حیاتِ اِنسانی (Human way of life) ہے۔ اور مندجہ ذیل مختلف شاخوں کی صورت میں پھیلا ہوا ہے!

1- احکام العبادات (Religous Law) 2- احکام الادب (Moral & Social Law)

3- احکام المناکحات (Family Law) 4- احکام معاملات (Civil Law)

5- احکام المعاہدات (Law of Contract & Transaction)

6- احکام المالیات (Commercial & Financial Law)

7- احکام العقولات (Penal Law) 8- احکام الشہادت (Adjective & Procedural Law)

9- الحقوق الدستوریہ (Constitutional Law)

10- الحقوق الاداریہ (Administrative Law)

11- الحقوق الدولی العام (Public International Law)

12- الحقوق الدولی الخاص (Private International Law)

13- حقوق الجندیہ (Military Law)

واضح ہو کہ شعبہ (1) عبادات اور (2) آداب، مغربی قانون کے دائرے سے یکسر خارج ہیں جبکہ اِسلامی قانون اُن سب شعبہ حیات پر بیک وقت حاوی ومحیط ہے۔ لہٰذا اِسلامی قانون اپنے دائرہ کار (Scope) کی وسعت اور ہمہ گیریت (All embracing nature) کے لحاظ سے مغربی قانون یا پھر کسی اور قانون پر فائق (Superior) ہے۔ اسلام وہ واحد تہذیب (Civilization) ہے جو انسانی زندگی کے مادّی اور روحانی پہلوؤں میں اعتدال وتوازن (Moderation & Balance) پیدا کرتی ہے اور انتہا پسندی و تشدّت (Extremism & Violance) جیسی تباہ کن اعمال (Acts) سے باز رکھتی ہے اور اَمن وسلامتی

(Peace & Harmony) کا پیغام دیتی ہے۔

اصولِ شریعت (قانونِ اسلام) وہ علم ہے جو اسلام کے پوری فکری و تہذیبی نظام کے اساس و بنیاد اور ماخذ ومنبع (Origin) کی حیثیت رکھتا ہے۔ تمام علوم وفنون اور تمدنی دھارے اسی سرچشمہ سے پھوٹتے ہیں اور اسی کے سہارے پروان چڑھتے ہیں۔ اُمتِ مسلمہ اپنے تعلیمی نظام سے علمِ فقہ کو بے دخل کرکے موجودہ علمی و تہذیبی انحطاط اور زوال (Fall) کا شکار ہوتی نظر آ رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ حاضر کی اہم ضرورت کے پیشِ نظر اِس کتاب کی تالیف و اشاعت کی کاوش کی گئی ہے' تاکہ ملّت کے طالب علموں میں اسلامی قانون کی اہمیت و افادیت پھر سے اجاگر ہوجائے اور وہ تہذیبی ارتقاء (Moral & Cultural Evolution) کے سفر پر پھر سے چل پڑیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہے کہ میری اِس ادنٰی سعی کو اپنے حبیب پاکؐ کے صدقے وطفیل میں قبول فرمالے اور قارئین کو اور خود مجھے اِس کتاب سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے احکام کا مکلّف و پابند بنایا ہے اس لئے ضروری ہے کہ انسان اِن احکامِ الٰہی (شریعت) کی تفصیلات اور اُن کی درجہ بندی سے آگاہ ہوتا کہ اُن پر عمل پیرا ہوکر وہ اپنے مقصدِ تخلیق کو پاسکے جو قرآن کے ذریعہ ہم کو بیان ہوا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ۔ یہ ہمارا احساس ہے کہ آج کی نئی نسل اس علمِ فقہ (اسلامی قانون) سے بے بہرہ ہوتی جارہی ہے اور اُن میں اختلاف در اختلاف برپا ہوگیا ہے۔ کوئی مستحب کو فرض کا درجہ دے رہا ہے تو کوئی مباح کو حرام۔ کوئی ناجائز کو سنت کہہ رہا ہے تو کوئی مستحب کو بدعت قرار دے رہا ہے۔ بعض سنن ونوافل کو ترک کرنا یہ سمجھ کر اپنا وطیرہ (عادت) بنالئے ہیں کہ یہ کون سے فرض و واجب ہیں حالانکہ بعض سنن (سنت) ایسے ہیں جن کے ترک کرنے پر شرعاً ناراضگی و ملامت صادر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض ممنوعات (حرام) کا اسلئے ارتکاب کرلیتے ہیں کہ یہ حرام لعینہ نہیں بلکہ حرامِ لغیرہ (مکروہ) ہے حالانکہ دونوں سے بچنا ازحد ضروری ہے۔

دیگر اہلِ علم تو کُجا دینی مدارس سے فارغ التحصیل طلبہ بھی احکامِ تکلیفیہ کی تعریفات و درجات سے کاملاً آگاہ نہیں ہیں اِس لئے کہ وہ اصولِ فقہ میں صرف ادلہ (کتاب وسنت' اجماع وقیاس) پڑھتے ہیں' احکام تک پہنچتے ہی نہیں حالانکہ دونوں اُس کا موضوع ہیں۔ اِس کتاب کے ذریعہ اس کمی کے ازالے کی کوشش کی گئی ہے۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مقدس کتاب (القرآن) نازل فرمائی جس کے ذریعہ طالبانِ امن وسلامتی کو راہ (صراطِ مستقیم) کی ہدایت فرماتا ہے۔ اِس کتاب (قرآن) کی شرح و

توضیح (تشریح وتشریع) کی ذمہ داری خداوندِ عزیز نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تفویض (ذمہ) فرمایا۔ آپؐ نے قرآن کریم کی شرح وتوضیح (وضاحت) کرتے ہوئے اپنی مرضی سے کام نہیں لیا جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے! ''(ہمارا رسولؐ) اپنی مرضی سے نہیں بولتا' وہ تو صرف وحی ہے جو آپؐ کی طرف کی جاتی ہے'' (النجم۔4-3) یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو خود اپنی اطاعت قرار دیا۔ ارشاد فرماتا ہے!

مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ (النساء -80) یعنی جس نے رسولؐ کی اطاعت کی' حکم مانا اُس نے اللہ کا حکم مانا اور اطاعت کی۔ لہٰذا اطاعتِ نبویؐ کو اطاعتِ خداوندی سے الگ تصور کرنا جہالت پر دلالت کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ کتاب وسنت دونوں وحیِ جلی اور وحیِ خفی الٰہی سے عبارت ہیں۔ جو دینِ اسلام کی اساس (بنیاد) کی حیثیت سے خشیۃ اللہ کا احساس دلانے والے اور صراطِ مستقیم دکھانے والی مشعلِ نور ہیں اور اسلامی قانونِ وفقہ شریعت کے ماخذ وسرچشمہ (Origin & Source) ہیں۔ لہٰذا سنتِ نبویؐ کی اتباع و پیروی بکمالِ عشقِ رسولؐ ہم سب اُمتیوں کے لئے لازم اور باعثِ نجات وخوشنودیٔ الٰہی ہے دنیا میں اور آخرت میں۔ الحمدللہ! ائمہ محدثین وائمہ مجتہدین اور علماء محققین نے عہدِ تابعین سے عصرِ حاضر تک مسلسل جستجو وکدو کاوش سے روایتِ حدیث اور استنباطِ شرعی احکام کو ایک مستقل فن کی صورت میں دی اور اصولِ حدیث' احوالِ رِجال اور اصولِ فقہ اسلامی مرتب فرما کر دینِ اسلام کی بحسن خوبی خدمت کا اہتمام کیا ہے۔ یہ وہ حضرات کرام ہیں جو حقیقت میں خود نقشِ قدمِ رسول پر گامزن رہ کر تمام طالبانِ حق کو فیضیاب کر رہے ہیں۔ زیرِ مطالعہ کتاب کو، موضوع کے پیشِ نظر ''نقشِ قدمِ رسول'' نام دیا گیا ہے اور یہ اُسی سلسلہ کی ایک ادنیٰ سعی ہے۔ امید کہ قارئین پسند فرمائیں گے۔

اِس کتاب کو تین جلدوں میں ترتیب دیا گیا!

1- نقشِ قدمِ رسول (باب اول) احوال ائمہ تفسیر وفنِ تفسیر،
2- نقشِ قدمِ رسول (باب دوم) احوال ائمہ حدیث وفنِ حدیث
3- نقشِ قدمِ رسول (باب سوم) احوال ائمہ مجتہدین وفنِ فقہ۔

زیرِ مطالعہ کتاب (باب سوم) احوال ائمہ مجتہدین وفن فقہ کے مرتب کرنے میں درجِ ذیل کتب سے اکتساب کیا گیا ہے۔

1- تفسیرِ صدیقی ازمرشدی بحرالعلوم پروفیسر حضرت محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؒ

2- معیار الکلام از مرشدی بحرالعلوم پروفیسر حضرت محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؒ
3- الدین از مرشدی بحرالعلوم پروفیسر حضرت محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؒ
4- ''حجۃ اللہ البالغہ'' از حکیم الامت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
5- ''سنتِ خیرالانام'' از محمد کریم شاہؒ فاضل جامعہ الازہر
6- معارف الاحکام (اصولِ فقہ) از مفتی محمد خان قادریؒ
7- ''الحکم الشرعی'' از شیخ الاسلام ڈاکٹر حضرت محمد طاہر القادری
8- ''حقیقۃ الفقہ'' از شیخ الاسلام، مولانا محمد انوار اللہ فاروقیؒ
9- ''سیدنا حضرت امام اعظمؒ '' از علامہ سید شاہ تراب الحق قادریؒ

اِس کتاب کی ترتیب و تصریح میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا گیا ہے پھر بھی کوئی کوتاہی یا سہو ہو تو قارئینِ کرام زیورِ تصحیح سے مزّین فرمائیں۔ اللہ رب العزت سے بعجز وانکسار دعا کرتا ہوں کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ وطفیل میں میری اِس ادنٰی سعی کو درجہ مقبولیت سے سرفراز فرمائے۔ آمین

خادم
الفقیر سید محی الدین میر لطیف اللہ شاہ قادری قادریؒ
M.S (ece) ,MIETE
سابق مہتمم پولس۔ حیدرآباد

5- مقدمہ
PREFACE

تعریف اصولِ فقہ (Definition of Islamic Jurisprudence)

سوال: 1:۔اصول وفقہ کے لغوی (Literal) اور اصطلاحی (Classical) معنی اور اصولِ فقہ کی تعریف بیان کیجئے؟

جواب:۔ اصول فقہ کی تعریف دو طرح کی جاتی ہے۔

1- اِسکی جو تعریف بطورِ فن اور عِلم کا علم (اسم) ہونے کی بناء پر کی جاتی ہے۔

2- اِس کی وہ تعریف جو ترکیبِ اضافی (اصول' مضاف اور فقہ، مضاف الیہ کی الگ الگ) کے طور پر کی جاتی ہے۔

اصول:۔ یہ اصل کی جمع ہے۔ اصل کے لغوی معنی جس پر غیر قائم ہو یعنی کسی چیز یا شئے کی بنیاد کو ''اصل'' کہا جاتا ہے۔ کبھی قیام حساً ہوتا ہے اور کبھی عقلاً۔ ''اصل'' کے اصطلاحی معنی متعدد ہیں۔

1- قاعدہ 2- راجح 3-استحجابِ حال 4- مقیس علیہ 5-دلیل۔ یہاں اصل کا معنی ''دلیل'' ہے۔

'' اصول الفقہ ای ادلۃ الفقہ ''۔

الفقہ:۔لغوی معنی کسی شئے کا جاننا۔

نوٹ:۔ علماء کی رائے میں فقہ کے مفہوم میں صرف ''جاننا'' ہی نہیں پایا جاتا بلکہ اس میں دقتِ فہم' باریک بینی اور معرفتِ غرض، متکلم کا مفہوم بھی ہے۔ قرآن کریم میں لفظ فقہ اِن ہی معنی میں مستعمل ہے۔ مثلاً فَمَا لَهٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا (اس قوم کو کیا ہے کہ یہ بات (مقصد) کو نہیں پاتے)۔ یعنی صرف الفاظ کا معنی سمجھ لینا نہیں بلکہ اُن کی رُوح کو پانا فقہ کہلاتا ہے۔ چنانچہ اکثر اصولیین (علماء اصولِ فقہ) نے فقہ کی اصطلاحی تعریف یوں کی ہے! اَلْعِلْمُ بِالْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ الْعَمَلِيَّةِ الْمُكْتَسَبَةِ مِنْ اَدِلَّتِهَا التَّفْصِيْلِيَّةِ (احکامِ شرعیہ عملیہ کا وہ علم جو دلائل تفصیلیہ سے حاصل ہو)۔

سوال: 2:۔''فقہ'' کی اصطلاحی تعریف کے ضمن میں اِن احکام کی وضاحت کیجئے؟

1- الشرعیۃ 2- عملیۃ 3- المکتسبۃ 4- ادلہ تفصیلیہ

جواب:۔ 1- **الشرعیۃ**:۔ احکام شرعیہ سے مراد وہ احکام ہیں جو موقوف علی الشرع (Based on Sharia)

ہوں مثلاً صلوٰۃ ' صوم۔

نوٹ۔ جو احکام موقوف علی الشرع نہیں وہ علم فقہ سے خارج ہوں گے۔ وہ احکام یہ ہیں!

a- **احکامِ عقلیہ** ۔ وہ احکام جن کا تعلق عقل سے ہو مثلاً اَلعَالَمُ حَادِثٌ (دنیا حادث ہے)' اَلْکُلُّ اَعْظَمُ مِنَ الْجُزْءِ (کُل جز سے بڑا ہوتا ہے)۔

b- **احکامِ حسیہ**:۔ وہ احکام جن کا تعلق حِس (Sense) سے ہے مثلاً اَلنَّارُ مُحَرَّقَۃ (آگ جلا دیتی ہے)

c- **احکام تجربیہ**:۔ وہ احکام جو تجربے سے حاصل ہوتے ہیں مثلاً اَلسّم قَاتِلٌ (زہر مہلک ہے)

d- **احکام وضعیہ** :۔ وہ احکام جن میں انسانی وضع کا دخل ہو مثلاً کُلُّ فَاعِلٍ مَرْفُوْعٌ (ہر فاعل مرفوع (Raised) ہوتا ہے۔

2- **عملیہ**:۔ وہ احکام مراد ہیں جن کا تعلق مکلفین کے ظاہری اعضاء سے ہو مثلاً صلوٰۃ' بیع' جنایت' نکاح

نوٹ:۔ اس قید سے (a) احکام اعتقادیہ اور (b) احکام عقلیہ کا علم' فقہ کی تعریف سے خارج ہوں گے۔

a- **احکام اعتقادیہ** :۔ وہ احکام جن کا تعلق انسان کے قلب (دل) سے ہے۔ مثلاً ایمان باللہ' ایمان بالآخرت۔

۔ **احکام اعتقادیہ** کو ''علم کلام'' بھی کہتے ہیں۔ متقدمین (اسلاف) کے ہاں فقہ کی تعریف میں علم کلام کو بھی شامل کیا گیا تھا۔ جیسے امام اعظمؒ سے فقہ کی تعریف اِن الفاظ میں منقول ہے!

الفقہ معرفۃ النفس ما لھا و ما علیھا (نفس کا حقوق وفرائض سے آگاہ ہونا فقہ کہلاتا ہے۔)

پہلے فقہ وعلم کلام اکھٹے تھے بعد میں اُن کی الگ الگ تدوین ہوئی۔

b- **احکام اخلاقیہ**:۔ وہ احکام جن کا تعلق انسانی اخلاق سے ہو مثلاً وجوبِ صدق حرمتِ' کذب۔

۔ احکامِ اخلاقیہ کے علم کو علم اخلاق اور ''علم التصوف'' کہا جاتا ہے۔

۔ متاخرین نے ''علم الاخلاق'' کو شریعت کے وسیع دائرے میں شامل کیا ہے۔ اور ''حکم وفقہ'' کو شریعت کے صرف اس حصہ سے متعلق قرار دیا ہے جو انسانی زندگی کے لئے ''ظاہری ضابطۂ عمل'' مہیا کرتا ہے۔

3- **المکتسبۃ**:۔ اس سے وہ احکام مراد ہیں جو دلائل تفصیلیہ سے بطریقِ نظر واستدلال مستفاد (حاصل) ہوں یعنی فقہ اُن احکام کے علم کا نام ہے جن میں انسانی کسب (افعال) کا دخل ہو۔

نوٹ :۔ علمِ الٰہی (اللہ تعالیٰ کا ذاتی علم) اور علم النبیؐ (نبیؐ کے علم کا ذریعہ بھی وحی الٰہی ہے)۔ یہ دونوں علوم

دلائل وکسب سے مستفاد (حاصل) نہیں ہوتے اسلئے اِن علوم کو ''فقہ'' نہیں کہہ سکتے۔ ہاں مگر ماخذِ فقہ ضرور ہیں۔

4- **اَدِلَّۃ تفصیلیہ**:۔ادلہ یعنی دلیل (Evidence) یہ دوطرح کی ہوتی ہے۔

a) **۔دلیلِ کلّی** (Comprehensive) :۔

دلیلِ کلی وہ دلیل ہوتی ہے جس کے تحت ایسے دلائل جزئیہ (تفصیلی دلائل) ہوں جن میں سے ہر کوئی کسی خاص فعل کے بارے میں معین حکم پر دلالت کرے۔مثلاً ''الامر للوجوب '' دلیل کلی ہے کیونکہ اس کے تحت کتاب وسنت میں امر (حکم) کی صورت میں وارد شدہ تمام نصوص جیسے اقیمو الصلوۃ 'قاتلوا فی سبیل اللہ' اوفوا بالعھد داخل ہیں۔

اسی طرح ''النھی یدل علی التحریم '' بھی دلیل کلّی ہے کیونکہ اسکے تحت نہی (حکمِ ممانعت) کی صورت میں وارد ہونے والے نصوص جیسے لا تأ کلو الرِّبوا (سود مت کھاؤ)، داخل ہیں۔

نوٹ:۔دلیلِ کلی کو ''دلیلِ اجمالی'' بھی کہا جاتا ہے۔

b- **دلیلِ جزئی** (تفصیلی) :۔

وہ دلیل ہوتی ہے جو کسی خاص فعل کے حکم پر دلالت کر رہی ہو مثلاً ''اوفوا بالعھد '' دلیل جزئی ہے کیونکہ اس کا تعلق جنسِ فعل سے ہے اور وہ وجوبِ وفا بالعھد ہے۔

نوٹ:۔متقدمین (اگلے لوگوں) کے ہاں ''ادلہ تفصیلیہ'' کی اصطلاحی تعریف کے پیشِ نظر صرف ''مجتہد'' (Jurisprudent) کو ''فقیہ'' کہا جاتا تھا۔مگر عصرِ حاضر میں فقہی جزئیات کے ماہر کو فقیہ کہہ دیا جاتا ہے یعنی فقیہ کا اطلاق مقلد (مُفتی) پر بھی ہو رہا ہے۔گویا فقہ کا اطلاق مسائل فقہ پر کیا جا رہا ہے خواہ انہیں ''مجتہد'' بطریق استدلال حاصل کرے یا مفتی (مقلد) بطریق تقلید یعنی ہر اُس شخص کو ''فقیہ'' کہہ دیا جاتا ہے جسے مسائل فقہ کا علم ہو۔ یہ جدید اصطلاح اہل فقہ کے ہاں ہے' اصولیین (علماءِ اصول) کے ہاں نہیں۔

''**مجتہد**'' دلائل سے استنباطِ احکام (Infering Law) میں اپنی خواہش سے کام نہیں لے سکتا بلکہ اُن قواعد کے تابع ہوتا ہے جو اجتہاد کے لئے علماءِ اصول نے وضع (مرتب کئے) ہیں۔مثلاً علماءِ اصول کے ہاں یہ قواعد ہیں!

1- **الامر یفید الوجوب** یعنی امر (حکم) وجوب (فرض وواجب) سے مستعار (کہلاتے) ہے۔

2- **النهى يفيد التحريم** یعنی نہی' تحریم (حرام) سے مستعار (کہلاتے) ہے۔

3- **تقديم النص على الظاهر** یعنی نص، آیات کے ظاہری معنی پر مقدم ہے۔

4- **العام يبدل على افراده قطعاً** یعنی عام (اجماع) ''حکم قطعی'' کا بدل ہوگا۔

ایک ''مجتہد'' کے لئے اِن قواعد کی پابندی ضروری ہے۔ اِس مثال پر غور کریں!

مجتہد' نص (آیت) ''قاتلوا فی سبیل اللہ'' سے حکمِ جہاد مستنبط کرتے وقت کہے گا! هٰذَا اَمْرٌ وَ الْاَمْرُ يَفِيْدُ الْوُجُوْب. هٰذَا النَصُ يَفِيْدُ وُجُوْبُ الْجِهَادَ.

اسی طرح لَا تَقْرَبُو ا الزِّنَا (آیت نص) سے حرمتِ زنا مستنبط کرتا ہے تو وہ کہے گا!

هذا نهى . والنهى يفيد التحريم 'فهذا النص يفيد تحريم الزنا اِن ہی مذکورہ قوانین و قوائد کا نام ''اصول فقہ'' ہے۔ اس لئے علمائے اصول نے اصولِ فقہ کی تعریف یوں کی ہے!

اصولِ فقہ وہ قواعد جن کے ذریعہ مجتہد دلائل تفصیلہ سے احکام شریعہ کا استنباط (Infer) کرتا ہے۔ اور مجتہد کو فقہ کے دلائل اجمالی اور اُن سے استفادہ کا طریقہ اور مستفید' کے حال سے آگاہی ہوتی ہے۔

سوال:3:۔اصول فقہ کا اطلاق کن اُمور کی معرفت پر ہوتا ہے وضاحت کیجئے؟

جواب:۔اصولِ فقہ کا اطلاق تین (3) اُمور کی معرفت پر ہوتا ہے۔

1- **معرفة دلائل الاجماليه** (دلائل اجمالی کی معرفت (علم))۔

2- **معرفة كيفية الاستفادة منها** (طریقہ استفادہ کی معرفت)۔

3-**معرفة حال المستفيد** (مستفید کے حال کی معرفت)۔

1- **معـرفة دلائـل الاجـمـاليـه** :۔اِس سے مراد اِس بات کی معرفت ضروری ہے کہ حجت (Argument) کون ہے اور کون نہیں۔

الكتاب حجة (القرآن حجت ہے)۔خبر واحد حجۃ (سنتِ رسول حجت ہے)

الاجماع حجة (اجماع علمائے اُمت حجت ہے)

نوٹ:۔امر و نہی کی صورت میں وارد ہونے والے نصوص (حجت) دلیل اجمالی میں داخل ہیں جن کا پہلا ماخذ قرآن (کتاب) دوسرا ماخذ حدیث (سنت) اور تیسرا ماخذ اجماع وقیاس ہے۔

2- **مـعـرفة كـيـفـية الاستفادة من الادلة** :۔کیفیت استفادہ کی معرفت تین (3) اُمور کی

معرفت پر موقوف ہے۔

a- شرائط استدلال b- مراتبِ اَدِلہ c- طریقِ ترجیح

a- **شرائط استدلال**:۔یعنی اس سے مراد ''ادلہ''(دلیل) سے استدلال کے شرائط سے آ گاہی ضروری ہے۔جیسے!

قیاس(Analogy) اورخبرواحد(حدیث) پرعمل کے شرائط مثلاً **العمل بالقیاس الا مشترک فی العلۃ** ۔امام مالکؒ کے پاس خبرواحد پرعمل کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اہلِ مدینہ کے عمل کے خلاف نہ ہو۔

b- **مراتب ادلہ** :۔ اس سے مراد ان دلائل کے مراتب(Stages) کا جاننا ضروری ہے یعنی اُن میں''حجت'' (Argument) کے لحاظ سے کون مقدم (پہلے)اورکون قطعی (یقینی) ہے اورکون ظنی (غیر قطعی یا قیاس) ہے۔مثلاً مراتبِ دلائل حسبِ ذیل ہیں!

مرتبۃ السنۃ بعد الکتاب (سنت کا مرتبہ کتاب (قرآن) کے بعد ہے)

القیاس یفید الظن (قیاس سے ظن استفاد (حاصل ہوتا) ہے)

خبر الواحد یفید الظن (خبر واحد سے بھی ظن استفاد ہے)

c- **طریق ترجیح** :۔ اگر دلائل کے درمیان تعارض(Confrontation) آ جائے تو اُن میں سے کس کوترجیح(Preference) دی جائے گی اوراسکے ضوابط (قواعد) کیا ہیں۔مثلاً **اَلنَصُّ یُقَدِّمُ عَلَی الظَّاھِرُ** (نص ظاہر پرمقدم ہے)۔**التواتر یقدم علی الاحاد** (حدیث متواتر حدیث احاد (خبر احاد) پرمقدم (ترجیح) ہے۔

3- **معرفۃ حال المستفید** :۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو دلائلِ تفصیلیہ سے احکام کا استنباط (اخذ) کرتا ہے یعنی مجتہد وفقیہ کواس کے تمام احوال پرآ گاہی کے لئے شرائطِ اجتہادوغیرہ کا مطالعہ ضروری ہے۔

سوال: 4:- **اصولِ فقہ اورفقہ میں کیا فرق ہے؟**

جواب:۔ **اصولِ فقہ اورفقہ** کی تعریفات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ان دونوں میں درجِ ذیل فرق پائے جاتے ہیں!

1- **اصولِ فقہ کا موضوع** (Subject) ''دلائلِ اجمالیہ وکلیہ'' ہیں اور فقہ کا موضوع ''دلائلِ تفصیلیہ و

جز ئیہ'' ہوتے ہیں۔

2- اصولِ فقہ میں طریقِ اِستخراج (استنباط یا اخذ کرنے کے طریقے) اور فقہ میں استخراجِ احکام سے بحث ہوتی ہے۔

3- دلائل اجمالیہ کے عالم (Scholar) کو''اصولی''(عالم اصول) اور دلائل تفصیلیہ کے عالم کو فقیہ (مجتہد) کہا جاتا ہے۔

اصولِ فقہ کے فوائد (Advantages):۔

سوال 5:- ایک''مجتہد'' شخص اللہ کی توفیق سے حکمت و دینی بصیرت کے ساتھ ساتھ قواعدِ اصول فقہ سے آ گاہ ہوگا تو اُن کے ذریعہ دلائل جز ئیہ سے احکامِ شریعہ کا استباط کرے گا لیکن غیر مجتہیدین کو اِس علم کا کیا فائدہ ہوسکتا ہے؟

جواب:۔ اس کا جواب علماء نے بڑی تفصیل کے ساتھ دیا ہے اگر چہ غیر مجتہدین، اس علمِ اصولِ فقہ سے آ گاہی کے ذریعہ مطلقاً اجتہاد تو نہیں کر سکتے تاہم درجِ ذیل فوائد ضرور حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

1- مجتہد نے جن دلائل سے احکام شرعیہ کا استنباط کیا ہے اُن سے آ گاہی ہو جاتی ہے۔ اِس سے غیر مجتہد کا ذہن احکام پر عمل کے لئے خوب مطمئن ہو جاتا ہے۔

2- اِن اصولِ فقہ سے آ گاہی کی وجہ سے اپنے مذہب کا دفاع (Defence) آ سان ہو جاتا ہے۔

3- وہ حوادثات وواقعات جو امام کے دَور میں پیش نہیں آ ئے اُن مسائل کا حکم اِن قواعد کی روشنی میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

4- جن احکام پر امام سے دلیل منقول نہیں ہوتی اِس فن کے ذریعہ اِس دلیل سے آ گاہی ہوسکتی ہے۔

تدوین اصولِ فقہ (Compilation):۔

سوال 6:- تدوینِ اصولِ فقہ کی بنیاد اور اِس فن کی اشاعت وارتقاء اور باقاعدہ تدوین کے متعلق تذکرہ کیجئے؟

جواب:۔ اصولِ فقہ کے تاریخی پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اِس کی بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حینِ حیات میں ہی رکھ دی تھی۔ عہدِ رسالت میں اسلامی قانون کی بنیاد مکمل طور پر استوار ہو چکی تھی۔ قانون سازی' فتویٰ اور عدلیہ کے جملہ فرائض حضور ﷺ کی ذاتِ اطہر سے وابستہ تھے۔

حضورﷺ کے زمانے میں صحابہؓ کا مرکزِ فکر کتاب وسنت سے استنباطِ مسائل نہ تھا بلکہ تمام تر توجہ جہاد و عمل، تلاوتِ قرآن اور حضورﷺ کے قول وفعل، زندگی کے مختلف شعبوں میں حضورﷺ کے طریقہ کار اور اس کے مطابق عمل کرنے پر مبذول تھی۔ ہاں مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا تو انہیں رخصت کرتے وقت اصولِ فقہ کے فن کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے حضرت معاذؓ سے سوال فرمایا!

بم تقضی یا معاذ ؟ (اے معاذؓ وہاں فیصلہ کیسے کرو گے؟)

صحبتِ نبویؐ کے فیض یافتہ قاضی حضرتِ معاذؓ نے عرض کیا!

يَا رَسُوْلَ اللهِ بِكِتَابِ اللهِ : اے میرے آقا میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پیشِ نظر رکھوں گا۔

قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ قَالَ فَبِسُنَّةِ : آپؐ نے فرمایا! اگر تو اس میں نہ پائے تو عرض کیا! میں آپؐ کی سنت کو پیشِ نظر رکھ کر فیصلہ

رَسُوْلِ اللهِ قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ : کروں گا۔ فرمایا اگر تو اس میں بھی نہ پائے تو۔ عرض کیا

قَالَ اَجْتَهِدُ رَائِی وَلَا الو : اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی روا نہ رکھوں گا۔

حضرت معاذؓ بن جبل کا یہ جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خوش ہوئے اور حضرت معاذؓ کے سینہ مبارک پر دستِ اقدس رکھا اور فرمایا!

الحمد لله الذی و فق رسول : اللہ کا شکر ہے کہ رسول اللہ کے نمائندے کو اس بات کی توفیق

رسول الله لما یرضی رسول اللهِ : دی جو اللہ کے رسول کو پسند ہے۔

اس کے بعد خلفائے راشدینؓ اور تابعینؒ کے فیصلوں کا طریق بھی یہی رہا۔ چنانچہ خلافتِ راشدہ کے دَور میں جیسے جیسے اسلام پھیلتا گیا اور ممالک فتح ہوتے گئے اور متمدن اقوام زیرِ نگیں (تحت) آتے گئے ویسے ویسے نئے نئے مسائل اُبھرتے گئے۔ اب بدلتے ہوئے حالات میں ''اجتہاد'' کے سوا چارہ نہ تھا۔

اب صحابہؓ کرام کے ''اجتہاد''(Juristic Interpretation) کی نوعیت یہ تھی کہ وہ سب سے پہلے قرآن کی طرف رجوع کرتے۔ قرآن میں حکم مل جاتا تو اس پر عمل کرتے نہ ملتا تو احادیثِ نبوی کی طرف متوجہ ہوتے۔ مختلف مسائل میں حضورﷺ کے فیصلوں کو ایک دوسرے سے پوچھ کر معلوم کرتے اور اس پر عمل کرتے۔ اگر کوئی حدیث نہ ملتی یا نہ ہوتی تو مقاصدِ شریعت اور اصولِ دین کی حدود میں رہ کر اپنی فہم ورائے سے اجتہاد کر کے قیامِ عدل ومصالحِ عامہ کی سعی (کوشش) کرتے۔

حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں تو حضرات صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے مسائل کو سامنے رکھ کر استفتاء (مشورہ) فرماتے اور اُن کے متفقہ فیصلہ پر عمل پیرا ہوتے۔ ''اجماع'' کے مسئلہ کی پیدائش کا یہی دَور ہے' اور رائے وقیاس کے استعمال میں وسعت (Capability) اور نئے واقعات کے متعلق شرعی احکام میں اُن کے'' اجتہاد'' کی نوعیت' بعد آنے والوں کے لئے واقعاتی (دلیل) فقہ کے سلسلہ میں ایک دستور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخری زمانہ میں اہل علم صحابہؓ مختلف علاقوں میں جا بسے اور اپنے ساتھ قرآن کے علاوہ احادیث رسول اور احکامِ شریعت بھی لے گئے جن سے تابعینؒ نے فائدہ اُٹھایا۔

علامہ حضرت ابن قیمؒ فرماتے ہیں'' اُمتِ اسلامیہ میں فقہ کی اشاعت عراق (کوفہ) میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ذریعہ سے' مدینہ منوہ میں حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے تلامذہ (شاگردوں) سے' مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تلامذہ سے ہوئی اور علمِ فقہ پھیلا۔
(اعلام الموقعین از ابن قیمؒ)

کوفہ میں جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے دو فاضل شاگرد حضرت علقمہؒ اور حضرت اسود نخعیؒ (75ھ) حضرت ابن مسعودؓ کے جانشین بنے اور درس فقہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ کی وفات کے بعد حضرت حماد بن سلیمانؒ نے جو غالباً ایرانی تھے کوفہ کی درس گاہ کو مزید شہرت عطا کی۔ امام ابوحنیفہؒ اِن ہی حضرت حمادؒ کے جانشین ہیں۔

مدینہ منورہ میں توسیعِ فقہ کے لئے شوریٰ اور اجماع کا ادارہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے خاصا منظم کر دیا تھا۔ اس دَور کے فیض یافتہ تابعینؒ میں سے فقہاءِ ستہ (چھ ارکان) کی کمیٹی نے ایک طرح سے قانون سازی اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔

ان فقہاءِ ستہ کے نام قابلِ ذکر ہیں!

1- حضرت زید بن ثابتؓ کے بیٹے حضرت خارجہؒ۔
2- حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے حضرت قاسمؒ۔
3- حضرت زبیرؓ کے بیٹے حضرت عمروؒ۔
4- حضرت بی بی میمونہؓ یا بی بی ام سلمہؓ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) سلیمان بن یسارؒ

5- حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن مسعودؒ ۔

6- حضرت سعید بن المسیبؒ ۔

اِن کے علاوہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بیٹے حضرت ابوسلمہؓ ، حضرت عمرؓ کے پوتے حضرت سالمؒ ، حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام القریشیؒ کے نام بھی لئے جاتے ہیں جو مشہور فقیہ تھے۔ ممکن ہے مذکورہ بالا چھ ارکانِ کمیٹی میں سے بعض کے انتقال پر یہ حضرات ارکانِ کمیٹی میں شریک کر لئے گئے ہوں۔

مجتہد صحابہ کرامؓ اپنے فتاویٰ اور اجتہادات کو جمع نہیں کرتے تھے لیکن بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے پیشِ نظر تابعینؒ کے دَور میں علماء، فقہا نے احادیثِ نبوی اور فقہ وفتاویٰ کی تدوین (Compilation) کا کام شروع کیا۔

چنانچہ مدینہ کے فقہاء حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور اُنکے بعد تابعین کے فتاویٰ جمع کرنے لگے۔ عراق کے فقہاء حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے فتاویٰ اور قاضی شُریحؒ اور دیگر قاضیوں کے فیصلوں کو جمع کرتے تھے۔ اس طرح حضرت ابراہیم نخعیؒ نے بھی فتاویٰ کو ایک مجموعہ میں جمع کیا۔ امام ابوحنیفہؒ کے استاد حضرت امام حمادؒ کا بھی ایک مجموعہ تھا، تاہم یہ مجموعے کتابوں کی شکل میں نہیں بلکہ ذاتی ڈائری کی حیثیت رکھتے تھے۔ (حیات امام حنیفہؒ)

امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ نے اپنے زمانے کے اکثر اہم مرکزوں میں تعلیمی سفر اختیار فرمایا۔ خاص کر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کوئی دفعہ گئے اور مجلسِ فقہاء ستہ کے جو ارکان بقیدِ حیات تھے اُن سے خوب فیض حاصل کیا۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے خاندانی سلسلہ کے ممتاز ارکان حضرت امام محمد باقرؒ ، حضرت امام جعفر صادقؒ اور حضرت امام زین العابدینؒ سے بھی ایک طویل مدت تک استفادہ کیا اور آخر میں کوفہ (عراق) میں متوطن ہوکر فقہ کا درس دیتے رہے۔

امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ کا عظیم الشان کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مسائل کے استنباط کے قواعد (Juristical Interpretation of issue) وضع کئے جس کی وجہ سے فقہ جو ابتداء میں جزیاتِ مسائل کا نام تھا، ایک مستقل فن بن گیا بعد میں حضرت امام اعظمؒ کے تلامذہ نے مرتب، منظّم اور کتابی شکل میں علم فقہ کی اشاعت کی۔

اصولِ فقہ کی باقاعدہ تدوین:

اس بارے میں دو آراء ہیں!

1- بعض علماء کے نزدیک اس موضوع پر سب سے پہلے حضرت امام یوسفؒ جو حضرت امام حنیفہؒ کے تلمیذ ہیں نے کتاب لکھی۔

''چنانچہ اس قول کے مطابق اصولِ فقہ کے مدوّنِ اول حضرت امام یوسفؒ ٹھیرے''۔

2- اکثر علماء کی رائے کے مطابق مدوّنِ اول حضرت امام شافعیؒ ہیں۔ انہوں نے اس موضوع پر ''الرسالہ'' کتاب لکھی۔ یہ کتاب حدیث کے اصول پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ پر بھی مشتمل ہے۔ یہ کتاب ''الرسالہ'' آج بھی دستیاب ہے۔ چنانچہ اس دوسری رائے کو شہرت و ترجیح حاصل ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی حضرت امام شافعیؒ کی کتاب ''الرسالہ'' کے بارے میں لکھا ہے کہ ''اصول فقہ پر یہ سب سے پہلی کتاب مدون ہوئی تھی''۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ زیادہ تر حجاز (مکہ و مدینہ) میں رہتے تھے۔ اُن کے شاگردوں میں اُن کے مولا (آزاد کردہ غلام) حضرت نافعؒ نے امتیاز حاصل کیا۔ حضرت امام مالکؒ حضرت نافعؒ کے شاگرد تھے اور مدینہ منورہ میں ہی رہائش اختیار کر لی تھی۔ حضرت امام مالکؒ کے شاگرد حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے شاگرد حضرت امام احمد بن حنبلؒ ہیں۔

اسالیب اصولِ فقہ(Modes of Fiqua):۔

سوال: 7:۔ مسالکِ اربعہ کے اسالیب اصولِ فقہ اور طریق کار پر روشنی ڈالئے؟

جواب:۔ مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، حنبلی و مالکی) کی اصولِ فقہ پر مرتب کتب کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اُن تمام کُتب میں درجِ ذیل اُمور پر تفصیل سے روشنی ڈالی جاتی ہے!

1- **ادلہ اربعہ** (دلیل و حجت کے ماخذ):۔ کتاب و سنت، اجماع و قیاس۔

2- **احکامِ شرعیہ**:۔ وجوب (فرض و واجب)، حرمت (حرام و مکروہ) نُدب (سنت، مستحب، مباح) وغیرہ۔

3- **طریق استنباط(Method of Inference):-**

4- **اجتہاد (Juristic Interpretation)** :-

ہر ایک کا طریق کار دوسرے سے مختلف ہے، وہ طریق تین (3) ہیں!

1- طریق احناف 2- طریق شوافع 3- طریق المتاخرین

1- **طریق احناف**:۔ علماء احناف کے ''اصول'' مرتب کرنے کا طریق یہ ہے کہ ائمہ کے بیان کردہ

مسائل کو پیشِ نظر رکھ کر اصول وضع (بنایا) کرتے ہیں۔ اور ارادہ یہ رکھتے ہیں کہ ہمارے ائمہ نے اسی اصول کے مطابق ہی مسائل کا استنباط کیا تھا۔ یہ بات اس مثال کے ذریعہ واضح ہوجاتی ہے!

مثلاً ائمہ نے یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ ''اگر کسی آدمی نے اپنے ''موالی'' کے لئے وصیت کی ہو اور لفظِ موالی کے معانی بیان کرنے سے پہلے ہی فوت ہوگیا، تو اُس کی وصیت باطل ہوجائے گی''

اب علمائے احناف نے اِس پر غور کیا کہ یہ وصیت باطل کیوں ہوئی ہے تو اِس نتیجہ پر پہنچے کہ ''مولیٰ'' کا لفظ مشترک ہے۔ یہ مالک اور غلام دونوں معنوں میں مستعمل (استعمال ہوتا) ہے۔ چونکہ اس کا معنی متعین نہ ہوسکا اس لئے وصیت باطل ہوگئی۔ اب اس فرع (Branch) کو سامنے رکھتے ہوئے یہ اصول (Root) وضع کیا!

كُلُّ لَفْظٍ وَضَعَ لِلْمَعَانِی جولفظ متعدد معانی کے لئے وضع ہو،

مُتَعَدِّدٍ لَا يُمْكِنُ اِنْ يُّرَادَ مِنْهُ كُلُّ الْمَعَانِیْ. اُس سے بیک وقت تمام معانی مراد نہیں لئے جاسکتے۔

اس اصول کو بعض اصولیین (علمائے اصول) ''لا عموم للمشترک'' بھی کہتے ہیں۔

نوٹ:۔ اس طریق احناف کے بیان سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ احناف کے کتب میں مذکورہ تمام اصول ائمہ متقدمین کی تصریحات (Clarifications) نہیں ہیں بلکہ یہ متاخرین کے وہ استخراجات (Devirations) ہیں جو انہوں نے ائمہ متقدمین کے بیان کردہ مسائل کو سامنے رکھ کر کئے ہیں۔ اس نکتہ پر تنبیہہ (Awakening) کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں!

''میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ علماء کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ احناف اور شوافع کے درمیان اُن مذکورہ اصولوں کی بنیاد پر اختلاف ہے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے کیونکہ یہ اصول تو متاخرین نے اُن کے اقوال سے مستنبط (Derived) کئے ہیں''۔

ایک اور مقام پر شاہ ولی اللہؒ تصریح (Clarify) کرتے ہوئے فرماتے ہیں!

''بڑی بڑی کتب اور فتاویٰ جات میں جو کچھ درج ہے' اُسے بعض علماء حضرت امام اعظمؒ اور صاحبین (تلامذہ) کے اقوال قرار دیتے ہیں اور اُن کے اقوال اور اُن سے مستنبط اقوال میں کوئی فرق ہی نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ اُن میں فرق کرنا ضروری ہے''۔

یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ متقدمین (ائمہ احناف) کے سامنے مسائل بیان کرتے وقت کچھ

اصول ضرور تھے مگر انہوں نے ان اصولوں کو مدون (Compile) نہیں کیا۔ ہاں متاخرین علمائے احناف نے یہ ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے اس کو خوب نبھایا۔

دیکھو! حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ تدوینِ ''قانونِ اسلامی (اصول فقہ) کے عنوان کے ضمن میں ایک جگہ لکھتے ہیں!

''ایک مرتبہ کسی نے اُن سے (ابوحنیفہؒ) ایک خاص مسئلہ کے متعلق پوچھا کہ جب صحابہ کرام اُس کے متعلق ایک رائے پر متفق نہیں ہوسکے تھے تو آپؒ کیسے قطعی رائے ظاہر کرسکتے ہیں؟ حضرت ابوحنیفہؒ نے فرمایا''کیا یہ خیال کرتے ہو کہ میں نے یوں ہی رائے قائم کرلی ہے؟ میں نے خاص اِس مسئلہ پر پورے بیس(20) سال غور و فکر کیا۔ اِس کے مماثل چیزیں ڈھونڈیں اور ہر صحابیؓ کے قول کی''اصولی مسئلہ'' پر جانچ کی۔

چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے قیاس کا اصول یوں بیان فرمایا تھا کہ''قیاس ہر چیز میں نہیں چلتا۔ قیاس صرف اُن چیزوں میں چلتا ہے جنکا رائے سے اِدراک ہوتا ہے۔''قیاس'' کسی طرح ارکانِ دین کے ثابت کرنے اور اسباب وعلل (سبب وعلت) میں نہیں چلتا بلکہ احکام کے ثبوت (دلیل) کے لئے چلتا ہے۔ (کردری، منتھیٰ)

2- **طریق الشوافع**:۔شوافع کا طریق استنباطِ احناف کے طریق سے جُدا ہے۔یعنی اس میں ''اصول'' (کلیہ) کو''فروعات'' (جزئیات) سے پہلے مدون کیا گیا ہے۔قطع نظر اس بات کے کہ وہ اصول ائمہ سے منقول فروعات (تفصیلات) کے موافق ہیں یا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے علماء فروعات میں حضرت امام شافعیؒ کے متبع ہونے کے باوجود اصول میں ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔مثلاً امام آمدیؒ شافعی المذہب ہیں مگر''اجماع سکوتی'' کے بارے میں حضرت امام شافعیؒ سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ''حجت'' ہے۔

چونکہ طریق شافعی میں محض حقائق اور عقلی استدلالات کے پیشِ نظر گفتگو ہوتی ہے اس لئے اس میں متکلمین (Theologeins) بھی شوافع کے ساتھ ہیں' کیونکہ وہ بھی علمِ کلام میں اسی نقطۂ نظر کے قائل ہیں۔

درجِ ذیل کُتب اسی طریق پر لکھی گئیں!

1- **المستصفیٰ** ازامام غزالیؒ
2- **المحصول** ازامام رازیؒ
3- **البرهان** ازامام الحرمین
4- **المعتمد** از ابوالحسن محمد بن علی البصری

3- **طریق متاخرین** :۔متاخرین (بعد کے) علماء نے اُن دونوں طرق (احناف وشوافع) کو جمع کر دیا ہے۔اُن دونوں کو یکجا کر کے ایک نئے اسلوب کو اپنایا ہے۔درج ذیل چند کتب اسی طریق پر لکھی گئی ہیں!

1- تنقیح الاصول از صدرِ شریعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؒ 747 ھ

2- جمع الجوامع از شیخ تاج الدین عبدالوہاب بن علیؒ 771 ھ

3- التحریر از امام ابن الہمامؒ

اختلافِ ائمہ(Divergent views of Imams):۔

سوال:8:۔اختلافِ ائمہ کے سلسلہ میں وجوہاتِ اختلاف پر روشنی ڈالئے؟

جواب :۔اختلافِ ائمہ مجتہدین ومحدثین کے متعلق گفتگو کرنے سے پہلے درج ذیل اُمور پر غور کرنے کی ضرورت ہے، جس سے اختلافِ ائمہ کا پس منظر (وجوہات) کھل کر سامنے آجاتے ہیں!

1- یہ ایک حقیقت اور طبعی بات ہے کہ نادان و دانا' عالم و جاہل دونوں برابر نہیں ہو سکتے ۔جاہلوں و نادانوں کا کام ہے جو بات معلوم نہ ہو اس کو عالموں واہلِ علم سے پوچھیں ۔اُن سے سوالات کریں۔اُن پر اعتماد کریں۔اُن کے فتوں پر عمل کریں اور حکم الٰہی بھی یہی ہے۔فَاسْئَلُوْآ اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل ۔ 43) یعنی اہلِ علم سے سوال کرو اگر تم کو معلوم نہ ہو۔اِس آیت میں' اِسْئَلُوْا (سوال کرو) اَمر (حکم) ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔بلا تحقیق کوئی بات قابلِ تسلیم نہیں ہوتی ۔علماء کو تحقیق و تدقیق (Deep Study) کرنی چاہیئے خواہ آیاتِ قرآنی ہوں یا احادیثِ رسول ﷺ ۔

2- دیکھو! ساری دنیا میں یہی ہوتا ہے' ماہرفن (Experts) پر اعتماد کرتے ہیں۔جب تک خود کو مہارت نہ ہو دوسرے ماہر کی تقلید کرتے ہیں۔بے علمی پر خود مختاری' تباہی کا موجب (سامان) ہوتی ہے۔

3- جہاں تک علماء کا تعلق ہے' مبہم یا مجمل اُمور کی تعمیل میں کوئی صورت (رائے) اختیار کی جائے تو وہ غلط نہیں ہوتی۔ اختیارِ تمیزی (اجتہاد) پر ایک امر (کام) چھوڑا گیا ہو اور اُس کی تعمیل مختلف لوگوں نے اپنے اپنے اختیارِ تمیزی کے موافق کی ہو تو سب حق پر ہوں گے۔یہ نہیں کہ ایک حق پر ہو اور سب باطل پر۔یاد رہے کہ ایک حق پر (صحیح) اور باقی سب باطل (غلط) اُس وقت ہوں گے جب کوئی رائے (قیاس) واقعات (Actual Events) پر مبنی ہو۔کیونکہ جو اَمر مطابقِ واقعہ ہو'' صادق'' (سچ) ہے۔اور جو مطابقِ واقعہ

نہ ہووہ ''کاذب'' (جھوٹ) ہے۔لیکن اگر امر (مسئلہ) مبہم(Ambiguous) جو اختیارِ تمیزی (اجتہاد) پر موقوف ہو تو اُس کا کوئی واقع و محکم عنہ ہی نہیں ہوتا، اِس لئے یہاں مطابق وغیر مطابق اور صادق (سچا) اور کاذب (جھوٹا) کی کوئی گنجائش(Question) ہی کہاں؟ لہٰذا اپنے اپنے اعتبار(Confidence) سے سب صحیح و درست ہو سکتے ہیں۔مثلاً منصف کورٹ' ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے فیصلے سب اپنی جگہ درست اور حق ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنی اپنی اختیارِ تمیزی (Discretions) پر مبنی ہوتے ہیں۔

4- بعض قیاسات (Analogy) کا ماخذ (Source) قرآن و حدیث ہوتے ہیں' وہ صحیح و درست ہیں۔بعض راویوں کا ماخذ نہ قرآن ہوتا ہے نہ حدیث ہی ہوتی ہے وہ درست نہیں۔

5- بعض دفعہ بعض امام قرآن وحدیث سے ہی کسی حکم کا استنباط (Inference) کرتے ہیں۔کم فہم یا نادان اس کے ادراک (Perception) سے عاجز رہتے ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ یہ نری (صرف) رائے ہے' اِس کا کوئی ماخذ نہیں' حالانکہ اُن لوگوں کی نظر اس قدر دقیق (باریک Minute) نہیں ہوتی۔

6- یہ ایک طبعی (Natural) بات ہے کہ ہر شخص اپنے اساتذہ' اپنے خاندان' اپنے شہر کے لوگوں کے حالات سے زیادہ واقف ہوتا ہے' اُن ہی پر زیادہ اعتماد رکھتا ہے۔اور دوسروں کے تفصیلی حالات سے واقف ہوتا ہے نہ اُن پر اعتماد ہی کرتا ہے۔

7- یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ایک شخص کو کثرتِ روایت سے یقین یا ظن پیدا ہوتا ہے اور ایک دوسرا شخص راویوں کے ثقہ (عادل) اور فقیہ ہونے کو اہم سمجھتا ہے۔

8- حضرت امام ابوحنیفہؒ قرآن کے عام اور مطلق (آیات) کو اس کے افراد (الفاظ) میں قطعی و یقینی سمجھتے ہیں اور حدیثِ غیر متواتر سے قرآن شریف کی نہ تعیین کرتے ہیں نہ تقیید۔کیونکہ اُن کی رائے میں موجبہ کلیہ کا نقیض (مخالف) سالبیہ جزئیہ ہے۔لہٰذا آپؒ عام اور مطلقِ قرآن کے خلاف اس کے نقیض پر عمل کرنے کو اِنکارِ قرآن کے مماثل جانتے ہیں۔

لیکن بعض ائمہ قرآن کے عام کو قطعی و یقینی نہیں سمجھتے۔اُن کے نزدیک ہر ''عام'' میں کچھ نہ کچھ تخصیص (خاص) ہوتی ہے۔لہٰذا وہ خبرِ اَحَاد سے جو ظنی ہے قرآن کی تخصیص و تقیید نہ کرنے والوں کو اہل الرائے اور مخالفِ حدیث سمجھتے ہیں! وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا (البقرہ) یعنی (ہر ایک کا ایک رُخ' مذاق یا طریقہ ہوتا ہے)۔

9- مالکی مسلک کے علماء اہل مدینہ کے تعاملِ عام کے خلاف کسی دوسرے شہر کا آدمی روایت کرتا ہو تو سمجھتے کہ اس نے گویا

تمام خلفائے راشدین اور مرکزِ نبوت یعنی مدینہ شریف اور اس کے رہنے والوں کو جاہل سمجھا۔دوسرے مسالک والے اس کو جائز سمجھتے ہیں کہ اہل مدینہ بے خبر رہے ہوں اور دوسرے شہر والوں کو اطلاع مل گئی ہو۔

10- دیکھو! کوئی امام ایسا نہیں جو بلا تحقیق بلا شرط صرف حدیث کا نام سنتے ہی اس پر عمل کرنے کو تیار ہو جاتا ہو۔ بلکہ اپنے اپنے شرائط و تحقیق کے موافق حدیث تسلیم کرتا ہے اصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمارے درمیان مختلف قسم کے راوی ہیں اُن کی تنقید (جانچ پڑتال) ضروری ہے۔ بھلا کوئی مسلمان فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرتابی کرسکتا ہے۔ائمہ کو مخالفِ حدیث سمجھنا صرف زبان درازی ہے۔

11- اب ذرا اس پر بھی غور کریں کہ ان چاروں ائمہ مجتہدین (حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی) کی تقلیدِ شخصی کی جاتی ہے یا پھر چار مذہب، چار مکتب اور اسکول ہیں۔جن میں وقت بہ وقت مسائل تحقیق ہوتے رہتے ہیں۔ثبوتِ حدیث صحیح اور عرف (حالات) کے بدلنے اور نئے حالات کے پیدا ہونے کی وجہ سے اصول یا فروع میں امام سے اختلاف کیا جاتا ہے۔

ہر مذہب (مسلک) کی فقہ و اصولِ فقہ کی کتابیں ملاحظہ فرمائیے۔ نہ صرف فروع (Sub-Rule) میں امام سے اختلاف کیا جاتا ہے بلکہ اصول میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔تاہم ایک مذہب میں بہ نسبت دوسرے مذہب کے افراد کی قربت اور مناسبت پائی جاتی ہے۔مثلاً اصولی اختلاف امام ابوحنیفہؒ اور اُن کے شاگردوں امام یوسفؒ، امام محمدؒ، امام ظفرؒ اور امام حسن بن زیادؒ میں بھی ہے۔اب علمائے محققین کبھی امام یوسفؒ کے قول پر کبھی امام محمدؒ کے قول پر کبھی امام ظفرؒ کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں۔ لہٰذا تحقیق کو نری (صرف) تقلیدِ شخصی سمجھنا اور کسی امام کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ احادیث صحیحہ کو نہیں مانتے اپنی جہالت کا ثبوت دینا ہے۔ (تفسیر صدیقی)

مجتہدین کی اقسام اور درجات (Rank & Status of Jurists):-

سوال :9:۔مسائلِ شرعیہ کے حل کرنے والے کتنے قسم کے عالم ہیں ہر قسم کے عالم (مجتہد) کے لئے کس قسم کے معلومات وعُلوم جاننے کی ضرورت ہے؟

جواب :۔مسائلِ شرعیہ کے حل دریافت کرنا ''مجتہد'' (Jurist) کا ہی کام ہے جو عربی ادب اور ضروری عُلوم میں مہارت رکھتا ہے اور اقتضاءِ وقت (زمانہ) اور اسرارِ دین سے بہ خوبی واقفیت رکھتا ہے۔''مجتہد'' کے لئے عربی ادب میں مہارت بہرصورت ضروری ہے اور عربی ادب کے جاننے کے

لئے لغت، محاورات، نحو وصرف(Arabic Grammatical Knowledge)، معانی بیان (Rhetoric Dealing of Lanuage) سے واقفیت کی حاجت ہے۔ قرآن اور اس کے لئے تفسیر و اصولِ تفسیر کی احتیاج (حاجت) ہے۔ حدیث اور اِس کے لئے اصولِ حدیث، اسمائے رِجال کا علم لابد (نہایت ضروری) ہے۔ فقہ اور اِس کے لئے اصولِ فقہ، منطق (Logic)، اجماعی مسائل و اختلافِ ائمہ سمجھنے کے بغیر تو چارہ نہیں۔ زمانے کے مسائل سے واقفیت، اسرار و مقاصدِ دین، عُرف، عامۃ البلویٰ غرض بیسیوں اُمور (علوم) کے جاننے کے بعد کہیں جا کے ایک حکم شرعی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ مگر آج حال یہ ہے کہ ایک آدھ حدیث کی مترجم کتاب دیکھ لی، نہ راویوں کے حال سے واقف، نہ ناسخ ومنسوخ معلوم، نہ دیگر احادیث سے واقفیت، نہ کسی قسم کی تطبیق (Comparision) واستنباط (Inference) کی قوت حاصل اور لگے خود کو "مجتہد" کہنے۔ خدا کو جواب دینا ہے۔ اِس کے بجائے فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ پر عمل کر کے ٹھنڈے دل بیٹھے رہنا موجبِ امن ہے۔ لیکن اس مقام پر کئی غلط فہمیاں ہو رہی ہیں مثلاً! کچھ بے محل سوالات!

a- کیا اب اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا؟

b- کیا مذاہبِ اربعہ کی شخصی تقلید کی جاتی ہے؟

a- اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا اور اب کوئی مجتہد نہیں ہو سکتا؟ ایسا ماننا تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور رحمت و فیضانِ علم کو محدود کر دینا ہے۔

ذرا مجتہد کے اقسام اور درجات پر غور کرو!

1- مجتہدِ مطلق 2- مجتہد فی المذہب 3- مجتہد فی المسئلہ 4- صاحبِ ترجیح 5- مفتی

1- **مجتہدِ مطلق** (Absolute Jurist):۔ صاحبِ اصول ہوتا ہے۔ اور اِسکا طریقِ استنباط و استدلال جُدا ہوتا ہے۔ جیسے حضرت امام ابوحنیفہؒ۔

2- **مجتہد فی المذہب**(Deputy Jurist) :۔ اِس کے اصولِ استنباط وہی ہوتے ہیں جو اُس کے شیخ کے ہوتے ہیں۔ مگر مسائل میں وہ اپنے شیخ کا خلاف بھی کرتا ہے۔ عام طور سے لوگ شاگردانِ امام کو مجتہد فی المسئلہ سمجھتے ہیں۔ مگر علمِ اصولِ فقہ کا واقف جانتا ہے کہ صاحبین یعنی امام یوسفؒ اور امام محمد بن حسنؒ خصوصاً اصولی اختلاف بھی رکھتے ہیں مگر یہ بہت کم ہے، اکثر اصول میں امام کے موافق ہیں۔

3- **مجتہد فی المسئلہ** (Assistant Jurist):۔ یہ کسی خاص مسئلہ میں صاحبِ

تحقیق ہوتا ہے یا اگر کوئی نیا واقعہ (مسئلہ) پیدا ہو تو حکم کا استنباط کرتا ہے اور اُس مسئلہ کا حل (جواب) دیتا ہے۔مجتہد فی المسئلہ کا ہرزمانہ میں ہونا ضروری ہے۔تاہم اصول وفروغ میں مسلک امام سے تجاوز نہیں کرسکتا۔

4- **صاحبِ ترجیح**:۔یہ مجتہدینِ سابق کے مختلف اقوال میں سے ایک کو ترجیح دیتا ہے۔

5- **مفتی**:۔اور آخر میں مفتی کا درجہ ہوتا ہے۔یہ ''اجتہاد'' نہیں کرسکتا۔کتابیں الٹ پلٹ کر کے کسی کا قول نکال دیتا ہے۔عام طور پر علماء ایسے ہی ہوتے ہیں۔

b- عام طور پر یہ غلط فہمی چھائی ہوئی ہے کہ حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی تقلیدِ شخصی کرتے ہیں' یہ بالکل غلط ہے۔ بلکہ یہ چار خاندان یا اسکول ہیں۔ہر خاندان کا مذاقِ (طریق) استنباط جُدا ہے۔وقت بہ وقت تحقیقات ہوتے رہتے ہیں۔شاگردانِ امام نے تحقیق کر کے اصول میں بھی مخالفت کی اور فروع میں تو بکثرت اختلاف کیا۔ یہی نہیں بلکہ علماء نے بعدِ تحقیقات' امامِ اعظمؒ کی اور صاحبین (تلامذہ) کی مخالفت کی اور جُدا فتوے دیئے۔ یہ تمام تحقیقات ایک جگہ جمع کئے جاتے ہیں اور انہیں ''فتاویٰ'' کہتے ہیں۔اس طرح چاروں مذاہب کا حال ہے۔یہ اپنا اپنا مذاق (طریق) ہے۔خشیۃ اللہ سب میں ہے۔حق رسی کے لئے سب کوشاں ہیں۔

دیکھو! مختلف فیہ (ذیلی) مسائل میں جنگ وجدال اہلِ علم کا کام نہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے!

لِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (سورہ البقرہ)

ترجمہ:۔ ہر ایک کے واسطے ایک رُخ ہے جس کی طرف وہ مڑتا ہے۔تم اچھے کام کے لئے دوڑو۔

c- **تلفیق**: یعنی مختلف امام کی تقلید اختیار کرنا۔یہ بھی جہالت ہے کہ بلا تحقیق ایک بات ایک امام کی لے لی اور دوسری بات دوسرے امام کی۔ایسے شخص کا کام تمام ائمہ کے اتفاق سے ''باطل'' ہے۔کیوں کہ یہ کسی امام کے اصول کے موافق نہیں۔اس شخص کی مثال ایسی ہے جو ایک دَوا ایلوپیتھی ڈاکٹر کی' ایک دَوا ہومیو پیتھی کی' ایک دَوا طبِ یونانی کی' ایک دَوا ایورویدک ملا کر کھاتا ہے۔ظاہر ہے کہ اِن اَدویہ کا مرکب کسی ڈاکٹر کے پاس درست نہیں۔ہر شخص کا ایک طریقہ علاج ہے اور یہ مرکب سب کے اصول کے خلاف ہے۔ یہ جاہل' بندۂ غرض ہے۔اپنی خواہشات کا غلام ہے۔وہ حقیقت میں ائمہ کا نام برائے نام لیتا ہے۔

(تفسیر صدیقی)

موضوعِ اصولِ فقہ

سوال:10 :۔موضوع اصولِ فقہ میں کن اُمور کے احوال پر بحث ہوتی ہے؟

جواب:۔اصولِ فقہ کی تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں تین (3) چیزوں کے احوال زیرِ بحث آتے ہیں!

1- احوالِ ادلہ اجمالیہ 2-احوالِ احکامِ شرعیہ 3-احوالِ مجتہد

1- احوالِ ادلہ اجمالیہ (Sources of Islamic Law):.اِس سے مراد کتاب' سنت' اجماع وقیاس ہے۔ان پردو طرح سے گفتگو کی جاتی ہے۔

a- ان کی تعریفات' اُن کی صحت وثبوت کے شرائط اور اُن کی تقسیمات ۔

b- ان سے استنباطِ احکام کا طریق کار

2- **احوالِ احکامِ شرعیہ**(Description of Islamic Law):۔حکمِ شرعی کی تعریف وتقسیم اوراس کے ارکان حاکم' محکوم فیہ اورمحکوم علیہ پر گفتگو تفصیلی ہوتی ہے ۔

3- **احوالِ مجتہد** (Biography of Islamic Jurist) :۔اوصافِ مجتہد ۔تعریفِ اجتہاد اوراس کے شرائط زیرِ بحث آتے ہیں ۔

(اِس زیرِ مطالعہ کتاب میں اصولِ فقہ کے پورے موضوع کے تینوں احوال پرتشفی بخش گفتگو کی جائے گی انشاءاللہ)۔

حصہ اول

☆احوال ادلہ اجمالیہ (Sources of Islamic Law)

1- کتاب اللہ (القرآن)

(QURAN)

2- سنتِ رسولؐ (احادیثِ نبوی)

(SUNNA)

3- خلافت (امارت) یعنی اجماع وقیاس

(ANATOLOGY & CONSENSUS (AUTHORITY)

اسلام میں تصورِ حاکمیت کی قرآنی اساس
(Concept of Law giver in Islam)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ(النسآء:59)

ترجمہ:۔ ''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرواور رسولؐ کی اطاعت کرواور اپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ اَمر کی۔ پھر اگر کسی مسئلے میں تم باہمی اختلاف کروتو اُسے حتمی (Final) فیصلہ کے لئے اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹاؤ۔''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی تصورِ قانون

(Islamic concept of law)

حاکم

(Law Giver)

(اللہ تعالیٰ) حقیقی حاکمیت ☆ ان الحکم الا للہ (الیوسف۔40)

(ultimate sovereigny)

(رسول کریمؐ) نیابتی حاکمیت ☆ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (القرآن)

(Manifestive sovereigny)

تشریعی حاکمیت (اطاعتِ الٰہی)

Interpretion of Quran

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم (نحل۔44)

- تخصیص العام — (Specification of General)
- تقیدِ المطلق — (Qualification of Absolute)
- بیان المجمل — (Explanation of Implicit)
- استثنیٰ — (Exemption)
- الزیادہ — Addition
- توضیح المشکل — (Explanation of Ambiguous)

تشریعی حاکمیت (اطاعتِ رسولؐ)

Legislation by Sunna

یامرہم بالمعروف وینہہم عن المنکر ویحل لہم الطیبت ویحرم علیہم الخبئث (الاعراف۔157)

- تشریع جنائی (جرم وسزا) — (Punitive Law)
- تشریع سبب — (Conditioning Law)
- تشریع کفارہ — (Expiative Law)
- تشریع امر — (Commanding Law)
- تشریع نہی — (Prohibitory Law)
- تشریع شہادت — (Evidential Law)
- تشریع استثناء — (Exeptional Law)

اَطِیْعُو اللہ وَ اَطِیْعُو الرَّسُوْلَ وَ اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (القرآن)

(اطاعتِ اولی الامر)

خلفائے راشدین اربعہ

(حدیث معاذؓ بن جبل)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا تو انہیں رخصت کرتے وقت اصولِ فقہ کے فن کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے حضرت معاذؓ سے سوال فرمایا!

بم تقضی یا معاذ ؟ اے معاذؓ وہاں فیصلہ کیسے کروگے؟

صحبتِ نبویؐ کے فیض یافتہ قاضی حضرتِ معاذؓ نے عرض کیا!

یَا رَسُوْلَ اللہ بِکِتَابِ اللہِ : اے میرے آقا میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پیشِ نظر رکھوں گا۔

قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ قَالَ فَبِسُنَّةِ : آپ ﷺ نے فرمایا! اگر تو اس میں نہ پائے تو عرض کیا! میں آپ ﷺ کی سنت کو پیشِ نظر رکھ کر فیصلہ کروں گا۔

رَسُوْلِ اللہِ قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ : فرمایا! اگر تو اس میں بھی نہ پائے تو۔عرض کیا!

قَالَ اَجْتَهِدُ رَائِی وَلَا الَو : اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی روا نہ رکھوں گا۔

حضرت معاذؓ بن جبل کا یہ جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خوش ہوئے اور حضرت معاذؓ کے سینہ مبارک پر دستِ اقدس رکھا اور فرمایا!

الحمد للہ الذی و فق رسول : اللہ کا شکر ہے کہ رسول اللہ کے نمائندے کو

رسول اللہ لما یرضی رسول اللہِ : اس بات کی توفیق دی جو اللہ کے رسول کو پسند ہے۔

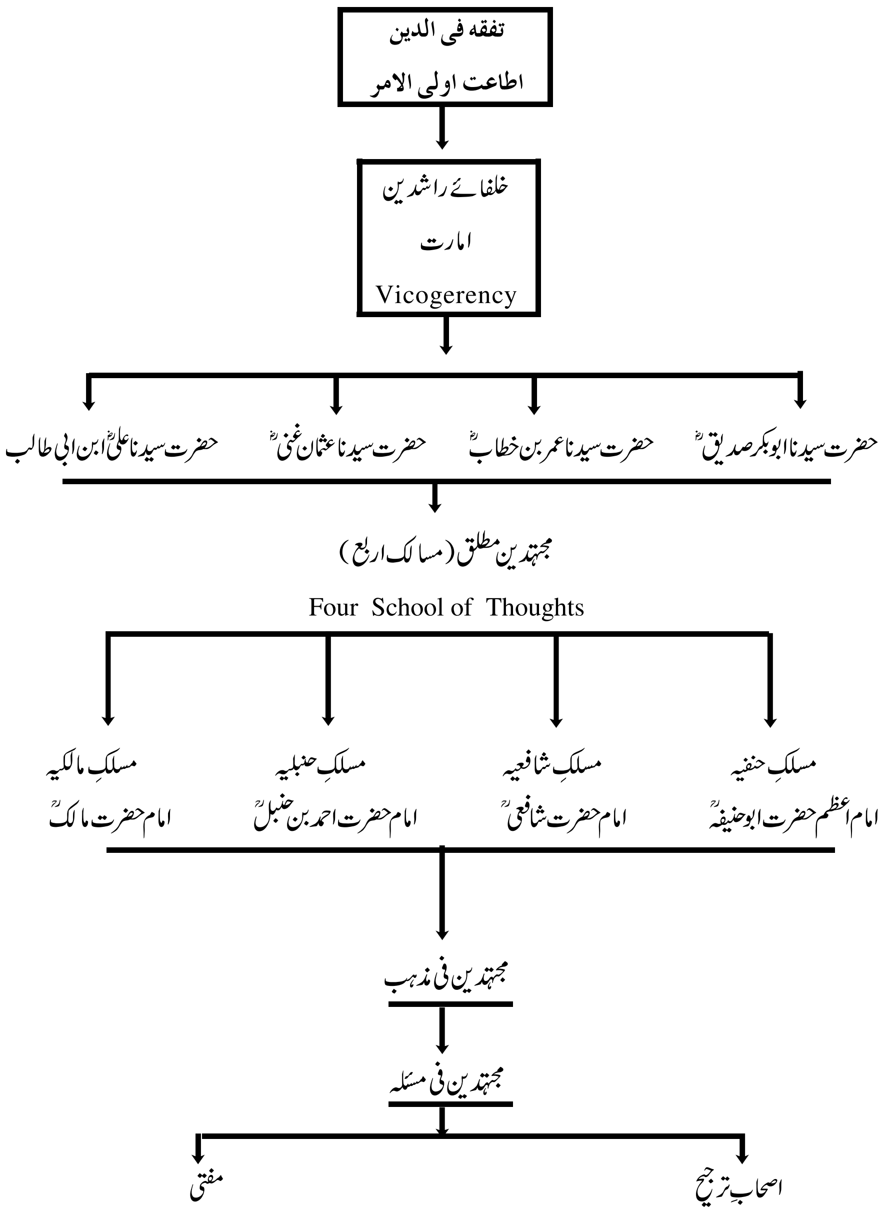
تفقہ فی الدین
اطاعت اولی الامر
خلفائے راشدین
امارت
Vicogerency
حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ
حضرت سیدنا عمر بن خطابؓ
حضرت سیدنا عثمان غنیؓ
حضرت سیدنا علیؓ ابن ابی طالب
مجتہدین مطلق (مسالک اربع)
Four School of Thoughts
مسلکِ حنفیہ
امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ
مسلکِ شافعیہ
امام حضرت شافعیؒ
مسلکِ حنبلیہ
امام حضرت احمد بن حنبلؒ
مسلکِ مالکیہ
امام حضرت مالکؒ
مجتہدین فی مذہب
مجتہدین فی مسئلہ
اصحابِ ترجیح
مفتی

6- کتاب اللہ (القرآن)

(فقہ اسلامی میں احکامِ شریعہ کا پہلا ماخذ اور سرچشمہ قرآن ہے)

سوال: 11:۔فقہ اسلامی میں احکامِ شریعہ کا پہلا ماخذ کیا ہے۔''شارع'' کی حیثیت سے حاکمیتِ اعلیٰ کی جہتیں اور اُن کی تعریفات بیان کیجئے؟

جواب:۔فقہ اسلامی کے تمام مکاتبِ فکر کے ہاں آغاز سے آج تک اسلامی قانون کا تصور ہمیشہ متفقہ رہا ہے۔ اِس مسئلہ پر یعنی صدرِ ماخذاتِ فقہ اسلامی پر کسی قسم کا تضاد یا اختلافِ رائے نہیں پایا جاتا۔ فقہ اسلامی کی اصطلاح ایک دائمی اور آفاقی (ہمیشہ سے عالم گیری) حیثیت رکھتی ہے جس میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں۔ فقہ اسلامی کے نظام اصطلاحات (Terminologies) میں ادلہ اجمالیہ (دلائل و استدلات) میں پہلا درجہ کتاب اللہ (القرآن) کو حاصل ہے جو احکامِ شریعہ کا پہلا ماخذ اور سرچشمہ بھی ہے۔

واضح ہو کہ فقہ اسلامی میں شارع یعنی وضعِ قانون (حکم یا حکمِ شرعی دینے) کی حیثیت صرف خدائے لم یزل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ خدائے تعالیٰ کی حاکمیت حقیقی اور اصل ہے جبکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حاکمیت نائب اور مظہر ہونے کے اعتبار سے نیابتی وتفویضی (عطائی) ہے۔

حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کی طرف سے تشریعی اختیارات (Legislative Authority) کے حامل ہونے کی بناء پر ابدالآباد تک انسانیت کے لئے مُطاعِ مطلق (مطلقاً قابل اطاعت) ہیں لہٰذا کسی بھی معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اَوامر اور نَواہی دراصل خدائے تعالیٰ کے اوامر ونواہی کہلاتے ہیں۔ اسلام میں حاکمیتِ اعلیٰ کے تصور کی تین (3) جہتیں ہیں۔

1- حقیقی حاکمیت (الوہیت الٰہی) (Ultimate Sovereignty) جس کا ماخذ کتاب اللہ (القرآن) ہے۔

2- نیابتی حاکمیت (رسالت) (Manifestive Sovereignty) جس کا ماخذ سنتِ رسول و احادیث نبوی ہے۔

3- خلافت (امارت) (Vicegerency) جس کا ماخذ اجماع وقیاس ہے۔

حاکمیتِ اعلیٰ کے اِس تصور کی بنیاد اور اساس سورۃ النسآء کی آیت 59 ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ

فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (النسآء 59)

ترجمہ :۔''اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ اَمر کی پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لئے) اللہ و رسول کی طرف لوٹا دو''۔

مذکورہ آیتِ قرآنی میں اطاعتِ الٰہی سے مراد حقیقی حاکمیت' اطاعتِ رسول سے مراد نیابتی حاکمیت ہے جبکہ اطاعتِ اولی الامر سے مراد خلافت و امارت ہے۔

1- **حقیقی حاکمیت (الوھیت الٰھی)** (Ultimate Sovereignty (Devinity))

حقیقی حاکمیت سے مراد پوری کائنات پر تکوینی (Constitutional) اور تشریعی (Legislaive) اعتبار سے اصلی حاکمیت ہے۔ یہ نہ عطائی اور نہ تفویضی (Deligative) ہوتی ہے اور نہ ہی نیابتی و مظہری (Manifeslative) ہوتی ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص' بالذات ہے۔ اس طرح کی حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ کسی کے لئے ثابت نہیں کیوں کہ یہ شانِ اُلوہیت (Devinity) سے عبارت (کہلاتی) ہے۔

2- **نیابتی حاکمیت (رسالت)** (Manifestative Sovereignty)

اِس سے مراد وہ حاکمیت ہے جو حاکمِ حقیقی کے نائب' قائم مقام اور مظہر ہونے کی حیثیت سے قائم ہے۔ یہ نیابتی حاکمیت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص' عطائی و تفویضی ہے۔ کیوں کہ یہ شانِ رسالت (Prophet Hood) سے عبارت ہے۔

3- **خلافت (امارت)** (Vicegerency)

خلافت سے مراد وہ حاکمیت ہے جو اماناً حاصل ہو۔ یہ فی الحقیقت حاکمیتِ حقیقی اور اقتدار اعلیٰ نہیں ہوتی بلکہ نیابتِ نبوت کا مرتبہ رکھتی ہے۔ اِس کو ''محض مجازاً'' کہا جاتا ہے اور اس میں انسان محض (صرف) امین (Trustworthy) کی حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ یہ اولی الامر کے لئے خاص ہے۔ اُولی الامر سے مراد خلفاء' امرائے سلطنت' ائمہ علم دین اور فقہائے اسلام ہیں۔ اس کے تحت تنفیذِ حکم (Enforcement of Legal Law) اور اظہارِ حکم آتا ہے جس کا مطلب ہے کہ اسلامی ریاست میں حکم کے نفاذ' اس کی حفاظت اور نئے پیش آمدہ مسائل میں شرعی مطابقت پیدا کرنا ہے۔

سوال:12:۔حقیقی حاکمیت پر آیاتِ قرآنی دلائل کے طور پر بیان کیجئے ؟

جواب:۔حقیقی حاکمیت کی تائید میں ارشاداتِ حق تعالیٰ ہیں !

1- اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ (الانعام۔ 62)

(جان لو حکم (فرمانا) اسی کا (کام) ہے اور وہ سب سے جلد حساب کرنے والا ہے)۔

2- اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (یوسف۔ 40)۔

(حکم کا اختیار صرف اللہ کو ہے)۔

3- اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف ۔54)۔

(خبردار ہر چیز کی تخلیق اور حکم کا نظام چلانا اُسی (اللہ) کا کام ہے)۔

4- وَ اللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (الرعد۔ 41)۔

(اور اللہ ہی حکم فرماتا ہے کوئی بھی اسکے حکم کورد کرنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے)۔

5- اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ (الاعراف۔ 3)۔

(پیروی کرو اس کی جو تمہارے رب کی طرف سے اُتارا گیا ہے)۔

6- وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدہ۔ 44)۔

(اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم قرآن) کے مطاق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ کافر ہیں)۔

7- وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ(المائدہ۔ 47)۔

(اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم قرآن) کے مطاق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ فاسق ہیں)۔

8- وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (المائدہ۔ 45)۔

(اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم قرآن) کے مطاق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ ظالم ہیں)۔

سوال: 13 :. نیابتی حاکمیت یعنی رسالت وسنت نبویؐ پر واضح دلائل بیان کیجئے ؟

جواب:۔ حاکمیتِ حقیقی واقتدارِاعلیٰ ایک نظریہ (Concept) اور عقیدہ (Belief) ہے جو ایمان ہے ۔اُسے اس وقت تک آئینی(Constitutional) ودستوری(Customary) حیثیت حاصل نہیں ہوسکتی جب تک اس کی اطاعت وپیروی کے لئے معاشرے میں اِس کے ظہور(Manifestation) کی کوئی عملی صورت نہ ہو۔گویا انسانی سطح پر حاکمیت کا کوئی مقرر اور معین نمونہ (اُسوہ) اور محسوس، عملی پیکر

(سراپا) سامنے نہ ہو جس کے حکم کو ایک عمل کے نمونے میں دیکھ کر انسان پیروی کر سکے اس وقت تک حاکمیت ایک ماورائی (عقل سے بعید) تصور اور فلسفہ رہتا ہے چونکہ حاکمیت کا نفاذ (Promulgation) ایک انسانی معاشرے میں ہوتا ہے اس لئے قابل عمل نمونہ چاہئے جس کے ذریعے حاکمیت کا نفاذ وظہور ہو سکے۔ وہ ہستی نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کو بھی ''حاکم'' ہی کہیں گے کیوں کہ حاکمیتِ اعلیٰ کا ظہور آپ ﷺ کے پیکرِ نبوت کے ذریعے سے ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ کے اوامر ونواہی حاکم حقیقی ہی کے اوامر ونواہی اور آپ ﷺ کی اطاعت ومعصیت حاکم حقیقی ہی کی اطاعت ومعصیت شمار ہوگی۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اوامر ونواہی کے ظہور کے لئے آپ ﷺ ہی کی ہستی کو منتخب فرمایا اور اُن کی ادائی کے لئے معیار اور بہترین نمونہ آپ ﷺ کے عمل کو قرار دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب۔21)۔

(بیشک تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ (Model) ہے)۔

قرآن کریم وسنت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حاکمیت کی دو حیثیتیں بیان کی گئی ہیں۔

1- تشریحی حاکمیت　　2- تشریعی حاکمیت

ارشاد ہوتا ہے!

يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف۔157)۔

ترجمہ:۔ جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بُری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور اُن سے اُن کے بارِگراں اور طوق (قیود) جو اُن پر (نافرمانیوں کے باعث مسلط) تھے ساقط (دُور) فرماتے ہیں (اور انہیں نعمتِ آزادی سے بہریاب کرتے) ہیں۔

مذکورہ آیتِ قرآنی کا پہلا حصہ (یا مرھم بالمعروف و ینھٰھم عن المنکر) ''تشریحی'' (Elucidatory) حاکمیت پر دلالت کرتا ہے اور بقیہ حصہ تشریعی (Legislative) حاکمیت پر دلالت کر رہا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ اسلام کے اوامر ونواہی اور حلال وحرام کے احکام صرف

وہی نہیں جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں بلکہ قرآن کے علاوہ وہ احکام بھی شامل ہیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں اور اُن کی حیثیت بھی اُسی طرح ہے جس طرح قرآنی احکام کی ہے۔

تشریحی حاکمیت (Interpretative Authority)

سوال : 14:۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحی حاکمیت سے مراد کیا ہے اور اس کی کون کون سی صورتیں ہیں واضح بیان کیجئے ؟

جواب :۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحی حاکمیت کی تائید میں ارشادِ حق تعالیٰ ہے۔

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْکَ الذِّکْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ(النحل۔44)۔

(اے نبی مکرم) ''ہم نے آپ ﷺ کی طرف ذکرِ عظیم (قرآن) نازل فرمایا تاکہ آپ ﷺ لوگوں کے لئے وہ (پیغام واحکام) خوب واضح (Clear) کردیں جو اُن کی طرف اُتارے گئے ہیں تاکہ وہ غور وفکر کریں''۔

مذکورہ آیتِ قرآنی سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحی حاکمیت میں آپ ﷺ کو قرآن کے مجمل (Brief) احکام کی تفصیل، مطلق (Absolute) کی تقید (Qualification)، عام کی تخصیص (خاص) اور مشکل کی توضیح وغیرہ کا اختیار عطا کیا گیا ہے۔

لہٰذا تشریحی حاکمیت کی درج ذیل صورتیں ہیں!

1- **تخصیص العام** 2- **تقييد المطلق** 3- **بيان المجمل**

4- **استثنیٰ** 5- **الزیادہ** 6- **توضیح المشکل**

1- **تخصیص العام** (Specification of General) :۔

اس سے مراد آپؐ قرآن کے عمومی حکم کو خاص کر سکتے ہیں مثلاً

a- **آیۃ الجلد** کی بیان کردہ حدِ زنا میں الزانی اور الزانیہ (فعل بد کرنے والا مرد اور عورت) کے مفہوم کی تخصیص۔

b- قرآن کے حکمِ وصیت جو عمومی ہے اُس پر ایک تہائی 30.33% حصہ جائیداد کی تخصیص۔

2- **تقييد المطلق** (Qualification of Absolute) :۔

اس سے مراد قرآن میں ایک حکم ''مطلق'' بیان ہوا ہے آپ ﷺ نے اس کو مقید کر دیا۔ مثلاً!

حدِ سرقہ کے لئے نصاب کی قید اور قطعِ ید (چور کے ہاتھ کاٹنا) کے لئے مفہوم ید (ہاتھ) کا تعین فرمایا۔

3- **بیان المجمل** (Explanation of Implicit) : .

اس سے مراد قرآن میں کوئی حکم اجمالی طور (Implicity) بیان ہوا ہے تو آپ ﷺ نے اس اجمال کی تفصیل بیان فرمادی ہے۔مثلاً ! مفہومِ صلوٰۃ۔تعداد رکعات اور تفصیلِ اوقات وغیرہ کا بیان۔

4- **استثنیٰ** (Exemption) : .

اس سے مراد قرآن میں ایک حکم بیان ہوا اور آپؐ نے کسی کو اس حکم سے مستثنیٰ (Exempted) قرار دے دیا۔مثلاً ! حرمت میتۃ (مُردار کے حرام ہونے) کے حکم میں مچھلی' ٹڈی کا استثنیٰ ،

5- **الزیادہ** (Addition) :۔

اس سے مراد قرآن کے بیان کئے ہوئے حکم پر مزید اضافہ کرنا مثلاً !

1- حدِ زنا کے ساتھ ایک سال قید یا جلاوطنی (تغربِ عام) کا اضافہ 2- جمع الاختین (نکاح میں دو بہنوں کا جمع نہ کرنے) کے حکم پر پھوپھی' بھتیجی اور خالہ بھانجی کے بھی جمع کرنے کی ممانعت کا اضافہ۔

6- **توضیح المشکل** (Explanation of Ambiguous) :۔

اس سے مراد قرآنی حکم میں ایسے الفاظ جن کا مفہوم اور مراد محض لغت کے قواعد سے معلوم نہ ہو (مشکل الفاظ) کے مفہوم و مراد کو آپ ﷺ نے بیان فرمایا ہو۔مثلاً !

وقت سحری کے ضمن میں بیاض النہار اور سواد اللیل کی توضیح کہ فجر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

7-سنتِ رسول ﷺ (احادیث نبوی)

(فقہ اسلامی میں احکام شریعت کا دوسرا ماخذ بعد قرآن، سنت ہے)

تشریعی حاکمت (Legislative Authority) : .

سوال : 15 : . حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ''تشریعی حاکمیت'' سے کیا مراد ہے۔ اِس شانِ حاکمیت کے دلائل پر روشنی ڈالئے؟

جواب: . تشریعی حاکمیت سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ شانِ حاکمیت عطا کی گئی کہ آپ ﷺ ان چیزوں کے بارے میں حکم صادر فرماتے ہیں جن کے متعلق قرآنِ کریم خاموش ہے۔ یا اس میں کوئی واضح حکم نہیں دیا گیا۔ گویا آپؐ صرف قرآنی احکام کی تشریح (Elucidation) ہی نہیں فرماتے بلکہ قرآنی احکام کے علاوہ بھی احکام صادر فرما سکتے ہیں۔ چنانچہ شریعت میں اوامر ونواہی' حلال وحرام صرف وہ ہی نہیں ہے جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں بلکہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اُن کا ثبوت (دلائل) محقق ہوتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی حاکمیت کی تائید میں ارشادات حق تعالیٰ ہیں۔

1- وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر۔ 7)۔

(اور رسولِ اکرم ﷺ جو تمہیں عطا فرمادیں وہ لےلو اور جس سے تمہیں روکیں (منع فرمائیں) تو رُک جاؤ) مذکورہ آیتِ قرآنی میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر ونواہی سے مراد قرآنی اوامر ونواہی نہیں۔ ''ما اتاکم الرسول'' کے الفاظ واضح طور پر دلالت کررہے ہیں کہ آپ ﷺ بھی اوامر ونواہی احکام صادر فرما سکتے ہیں، جسے آپ ﷺ فرض کہہ دیں وہ ''فرض'' ہوجاتا ہے اور جسے آپ ﷺ حرام فرمادیں وہ ''حرام'' ہوجاتا ہے۔

یہ بھی غور کرو کہ قرآنِ کریم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو ایک شخصیت (Personality) کے بجائے سراسر پیکرِ نبوت ورسالت کے روپ میں متعارف کرایا گیا ہے تاکہ ہر چیز آپ ﷺ کی طرف ایک انسانی اور بشری حیثیت سے نہیں بلکہ نبوت ورسالت کی حیثیت سے منسوب (Attributed) ہو۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے!

2- وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (ال عمران- 144)۔
(نہیں ہیں محمد مگر اللہ کے رسول)

اِس آیتِ مبارکہ میں نفی اور اثبات (وَمَا ۔ اِلَّا) کا اندازِ بیان اِس اَمر پر دلالت کرتا ہے کہ شخصیتِ محمدی ﷺ کو رسالتِ محمدی ﷺ سے الگ کسی درجہ اور مرحلہ پر تصور نہ کیا جائے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے قول (قرآن و حدیث) کو ''وحی'' (Revelation) قرار دیا۔ اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے!

3- وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى 3 اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحىٰ 4 (النجم 3,4)۔

مذکورہ آیاتِ شریفہ میں اللہ تعالیٰ آپؐ کی ہر بات کو اپنی ''وحی'' قرار دے کر واضح فرما دیا ہے کہ آپؐ کے فرمائے ہوئے احکام بھی وحی الٰہی ہی ہیں ۔ اُس کو تسلیم نہ کرنا وحی الٰہی کی مخالفت ہے۔ آپ ﷺ کی حیثیت چونکہ صرف رسالت ہے لہٰذا آپ ﷺ بھی مطاع مطلق ہیں یعنی آپ ﷺ کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے۔

4- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (النسآء- 59)۔

''اِے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ امر کی' پھر اگر کسی مسئلے میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلے کے لئے) اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ''۔

مذکورہ آیتِ کریمہ میں تین (3) اطاعتوں کا ذکر ہے

1- **اطاعتِ الٰہی** 2- **اطاعتِ رسول** 3- **اطاعتِ اولی الامر**

(Obey Men in Authority) (Obey Holy Prophet (pbuh)) (Obey Almighty Allah)

یہاں اللہ کی طرف لوٹانے سے مراد ''قرآن'' کی طرف لوٹانا ہے۔ اور رسول کی طرف لوٹانے سے مراد آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں براہِ راست آپ ﷺ کی طرف اور بعد از وصالِ نبیؐ آپ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اولی الامر کی اطاعت کے باب میں ''اَطِيْعُوا'' کا لفظ علیحدہ نہیں آیا جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلی دونوں اطاعتیں یعنی اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت مطلق (Absolute) اور مستقل (Permanent) اور غیر مشروط (Unconditional) آفاقی' (عالمگیری) اور قطعی (یقینی) ہے۔ اس طرح اِس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی

حاکمیت کا ثبوت ہے۔ نیز اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ''اولی الامر'' یعنی امراء، ائمہ اور فقہا کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت کے تحت مشروط (Conditional) ہے گویا جب تک ''اولی الامر'' اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں رہیں (اُن کے اجماع و قیاس، قرآن وحدیث کے تابع ہوں) اُن کی اطاعت کی جائے گی جو دُرست ہے۔ بصورت دیگر اُن کی اطاعت نہ کی جائے گی۔

5- حدیث صحیح میں مذکور ہے کہ حضرت مقدام بن معدیکربؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سُن لو! عنقریب ایک آدمی کے پاس میری حدیث پہنچے گی اور وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہوا کہے گا'' ''ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب (کافی) ہے، ہم جو چیز اس میں حلال پائیں گے اُسے حلال سمجھیں گے اور اُسے حرام سمجھیں گے جو اُس میں حرام پائیں گے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو حرام کیا وہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ کا حرام کیا ہوا''۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ۔ حاکم۔ بیہقی اور دارقطنی)

6- حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم میں سے کوئی اپنی مسند پر ٹیک لگا کر یہ سمجھتا ہے کہ اللہ نے کوئی چیز حرام قرار نہیں دی مگر وہی جس کا ذکر قرآنِ مجید میں ہے؟ سُن لو! میں نے نصیحت کرتے اور حکم دیتے ہوئے اور بعض چیزوں سے منع کرتے ہوئے جو کہا وہ بھی قرآن کی طرح ہے بلکہ اس کی تعداد زیادہ ہے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اہل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے کی اجازت دی، نہ اُن کی عورتوں کو مارنے کی، نہ اُن کے پھل کھانے کی، جب وہ اپنے واجبات تم کو ادا کریں''۔ (ابو داؤد السنن، البیہقی، السنن الکبریٰ، طبرانی المعجم الأوسط)

نوٹ:۔ مذکورہ بالا تمام نصوص (دلائل) اس حقیقت کا انکشاف واعلان کرتی ہیں کہ قانون سازی (تشریعی حاکمیت) کا حق حقیقتاً ایک ہی حق جو خدا تعالیٰ کو ہی حاصل ہے مگر اُسے اُس کا رسولؐ سیاسی، آئینی وتشریحی و قانونی تقاضوں کے تحت نیابتی حیثیت (رسالتی اختیار) سے بروئے کار لاتا ہے۔ اس اعتبار سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی پوری اُمت مسلمہ کے لئے ہر اِسلامی ریاست کے لئے اقتدارِ اعلیٰ (Sovereign) کی حیثیت رکھتے ہیں۔

تشریعی حاکمیتِ رسول ﷺ کی صورتیں:۔

سوال:16 :۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی حاکمیت کی مختلف صورتوں کے متعلق واضح بیان کیجئے ؟

جواب:۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی (قانون سازی) کی مختلف صورتیں درج ذیل ہیں۔

1- **تشریعِ جنائی**(Punitive Law) :۔جرم وسزا سے متعلق شرعی احکام مثلاً ! حدِ شراب' حدِ رجم وغیرہ۔

2-**تشریعِ سبب**(Conditioning Law):۔ایسے فعل سے متعلق حکم کو بتانا جو کسی دوسرے قانونی فعل واقع ہونے کے سبب وجود میں آیا ہو اور اس کا حکم قرآن میں موجود نہ ہو، مثلاً! قاتل کا مقتول کی جائیداد سے محروم ہونا ہے۔

3- **تشریعِ کفارہ**(Expiative Law) :۔شرعی حکم کی خلاف ورزی یا اُس کی تکمیل میں کمی یا کوتاہی کے ازالہ کے لئے کفارہ کی صورت کے احکامات جو قرآن میں بیان نہیں ہوئے۔ مثلاً ! کفارۂ صوم (روزے کا کفارہ) اس بارے میں قرآن خاموش ہے۔

4- **تشریعِ اَمر** (Commanding Law) :۔وہ شرعی احکام جن کے کرنے کا حکم صرف براہِ راست فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں مثلاً ! مسواک کرنا۔

5- **تشریعِ نہی** (Prohibitory Law):۔وہ افعال جو شرعاً ممنوع اور حرام ہیں اور اُن کی ممانعت اور حرمت قرآن میں بیان نہیں کی گئی بلکہ براہِ راست سنتِ نبوی ﷺ سے ثابت ہیں مثلاً ! آپ ﷺ نے مَردوں پر ریشم اور سونا پہننا حرام قرار دیا۔

6- **تشریعِ شہادت** (Procedural & Evidential Law) :۔مقدمات میں عدالتی ضابطہ جات اور شہادت کے وہ قوانین جن کی تشریع (قانون سازی) براہِ راست سنتِ نبوی ﷺ سے ثابت ہے مثلاً! آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے!''مدعی پر دلیل پیش کرنا واجب ہے اور مدعا علیہ پر انکار کی صورت میں ''قسم'' واجب ہے۔

7- **تشریعِ استثناء** (Exemptional Law) :۔وہ استثنائی احکام ہیں جو براہِ راست سنتِ نبوی ﷺ سے ثابت ہیں مثلاً ! آپ ﷺ نے عبداللہ بن عوفؓ اور حضرت زبیرؓ کو کسی جسمانی عارضہ کے باعث ریشمی کپڑا پہننے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ایک اور موقع پر ہجرت مدینہ کے دوران حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سراقہؓ سے فرمایا تھا ''تیری کیا شان ہوگی جب تو کسریٰ کے سونے (Gold) کے کنگن پہنے گا''۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے دَورِ خلافت میں جب ایران فتح ہوا تو حضرت سراقہؓ کو کسریٰ

کے دونوں سونے کے کنگن پہنائے کیونکہ آقا علیہ السلام نے اُن کے لئے طلائی کنگن حلال فرما دیئے تھے۔

نوٹ:۔ 1- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی حاکمیت (قانون سازی کے اختیار) کے حوالے سے تمام صحابہ کرامؓ وخلفائے راشدینؓ کا طرزِ عمل بخوبی عیاں رہا کہ تمام صحابہ کرامؓ شریعت کی تعمیل میں قرآن وسنت میں کوئی فرق نہ کرتے بلکہ بعض صحابہؓ شریعت پر عمل بھی اِس نیت سے کرتے وہ وہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا عملِ رسولِ کریم ﷺ ہے، مثلاً! حضرت عمرِ فاروقؓ حجرِ اسود سے کعبہ میں مخاطب ہوکر فرماتے ہیں!

''لَوْ لَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللہِ یُقَبِّلُکَ مَا قَبَّلْتُکَ ثُمَّ قَبَّلَہٗ''

(بخاری ،ابن ماجہ،نسائی اوردیگر)

ترجمہ:۔اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے کبھی بھی نہ چومتا اس کے بعد آپؓ نے اُس کو چوما۔

2- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی حاکمیت سے متعلق ائمہ اربعہ ومجتہدین کا طرزِ عمل صحابہ کرامؓ کے طرزِ عمل جیسا ہی ہے۔

3- حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ، حضرت امام سفیان ثوریؒ اور دیگر مجتہدین بھی صاحب الرائے ہیں لیکن فقہ، اجتہاد اور قیاس ورائے میں جو بلند مقام حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپکے اصحاب کوملا وہ کسی اورکو نہ مل سکا۔

4- خلاصہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں اسلامی قانون کے دو مستقل اور غیر تبدیل ماخذ یعنی قرآن وسنت (حدیث) مکمل ہوجاتے ہیں۔ قانونی نکتۂ نظر سے جب کوئی نئی گتھی پیدا ہوتو اُسے سلجھانے کے لئے مسلمان سب سے پہلے قرآن اور پھر حدیث سے رجوع کرتے اور اگر اُن دونوں میں کوئی حل نہ ملتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطاکردہ عظیم الشان اصول یعنی ''اجتہاد'' پر عمل کرتے اور مسائل کا حل دریافت کرتے۔اصولِ اجتہاد مسلمانوں کے بہت کام آیا ورنہ اسلامی قانون منجمد(Concealed) ہوجاتا اور مسلمانِ ملت اِسے ناکافی پاکر شاید غیر اسلامی قوانین اختیار کرلینے پر مجبور ہوجاتے۔اجتہاد کے ذریعہ ہرنئی چیز یا مسئلہ کے بارے میں قانون بنانے کا طریقہ اسلامی قانون کو غیر اقوام کے تمام قوانین پر فائق کردیا۔اور دوسرے قوانین عالم کی اپنے ارتقاء(Reforms) کے لئے اسلامی قانون (شریعت) کی احتیاج (ضرورت) ہر دَور میں جاری ہے۔

8- خلافت (امارت۔اجماع وقیاس)

خلافت (امارت)(Vicegerency):۔

سوال:17:۔خلافتِ الٰہیہ اور خلافتِ نبویہ میں فرق کی وضاحت کیجئے ؟

جواب :۔شرعی اور سیاسی معنی کا لحاظ کرتے حضور نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اس سے پہلے خلیفۃ اللہ سے مراد خلافتِ الٰہیہ ہے۔یعنی خلیفۃ اللہ صرف رسول اور نبی ہوگا۔لہٰذا تمام انبیاء و رُسل اللہ کے خلفاء ہیں۔جیسے حضرت آدمؑ ، حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کو قرآن میں خلیفہ یا امام کہا گیا۔ حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ ﷺ ہی خلیفۃ اللہ علی الارض ابدالاباد تک ہیں۔

اب اُمت میں خلافت کی جتنی صورتیں ہوں گی وہ خلافت علی منہاج النبوۃ یعنی نبوت و رسالت کے طریق یا تحت ہوں گی جس کو خلافت نبوی کہا جائے گا۔مثلاً ! ائمہ مجتہدین، جہاد کے سپہ سالار، قضاۃ (قاضی) اور صالحین وغیرہ مختلف دائروں میں خلافت علی النبوۃ (خلافت نبویہ) کے ہی سزاوار (حامل) ہیں۔

لہٰذا اب شرعی، سیاسی، دستوری اور تشریعی (دستور سازی) معنی میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ''خلیفة الله علی الارض'' ہیں۔آپ ﷺ کی اُمت میں شرعی اوصاف کے حامل جتنے حکمران اور اولی الامر ہیں اُن کو خلافتِ نبویہ کی حیثیت حاصل ہوگی اور اُن کے ہاتھوں پر خلافتِ نبویہ کا اجراء ہوگا۔مثلاً ! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کسی نے ''خلیفۃ اللہ'' کہا تو آپؓ نے فرمایا!

''لَسْتُ خَلِيْفَةُ اللهِ وَ لٰكِنْ خَلِيْفَةُ الرَّسُوْلِ''

(میں اللہ کا خلیفہ نہیں ہوں بلکہ رسول کا خلیفہ ہوں) (ابن خلدون)

لہٰذا خلیفہ کی وجہ تسمیہ یہی ہے کہ وہ اُمت میں حضورؐ کا نائب ہوتا ہے۔

نوٹ و تنبیہ :۔قرآن میں بعض دفعہ بنی آدم (لوگوں) کے لئے بھی خلیفہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جیسے سورۃ النور کی 55 آیت میں ''لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ'' یعنی زمین میں خلیفہ بنائے گئے۔اس سے بعض لوگوں کو مغالطہ (Misunderstood) ہوا ہے جس کی وجہ وہ حکمرانوں کو بھی خلیفۃ اللہ کہتے ہیں، جو دُرست بات نہیں۔ہرگز نہیں۔

سوال:18:۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی حاکمیت میں اجتہاد و قیاس کے مقام کے متعلق ائمہ

اربعہ اور مجتہدین کا طرزِ عمل پر روشنی ڈالئے ؟

جواب:۔1-اجتہاد وقیاس کے سلسلہ میں مجتہدینِ مطلق اربعہ کے اقوال درج ذیل ہیں !

I-حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں''اگر سنت کا وجود نہ ہوتا تو ہم میں سے کوئی بھی قرآن کا فہم حاصل کرسکتا''۔ **(شعرانی ' المیزان الکبریٰ)**

2- اللہ کے دین کے معاملہ میں رائے وقیاس سے بچو اور سنت کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کرلو جو سنت کے دائرے سے نکلا وہ گمراہ ہوا۔

3-اجتہاد وقیاس کے لئے حضرت امام ابوحنیفہؒ ہمیشہ اقوال رسولﷺ کو ہی معیار قرار دیتے ہیں اور اپنا طریق تحقیق یوں بیان فرماتے ہیں !

۔ ''اذ صح الحدیث فھو مذھبی''(جو حدیث صحت کی شرائط پر پوری اترے وہی میرا مذہب ہے)۔

۔ ''و اذا قلت قولا یخالف کتاب اللہ و حدیثِ الرسول فاترکوا قولی''

(جب میں کوئی بات ایسی بیان کروں جو کتاب اللہ اور حدیثِ رسولﷺ کے خلاف ہو تو میری بات کو چھوڑ دو)۔ **(ابن عابدین الحاشیہ)**

II-حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

1- حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں''میں بس ایک انسان ہی ہوں غلط اور صحیح دونوں قسم کے فتوے دے سکتا ہوں میری رائے میں غور کرو اگر کتاب وسنت کے مطابق ہو تو اسے قبول کرلو ورنہ رَد کردو۔''

2- اجتہاد وقیاس کے نتیجے میں بننے والی آراء کے لئے حضرت امام مالکؒ ہمیشہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی حجت سمجھتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں !

لیس احد الا و یوخذ من قولہ و یترک الا النبی ﷺ

(ہر شخص کی بات کو اختیار بھی کیا جا سکتا ہے اور چھوڑا بھی جا سکتا ہے۔سوائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ و سلم کے' آپؐ کے قول کو بہر حال اپنانا پڑے گا۔)

III- حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

1- امام شافعیؒ نے بھی اجتہاد کے لئے رسولﷺ کے قول وعمل کو سند قرار دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں !

’’تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سامنے آ جائے تو پھر اس بات کی گنجائش نہیں رہتی کہ اس کو کسی اُمتی کے قول کی بناء پر ترک کر دیا جائے‘‘۔

(ابن قیم. اعلام الموقعین)

2- مزید فرمایا! ’’اِذا صح الحدیث فھو مذھبی‘‘

(جو حدیث صحت کی شرائط پر پوری اُترے تو وہی میرا مذہب ہے)

(شمس الحق. عون المعبود)

IV حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک قولِ رسول ﷺ کی مخالفت ہلاکت و تباہی کا سبب ہے۔

چنانچہ آپؒ فرماتے ہیں!

’’من رد حدیث رسول اللہ فھو علی شفا ھلکۃ‘‘

(جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو رَد کیا وہ ہلاکت و تباہی کے کنارے پر پہنچ گیا)

(ابو القاسم. اعتقاد السنۃ)

9- خلاصہ (احوالِ ادلہ اجمالیہ)

سوال :19:۔ فقہ اِسلامی میں احکام شریعہ کا پہلا ماخذ ’’قرآن‘‘ ہے اور سنت کا درجہ قرآن کے بعد ہے اور پھر فقہ کا تیسرا اور چوتھا ماخذ ’’اجماع‘‘ اور قیاس ہے۔ اِس تصور کی توضیح کو خلاصہ کے بطور پر تذکرہ کیجئے؟

جواب :۔ اِس سوال کے جواب میں اِس عاجز راقم کے شیخ علامہ حضرت بحر العلوم محمد عبد القدیر صدیقی حسرتؔ علیہ الرحمۃ کی تفسیر صدیقی اور حدیث کی کتاب ’’الدین‘‘ سے اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

آج کل اہل قرآن پیدا ہوئے ہیں جو احادیث نبوی کو نہیں مانتے۔ یاد رکھو احادیث کے معنی قول و فعلِ رسولِ مقبول ﷺ ہے۔ جو کہتے ہیں کہ حدیث کو نہیں مانتے وہ حقیقت میں قول و فعلِ رسول ﷺ کو نہیں مانتے گویا وہ رسولِ مقبول ﷺ کو ہی نہیں مانتے۔ احادیث نبوی سے اِنکار اور پھر قرآن کو ماننے کا جھوٹا دعویٰ یہ سب قرآن کے من مانے معنی پیدا کرنے کے لئے ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن کی شرح حدیث ہی ہے۔ اور حدیث کے ذریعہ قرآن کے احکام پر عمل کرنا آتا ہے۔ بلاتشبیہ قرآن مجید بمنزلہ ’’تعزیراتِ ہند‘‘ (Indian PenalCode) کے ہے اور حدیث بمنزلہ ’’ضابطہ فوجداری‘‘ (Criminal Penal Code) کے

ہے۔ جب تک ''ضابطہ فوجداری'' سے واقفیت نہ ہو ''تعزیراتِ ہند'' پر عمل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح جب تک حدیث نبوی کا علم نہ ہو قرآن پر عمل ممکن نہیں۔

1- فقہ اِسلامی کا پہلا ماخذ قرآن:۔

احکامِ شریعہ کا پہلا ماخذ وسرچشمہ قرآن (کتاب اللہ) ہے جو اسلامی قانون کا اصل الاصول اور شریعت کی بنیاد ہے۔ قرآن بمنزلہ ''تعزیراتِ ہند'' کے ہے یعنی اس میں منصوص احکام (Legal Values) کا بیان مجملاً (Implicit) ہے۔ مثلاً امر وحکم صَلوٰۃ، اُسۡجُدُوۡا، وَارۡکَعُوۡا ہے یعنی نماز کا حکم ہے مگر نماز کی کیفیت و ہیّت کی تفصیلات موجود نہیں۔ سنتِ رسول نے ان کی تفصیل بیان کی۔

اسی طرح قرآن میں وفاے عہد کا حکم ہے، بیع (تجارت) کے حلال ہونے اور رِبوٰا (سود) کی حرمت (حرام ہونے) کی صراحت کی گئی ہے مگر یہ سب اجمالی طور پر۔ وہ تفصیلات (Explanations) نہیں بتائیں جن سے معلوم ہو کہ صحیح معاہدات (Contracts) کی نوعیت کیا ہوتی ہے۔ معاہدات کی وہ کون سی شکلیں ہیں جن کی پابندی ضروری ہے اور کس قسم کے عہد و پیمان باطل و فاسد (Invalid) شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح بیع وشراء (Trading) کے انواع (قسموں) کی تفصیل اور رِبوٰا (سود) کی شکلیں قرآن میں موجود نہیں۔ اِن تمام کی تفصیل کو سنتِ رسول ﷺ پر چھوڑ دیا۔

معاملات، سیاسی نظم اور اجتماعی زندگی (معاشرہ) سے متعلق قرآنی نصوص کا اس طرح کا اجمال (Implicity)، احکام کے بیان میں عظیم مصلحتیں (مناسبت) رکھتا ہے۔ چونکہ قرآنی احکام زمانہ کے ہر دَور کے لئے ہیں لہٰذا قرآن میں ان اصول وکلیات پر اکتفا کیا گیا ہے جن کے دامن میں قیامت تک ہونے والی جزئیات وتفصیل سمیٹی ہوئی ہیں تاکہ ہر دَور (زمانہ) میں اقتضاءات ومصالح (ضرورت کی مناسبت) پر قرآن کے اجمالِ نص کے مختلف احتمالات (امکانات) منطبق (Applicable) ہوتے چلے جائیں۔ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ باوجود قرآنی نصوص (احکام) کے اس اجمال سے فائدہ اٹھانے کے، انسان سنتِ رسول ﷺ سے بے نیاز نہیں ہوسکتا کیونکہ قرآن کی یہ اجمالی نصوص بجائے خود (اپنے آپ میں) ہمیں سنتِ نبویہ کا محتاج ٹھیراتی ہیں اور ساری تفصیلاتِ نصوص کو سنتِ نبویہ کے حوالہ کرتے ہوئے ہر معاملہ میں اس کی اقتدا اور اطاعت کا یہ حکم دے کر پابند کردیا!

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَمَا نَهٰكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا وَاتَّقُو اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ (الحشر 7)۔

یعنی جو چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دے دیا کریں وہ تو لیا کرو اور جس چیز سے منع کریں اس سے دست کش (بچتے) رہو اور ڈرتے رہو کہ خدا کی مار سخت ہے۔

دیکھو! اِس آیتِ قرآنی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ''سنتِ نبویہ دراصل کلیدِ قرآن (قرآن کی کنجی) ہے۔''

II:۔ فقہ اسلامی کا دوسرا ماخذ سنت رسول ﷺ

فقہ اِسلامی میں احکامِ شریعہ کا دوسرا ماخذ بعدِ قرآن سنتِ رسولؐ ہے۔ اس لئے سنت کی حیثیت قرآن کے اجمال کی تفصیل اور اشکال کی توضیح وتفسیر وغیرہ ہے۔ قرآن سے مرتبہ میں موخر (بعد) ہونے کے باوجود ایک جہت (Angle) سے ''سنت'' بجائے خود (اپنے آپ میں) ایک مستقل ماخذِ تشریع (Source of Legislation) ہے کیونکہ سنتِ رسول ﷺ میں ایسے احکام (Legal Values) بھی وارد ہوئے ہیں جن پر قرآن خاموش ہے۔ لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ''سنت باوجود مستقل ماخذِ تشریع ہونے کے قرآن کی تابع ہے کیونکہ سنت' قرآن کا بیان وتفسیر ہونے کے علاوہ اُن مقامات پر بھی قرآن کے مبادی (Fundamentals) اور قواعدِ عامہ (General Principles) سے ہرگز متجاوز (Deviate) نہیں ہوتی جہاں یا جن مقامات پر قرآن خاموش ہے اور سنت سے کوئی حکم معلوم نہیں ہوتا ہے''۔ یہ اور بات ہے کہ ہمارا فہم اور ہماری نظر اتنی دقیق (Minute) نہیں کہ اُس مرجع تک پہنچ سکیں یعنی قرآن کے کس کلیہ اجمال (اصول) سے اخذ کرکے وہ جزئیہ (فروع) بیان کیا گیا ہے۔ اُس اجتہادِ نبوی تک رسائی کے لئے ملکہ نبوت (قابلیت نبوت) ہی درکار ہے۔

عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ کے گزر جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اصحابِ رسول سے بالمشافہ استفادہ تو ممکن نہ رہا اور سنت کے جاننے کے لئے اگر کوئی ذریعہ باقی ہے تو وہ روایتیں (احادیث) ہی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''اِس دین میں تہتر (73) مذہب (فرقے) بنائے جائیں گے مگر وہ کل مذہب ناری (صراطِ جہنم پر) ہیں اور ناجی (صراطِ مستقیم پر) ایک ہی مذہب ہے۔ کسی نے پوچھا وہ ایک کون سا مذہب ہے فرمایا ''جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔''

(رواہ الترمذی' احمد و ابو داؤد . مشکوٰۃ)

یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ کے بعد تابعینؒ نے احادیث واقوالِ صحابہ کو محفوظ کر لیا تاکہ وہ ''ناجی مذہب'' ہاتھ سے جاتا نہ رہے۔ ابتدائی زمانہ میں اسنادِ حدیث نہیں پوچھے جاتے تھے وہ زمانہ صحابہؓ کا تھا اور صحابہؓ کل

عدول ہیں اور اُن کی کوئی خبر غلط نہیں ہوسکتی۔ جو صحابہؓ تابعین کے زمانے میں موجود تھے وہ خود ممتاز (Distinct) تھے۔ جب وہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تو اُن کی صحابیت خود ایک اعلیٰ درجہ کی ''سند'' ہوا کرتی تھی۔ صحابہؓ ہی کے زمانہ میں مفسدوں نے تقلیداً قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا شروع کیا تو اُن سے ''اسناد'' (Authentication) کا مواخذہ کیا جانے لگا۔ اسنادِ روایت کی تحقیق میں نہایت اہتمام تھا تاکہ موضوع (Fabricated) حدیث شریک نہ ہونے پائے۔ جس قدر حدیثیں بنانے (موضوع کرنے) میں نالائقوں نے جراءت کی اس سے زیادہ محدثین اور محققین نے احتیاط میں زیادتی کی۔ اگر کسی راوی میں کوئی بات خلاف دیکھتے تو اس کی روایت سے صحیح حدیث بھی ترک کردیتے۔ تنقید کرنے والوں میں صحاح ستہ والے ممتاز (مشہور) ہیں اُن میں حضرت بخاریؒ اور حضرت مسلمؒ کا مرتبہ اعلیٰ ہے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کی جائے اور محدثین نے اُن پر کوئی اعتراض نہیں کیا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ اُن احادیث کو قبول کرلیں۔ روایات کے سلسلہ میں مسلمانوں نے نہایت اہتمام کیا اور اُن میں ''مسلسل سند'' کی جوجستجو کی، راویوں کے حالات معلوم کرنے میں شرائط کے مدنظر جو کدو کاوش (محنت) کی یہاں تک کہ ایک مستقل فن کی صورت میں ''فنِ رجال'' مرتب کیا جو دیگر اقوام میں مسلمانوں کو امتیاز بخشا ہے۔ نیز فنِ اصولِ حدیث، جرح وتعدیل وغیرہ جیسے اہم اور مفید علوم وفنون مرتب کئے گئے تاکہ اہلِ بدعت اور اعدائے اسلام کے شر کا سدِّ باب ہوسکے۔

III- فقہ اسلامی کا تیسرا ماخذ اجماع:۔

یہ بات بھی پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ محدثین کا اتنا ہی کام ہے کہ وہ صحیح احادیث کی حفاظت کریں اور کسی دوسرے کلام کو حدیث بن جانے نہ دیں یعنی ضبطِ اسانید اور تحقیق رجال (راویوں) جیسے حدیث کے فنون (Science) کو پیشِ نظر رکھ کر صحیح احادیث، فقہا (مجتہدین) تک پہنچانا یہ محدثین کا کام ہے۔ فقیہ (Jurist) اُن احادیثِ صحیحہ اور آیاتِ قرآنی کو پیشِ نظر رکھ کر غور وفکر کرتا ہے اور ہر مسئلہ میں شارع (اللہ اور رسول ﷺ) کی مرضی معلوم کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر محدث ''فقیہ'' نہیں ہوتا اور ہر فقیہ کو احادیثِ صحیحہ کے لئے ''محدثین'' کی احتیاج (ضرورت) ہے اور محدثین کو شارع کی مرضی و مقصود معلوم کرنے کے لئے فقیہ کی احتیاج ہے۔ اسی وجہ سے محدثین کے مقابل میں فقہا کی تعداد بہت کم ہے۔

دیکھو! ضرورتِ دین (احوال ادلہ) تین اُمور پر ہیں!

1- ''قرآن مجید کا مفہوم'' بشرطیکہ نصِ صریح ہو اور نا قابل تاویل ہو۔

2- ''حدیث متواتر'' 3- ''اِجماعِ قطعی''

پہلے دو اُمور کے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے۔ تیسرا اُمر ''اِجماع'' کی صراحت درج ذیل ہے۔

اجماع (اصول اجماع) (Consensus) :۔

تعریف: اُمتِ محمدی میں سے اُن تمام لوگوں کا جو اِس (اجماع) کے اہل اور صاحبِ رائے ہیں کسی ایک زمانہ میں کسی امر (مسئلہ) پر اتفاق کر لینا ''اجماع'' کہلاتا ہے۔

بعض کی رائے ہے کہ عقلیات میں ''اجماع'' کوئی چیز نہیں۔ اور بعض کی رائے میں ''اجماع'' سے ظنی امر بھی قطعی ہو جاتا ہے۔ غیب کی باتوں پر اجماع کوئی شئے نہیں۔

حکمِ اجماع:۔ اجماع بذاتہ کوئی شئے نہیں مگر اجماع (Consensus) سے ظنی امر قطعی و یقینی ہو جاتا ہے۔ اور اس کی مخالفت جائز نہیں۔

رکنِ اجماع:۔ اس سے مراد جن چیزوں سے اجماع مرکب (مشتمل) ہوتا ہے۔ رکنِ اجماع کی دو قسمیں ہیں!

1- اجماعِ عزیمت 2- اجماعِ رخصت

1- اجماعِ عزیمت اس کی پھر دو قسمیں ہیں۔ i- اجماعِ بہ قول ii- اجماع بہ فعل

(i) اجماع بہ قول:۔ زبان سے تمام اہل اجماع کا اتفاق کرنا۔

(ii) اجماع بہ فعل:۔ تمام اہل اجماع کا اُس کام کو اختیار کرنا۔

2-**اجماعِ رخصت**:۔ بعض آدمی کسی قول و فعل پر زبان سے اتفاق کریں اور باقی خاموش رہیں' رَد نہ کریں۔ اسکو ''اجماعِ سکوتی'' بھی کہتے ہیں۔

(حضرت امام شافعیؒ کے پاس سکوت ایسا ہو کہ جو رضامند پر بہ قرائن دلالت کرے)۔

اہلیتِ اجماع:۔ اجماع کرنے والے ایسے مجتہد ہوں جو فاسق بدعتی نہ ہوں۔

مراتب اجماع باعتبارِ یقین وظن چار ہیں!

1- اجماعِ قطعی، موجب تکفیر 2- اجماعِ قطعی، غیر موجبِ تکفیر

3- اجماعِ ،موجبِ طمانیت 4- اجماع ،موجبِ ظن

1-**اجماعِ قطعی موجبِ تکفیر**:۔مثلاً صحابہ کا اجماع۔ایسے اجماع کا اِنکار قریب بہ کفر ہے۔کیونکہ یہ ایک طرح سے ضروریات دین کا اِنکار ہے۔جیسے خلافت سیدنا ابوبکر صدیق ؓ پر صحابہ کا اجماع۔

نوٹ:۔لزومِ کفر سے آدمی''کافر''نہیں ہوتا بلکہ التزامِ کفر سے کافر ہوتا ہے۔

لزومِ کفر یہ ہے کہ کسی ایسی بات کا قائل ہونا جو موجبِ کفر ہے مگر وہ اس کو کفر نہیں سمجھتا بلکہ وہ تاویل کرتا ہے۔

التزامِ کفر یہ ہے کہ بغیر تاویل کے اِنکار کرنا۔احکامِ الٰہی کو نہ ماننا اور اُن سے اِنکار کرنا یہ بے شک صریح کفر ہے۔

2- **اجماعِ قطعی غیر موجبِ کفر**:۔جیسے بعض صحابہ نے اجماع بقول اور نص کیا ہو اور دوسروں نے سکوت (خاموشی اختیار) کیا ہو۔یعنی اجماع سکوتی کیا ہو۔ایسا اجماع گو قطعی ہے مگر موجبِ کفر نہیں۔

3- **اجماع موجبِ طمانیت**:۔وہ اجماع جو عصر (زمانہ) صحابہ کے بعد ہوا ہو۔ایسا اجماع موجبِ طمانیت ہے بشرطیکہ اس حکم کے مطابق زمانہ صحابہ میں کچھ اختلاف نہ گزر چکا ہو۔ایسے اجماع کا منکر' نہ گمراہ نہ کافر ہوگا کیونکہ مسلمان دُور دَراز علاقوں میں پھیل چکے ہیں اُن سب کا اجماع کارِ دارد (ناممکن) ہے۔

4- **اجماع موجبِ ظن**:۔مختلف فیہہ مسائل میں تمام مجتہدین کا ایک فعل پر اجماع کر لینا۔ایسا اجماع حجتِ ظنی ہے۔

شروط اجماع:۔

جس زمانے میں مجتہدین کسی حکم شرعی پر اتفاق کریں وہ اِس اجماع کا زمانہ ہوگا۔

۔اجماع کے تحقیق کے بعد کسی مجتہد کا رجوع قابلِ اعتبار نہیں۔

۔اہل اجماع کے لئے کوئی تعدادِ معین شرط نہیں۔

نقل اجماع:۔

نقلِ اجماع کی تین قسمیں ہیں! 1-بطریق متواتر 2- مشہور 3-احاد

1-**بطریقِ متواتر**:۔ یہ اجماع قطعی ہے اور اُس پر علم وعمل واجب ہے۔

2-**اجماع بطریق مشہور**: یہ اجماع متواتر کے قریب ہے۔
3-**اجماع بطریق آحاد**:۔ یہ موجب عمل ہے۔موجبِ علم و یقین نہیں۔
نوٹ:۔اجماع کے لئے''سند'' ضروری ہے کیوں کہ کوئی حکم بغیر دلیل کے صحیح نہیں ہوتا۔
۔ سندِ اجماع یعنی ماخذ اجماع' قرآن وحدیث وقیاس ہے۔
۔ اجماع' یقینی کو تاکیدی اور ظنی کو یقینی کر دیتا ہے۔
۔ بعض ائمہ کا قول ہے کہ کسی ایک مسئلہ پر''اجماع'' ثابت کرنا بڑا دشوار کام ہے۔
۔اُمتِ محمدی گمراہی پر اتفاق نہیں کرسکتی۔ ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی مردِ خدا حق بولتا ہے چاہے اس کی جان خطرہ میں ہو۔

IV۔ فقہ اِسلامی کا چوتھا ماخذ ''قیاس'':۔

استنباطِ فقیہ کے اثبات کے لئے قیاس (Analogy) کا مرتبہ کتاب وسنت اور اجماع (Consensus) کے بعد ہے۔لیکن''قیاس''اپنے دائرے اثر کے لحاظ سے''اجماع'' کے مقابلہ میں کہیں زیادہ وسیع (بڑا) ہے کیونکہ اجتماعی مسائل عملاً محدود اور معدود (کم) اور چند ہی ہوا کرتے ہیں۔اس کے علاوہ عصرِ اول (عصرِ صحابہ) کے بعد ہی علمائے دین مختلف شہروں اور دُور دَراز مقامات پر پھیل چکے تھے۔ اور آج بھی یہ ہی حال ہے۔لہٰذا مشاورتِ عامہ کے لئے مجتہدین کا اجتماع اور کسی حکم پر ''اجماع''،ممکن العمل نہیں رہا۔

قیاس:۔

تعریف:۔ ہر مجتہد اپنی فکر ونظر اور کتاب (قرآن) وسنت میں اپنے درک وبصیرت کے لحاظ سے ہر ایسے مسئلہ میں''قیاس''(جائز رائے قائم) کرتا ہے جس کا کوئی حکم کتاب وسنت میں موجود نہ ہو اور نہ اس کے کسی حکم پر''اجماع''ہو چکا ہو۔

چونکہ ہر دَور (زمانہ) میں''قیاس'' سے سابقہ پیش آتا تھا اس لئے کتاب وسنت نے بیانِ احکام پر اکتفا نہ کیا بلکہ اُن کی علت وغائت کا بھی تذکرہ کر کے''طریقِ قیاس'' کا دروازہ کھول دیا تا کہ منصوص کے ساتھ غیر منصوص کا الحاق (جمع) کیا جا سکے اور اشتراک کی علت کی بناء پر از روئے قیاس غیر منصوص کا بھی وہی حکم قرار دیا جائے جو منصوص کا بیان ہوا ہے۔

نوٹ: ۔1- بعض قیاسات کا ماخذ قرآن وحدیث ہوتے ہیں وہ صحیح و درست ہیں۔
2- بعض آراء کا ماخذ نہ قرآن ہوتا ہے نہ حدیث ہی ہوتی ہے وہ درست نہیں۔
بعض دفعہ بعض امام قرآن وحدیث سے اُس حکم کا استنباط (Inference) کرتے ہیں۔کم فہم اشخاص اُس کے ادراک (Perception) سے عاجز رہتے ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ یہ نری رائے (صرف رائے) ہے اُس کا کوئی ماخذ نہیں حالانکہ اُن لوگوں کی نظر اُس قدر دقیق (باریک بین) نہیں ہوتی۔
2- **قیاس و استنباط** کے ذریعہ جو ''فروعی احکام'' ظاہر ہوتے ہیں وہ بعد میں بجائے خود (اپنے آپ میں) ایک ''اصل'' کی سی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں یعنی ان کو نظائر کا مقام حاصل ہوجاتا ہے کیونکہ جس علت (دلیل) کی بناء پر وہ احکام ثابت ہوگئے تھے وہی علت ایک نئے معاملے میں بھی پائی جاتی ہے۔اِس طرح قیاس پر قیاس کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہوجاتا ہے۔
3- اکثر احکام میں علتیں (دلائل) ملحوظ ہوا کرتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں وہ علت (Reason) پائی جائے ''قیاس'' سے وہ حکم ثابت کیا جائے۔لیکن علت کا معین (قائم) کرنا نہایت مشکل کام ہے۔
4- ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو آیاتِ قرآنی اور حدیث پر عبور (مہارت) رکھنے کے علاوہ اپنی جودتِ طبعی (قدرتی قابلیت) سے شارع (اللہ اور رسول ﷺ) کے مقصود کو قرائن (اشارہ وکنایہ) سے معلوم کر سکیں۔ایسے ہی لوگ ''فقیہ'' اور ''مجتہد'' ہوتے ہیں اور علت کا معلوم کرنا بس اِن ہی کا کام ہے۔
5- احکام شرعیہ کے مقابل میں اگر کوئی شخص اپنی عقل سے اپنی محض رائے سے کام لے' دل کے لگتے لگائے اور قیاس سے کام لے تو ''اَوَّلَ مَنْ قَاسَ اِبْلِیْسُ'' کے زمرے میں اُس کا شمار ہوگا۔ایسا شخص جانتے بوجھتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگانے کا مرتکب ہوگا۔
۔جو لوگ قیاس کے مخالف ہیں اُن میں سے کسی نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قیاس پر اعتراض کرکے کہا ''ابلیس نے پہلے قیاس کیا تھا''۔اُس پر امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا کہ ''ابلیس نے اپنے قیاس سے خدا کے کلام (آدمؑ کو سجدہ تعظیم کرنے) کو رَد کیا تھا جس کی وجہ سے کافر ہوا۔اور ہم ''قیاس'' کو کتاب وسنت اور اقوالِ صحابہؓ کی طرف پھیرتے ہیں جس سے اتباع (پیروی) مقصود ہے''۔
(حضرت بحرالعلوم حسرتؒ ۔تفسیر صدیقی۔الدین' کتب حدیث)

6- احناف کے اصولِ فقہ کا مشہور کلیہ(Principle)ہے کہ قرآن و حدیث میں تعارض(Confrontation) ہو تو پہلے تطبیق (Comparison) کی کوشش کی جائے۔تطبیق ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ بدرجۂ اتم مجبوری کتاب اللہ کے مقابلہ میں خبرآحاد ضرور متروک(Forsaken) ہوں گی۔

چنانچہ امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ نے تدوینِ فقہ کے عظیم کام کے لئے اپنے شاگردوں میں چالیس (40) نامور افراد کا انتخاب کر کے ایک دستوری کمیٹی تشکیل دی۔ یہ سب ارکانِ کمیٹی درجۂ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔اُن میں امام ابویوسفؒ، امام داؤد طائیؒ، حضرت یحییٰ بن ابی زائدہؒ، حضرت حفص بن ثابتؒ، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ، حضرت قاسم بن معینؒ، امام محمدؒ اور امام ظفر قابلِ ذکر ہیں۔

اس چالیس ارکان کی کمیٹی دستور سازی میں دس یا بارہ ائمہ کی ایک خصوصی مجلس بشمول امام اعظمؒ بھی تھی جو فیصلہ کو حتمی (Final) شکل دیتی تھی۔ پھر اُسے تحریر کر دیا جاتا تھا۔دستورِ اسلامی کا یہ کام 121ھ میں شروع ہوا اور کئی سال جاری رہا۔امام اعظمؒ کی حیات کے بعد بھی چلتا رہا۔ جتنے اجزاء تیار ہو جاتے ساتھ ہی ساتھ انہیں شائع کر دیا جاتا۔یہ مجموعہ ''کتبِ فقہ ابی حنیفہؒ ''کے نام سے مشہور ہوا۔ اس میں جملہ 83,000 (تراسی ہزار) مسائل طے ہوئے۔اُن میں (38,000) تراسی ہزار عبادات سے متعلق اور دیگر(45,000) مسائل معاملات سے متعلق ہیں۔ (الجواہر)

امام اعظمؒ کی عظمت:۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ چاہے کتنے ہی ذہین اور فاضل ہوں، ہمہ دان نہیں ہو سکتے۔امام ابوحنیفہؒ بھی اس اصول سے مستثنیٰ نہیں، لیکن قانون ہمہ گیر ہوتا ہے۔اس میں انفرادی اور اجتماعی مسائل، عبادات سے بحث، تجارت وزراعت وصنعت کے لئے احکام، دستورِ مملکت اور جنگ وامن کے تعلقاتِ خارجہ کے قواعد ہوتے ہیں۔ایسی ہمہ گیر (All Embracing) اسلامی قانونی ضرورتوں کے لئے امام ابوحنیفہؒ کا اپنی انفرادی قابلیت کی جگہ ایک بڑی مجلس فقہا سے مدد لینا، استبداد(خود مختارانہ طرز) کی جگہ مشورت(Consultation) پر بنا(Based) رکھنا، قانون سازی کو سرکاری کام کی جگہ مصالح وقت سے آزاد اور سیاست سے باہر عالم وخداترس علمائے مجلس کی نجی چیز بنا دینا، یہ ہے **اصل عظمت**۔خدا کی ہزاروں رحمتیں ہوں اس امام پر جو خود اپنے کو احقر سمجھتا تھا لیکن جو اعظم کہلانے کا بجا مستحق ہے۔

واضح ہو کہ فقہ کی توسیع اور ارتقاء میں کئی بیرونی ماخذوں(Subsdiary Sources) سے مدد لی گئی لیکن قرآن و حدیث(Primary Sources) نے جن چیزوں کو حلال اور جن چیزوں کو حرام قرار دیا اُسے کوئی بیرونی اثر تبدیل نہیں کر سکا۔صرف جن چیزوں سے قرآن وحدیث ساکت ہیں، ان کے متعلق معقول رواجات(Customs and usages) جو قرآن وحدیث کے الفاظ اور روح (Spirit) کے خلاف نہ تھے قبول کئے گئے یا جاری رہنے دیئے۔

(حصہ دوم)

☆احوالِ احکامِ شرعیہ

(Description of Islamic Law)

1- حکمِ شرعی	**(Legal Value)**
۔حکمِ تکلیف	**(Primary Law)**
۔حکمِ وضعی	**(Declaratory Law)**
2- محکوم فیہ	**(Objective of Law)**
3- محکوم علیہ	**(Subject of Law)**

1- وَمَنۡ یُّطِعَ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ (النسآء :80)

ترجمہ:۔اور جس نے رسولؐ کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

2- مَنۡ اَطَاعَنِی فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ وَ مَنۡ عَصَانِی فَقَدۡ عَصَی اللّٰہَ.

(البخاری صحیح)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں’’ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ کی نافرمانی کی۔‘‘

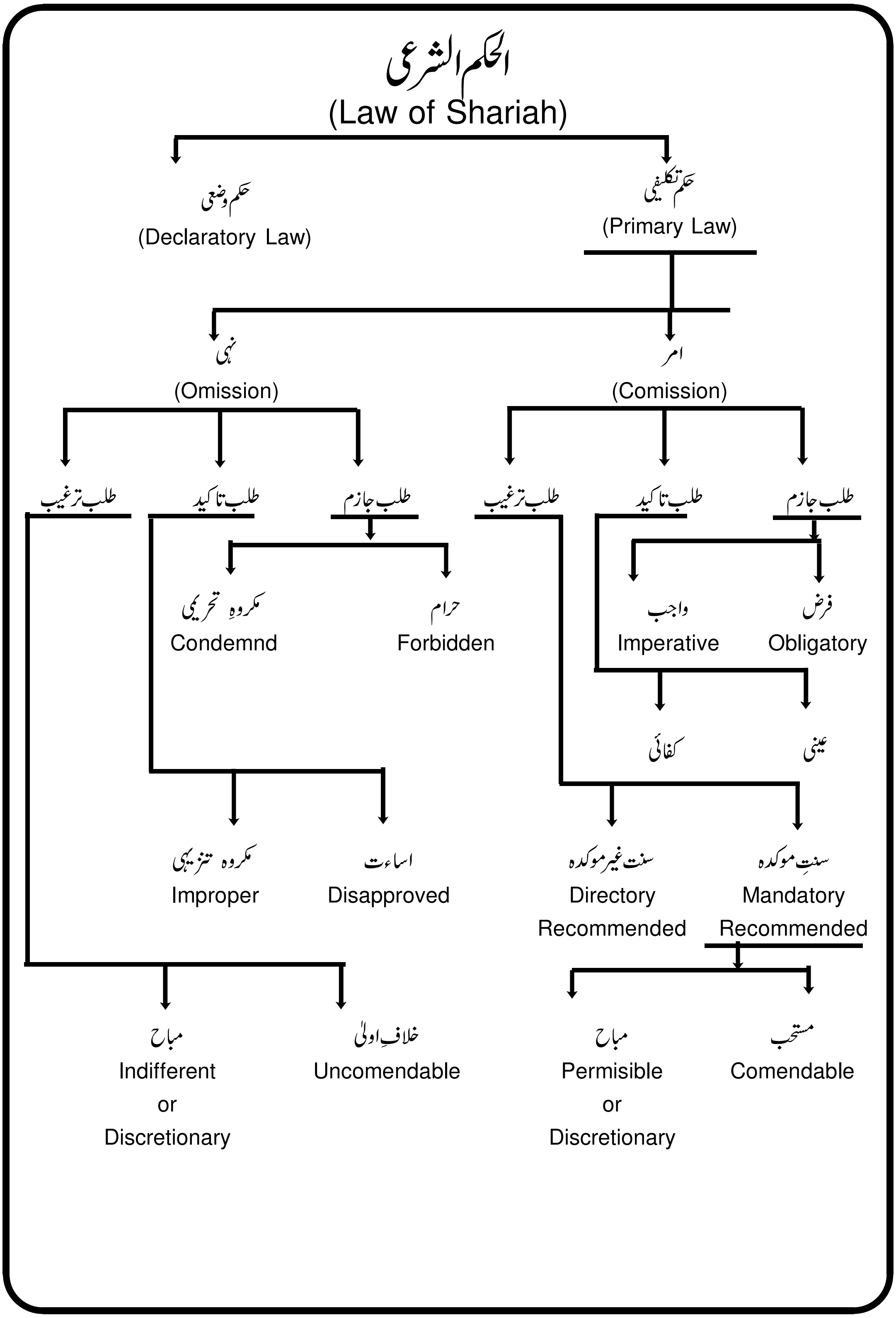
الحکم الشرعی
(Law of Shariah)
حکم تکلیفی
(Primary Law)
حکم وضعی
(Declaratory Law)
امر
(Comission)
نہی
(Omission)
طلب جازم
طلب تاکید
طلب ترغیب
طلب جازم
طلب تاکید
طلب ترغیب
فرض
Obligatory
واجب
Imperative
حرام
Forbidden
مکروہِ تحریمی
Condemnd
عینی
کفائی
سنتِ موکدہ
Mandatory
Recommended
سنت غیر موکدہ
Directory
Recommended
اساءت
Disapproved
مکروہ تنزیہی
Improper
مستحب
Comendable
مباح
Permisible
or
Discretionary
خلافِ اولیٰ
Uncomendable
مباح
Indifferent
or
Discretionary

10- حکم
(Legal Value)

سوال:20:۔ ''حکم'' کی لغوی، اصطلاحی تعریف بیان کرواور شرعی تعریف کی وضاحت کیجئے؟

جواب:۔لغوی تعریف:۔''حکم'' کے لغوی معنیٰ ''المنع'' (روک دینا) ہے۔

اصطلاحی تعریف:۔ ایک شئے کا دوسری شئے کے لئے ''ثبوت'' یا اس سے ''نفی'' کو ''حکم'' کہتے ہیں۔

شرعی تعریف:۔جمہور اصولیین (علمائے اصول) ومحققین (فقہاء) کے پاس حکم شرعی سے مراد ''خطابِ الٰہی کا وہ اثر جس کا تعلق مکلفین (مسلمان، عاقل، بالغ) کے افعال سے متعلق ہو خواہ یہ تعلق اقتضاء (طلبی) ہو، تخیراً (مباح) ہو یا وضعاً (سبب یا شرط) ہو۔

خطاب:۔اس سے مراد وہ کلام جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے خطاب فرمایا۔

اب ''حکم'' کے لئے خطاب اللہ یعنی کلام اللہ [وحیِ جلی (القرآن) اوروحیِ خفی (سنتِ رسول ﷺ)] ہونا ضروری ہے۔

اقتضاء:۔ اقتضاء کا معنیٰ ''طلب'' ہے۔''طلب'' کی دواقسام اور چار صورتیں ہیں!

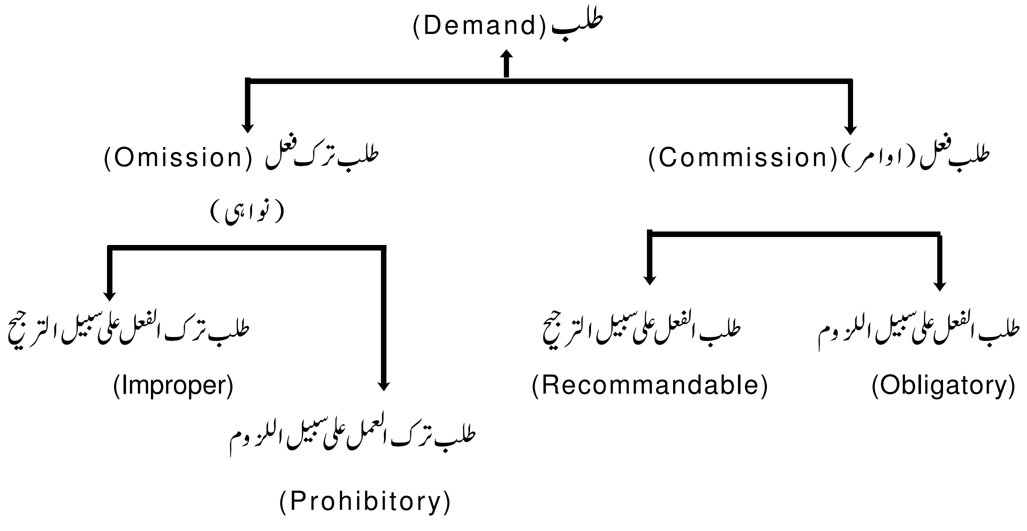

اقسامِ طلب:۔

1- **طلب الفعل علی سبیل اللزوم** (Obligatory Demand) :۔یعنی ''خطاب'' میں کسی فعل کو بجالانے (کرنے) کا ''حکم'' لزوم (الزم) ہو۔مثلاً ایفائے عہد کا مطالبہ ''لازم'' ہے۔

2- **طلب الفعل علی سبیل الترجیح**(Recommandable Demand) :۔یعنی ''خطاب'' میں کسی فعل کو بجالانے (کرنے) کا حکم ہے مگر لازم نہیں۔جیسے ''اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت تک کے لئے آپس میں قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو (البقرہ 282) اس آیت میں ''لکھ لیا کرو'' اَمر کا صیغہ ہے جو وجوب کے لئے آتا ہے۔مگر اس میں وجوب کا معنی یا قرینہ موجود نہیں ہے۔یہ بات اگلی آیت میں ثابت ہو رہی ہے۔'' پھر اگر تم میں سے ایک کو دوسرے پر اعتماد ہو تو لکھنا ضروری نہیں (البقرہ 283)

3- **طلب ترک الفعل علی سبیل اللزوم** (Prohibitory Demand) :۔یعنی ''خطاب'' میں فعل کو ترک کر دینے کا حکم لازم ہو۔مثلاً لَا تَقْرَبُوْا الزِّنَا (مقدمہ ''زنا'' سے بچو)''۔
لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ (نبی کریمؐ کی آواز سے اپنی آواز بلند مت کرو) (الاحزاب)

4- **طلب ترک الفعل علی سبیل الترجیح** (Improper Demand):۔یعنی''خطاب''میں فعل کے ترک کر دینے (نہ کرنے) کا حکم ہو۔مگر لازم نہ ہو۔اَبْغَضَ الْحَلَالِ اِلَی اللہِ الطَّلَاقِ(حدیث)
(حلال چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ ناپسند طلاق ہے)۔

(ابو داؤد، ابن ماجہ)

''ہر وہ خطاب ''حکم'' کہلائے گا جس کا تعلق مکلفین کے افعال سے ہوگا''

مکلفین کا مفہوم:۔یہ ''مکلّف'' کی جمع ہے،اس سے ہر مسلمان عاقل، بالغ مراد ہے۔اِس کی مزید تفصلی آئندہ آئے گی۔

افعال کا مفہوم:۔یہ فعل کی جمع ہے۔اصولیین نے ''فعل'' کی تعریف کرتے ہوئے تصریح کی ہے کہ ''فعل'' سے مراد وہ عمل نہیں جو قول اور اعتقاد کے مقابل ہے بلکہ ''فعل'' قلب، زبان اور اعضاء کے تمام افعال کو شامل ہے۔کیونکہ ''حکم'' ہر وہ خطاب کو کہیں گے خواہ وہ قول سے متعلق ہو یا عمل و اعتقاد سے۔فعل کی مزید تفصیل آئندہ آئے گی۔

نــوٹ:۔''حکم'' وہ قانونی ضابطہ یا قانونی قد ہے جو وحی الٰہی بلا واسطہ یا بالواسطہ (وحی خفی یا وحی جلی) سے ماخوذ ہو۔ اکثر علماء کے نزدیک قرآنِ مجید (وحی جلی) میں پانچ سو (500) آیات ایسی ہیں جو قانونی اقدار سے صریح (Clear) بیان پر مشتمل ہیں۔انہیں''آیات الاحکام'' کہا جاتا ہے۔اسی طرح کم وبیش تین ہزار (3000) احادیثِ نبوی (وحی خفی) اسی نوعیت کی ہیں جنہیں''احادیث الاحکام'' کہا جاتا ہے۔ یہ تعداد صرف احکام کی ہے جو صریحاً وارد ہوئے ہوں۔ ورنہ مذکورہ پانچ سو آیات کے علاوہ قرآنِ حکیم میں دو ہزار (2000) آیات ایسی ہیں جو اوامر اور نواہی پر مشتمل ہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآنِ حکیم کی وہ آیات جو صریحاً یا کنایۃً اپنے اندر قانونی مواد رکھتی ہیں۔وہ ڈھائی ہزار (2500) ہیں۔اسی طرح احادیثِ نبوی ﷺ کا معاملہ بھی یوں ہی ہے جن کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچتی ہے جو بلا وسطہ یا بالواسطہ اِسلامی قانون (احکام شریعہ) کی تدوین (Compiling) کا مواد فراہم کرتی ہیں۔

سـوال:21:۔حکم کے اقسام اور اُن کا آپس میں موازنہ مثالوں کے ذریعہ بیان کرو؟

جـواب:۔اقسامِ''حکم'' فقہ اِسلامی کی رُو سے''حکم'' کی دو اقسام ہیں!

1- حکمِ تکلیفی **2- حکم وضعی**

1- حکمِ تکلیفی (Primary Law):۔

لغوی معنی:۔ایسا امر جس کے بجالانے میں مشقت (تکلیف) ہو۔

اصطلاحی تعریف:۔''حکمِ تکلیفی وہ حکم ہے جس میں کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کی طلب یا اختیار و اباحت پائی جائے''۔

نــوٹ:۔طلب (اقتضاء) اور تخییر (اباحت) کی پہلی صورتیں''حکمِ تکلیفی'' کی تعریف میں آجاتی ہیں اور استقرار (اخبار یا خبر) اور اعلان کی آخری صورت''حکمِ وضعی'' کی تعریف میں آئے گی۔

(a) **طـلـب** (Demand):۔طلب دو طرح کی ہوتی ہے! مثبت طلب، منفی طلب۔

مـثـبـت طـلـب سے مراد کسی کام کے کئے جانے کا تقاضا ہے اس کو''امر'' (Commission) کہتے ہیں۔

مـنـفـی طـلـب سے مراد کسی کام کے نہ کئے جانے کا تقاضا ہے اس کو''نہی'' (Omission)

کہتے ہیں۔

(b) **تخییر و اباحت**(Indifference & Discretion):۔

تخییر :۔اِس سے مراد وہ تمام قوانین (احکام) میں جو انسان کو دو متبادل صورتوں (Options) میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی اجازت دیتے ہیں "تخییری" کہلاتے ہیں۔

اباحت :۔تخییری احکام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں انسان کو مکمل آزادی اور اختیار حاصل ہوتا ہے۔اسی وجہ سے احکام کو "مباح" کہا جاتا ہے۔

حکمِ تکلیفی کی مثالیں :۔مثبت احکام مثلاً! نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، شرعی حقوق اور فرائض کی ادائیگی وغیرہ۔اسی طرح منفی یا امتناعی احکام مثلاً! قتل، زنا، شراب نوشی اور چوری وغیرہ کی حرمت (حرام ہونا) یہ تمام تکلیفی احکام میں شامل ہیں۔

2- **حکم وضعی** (Declaratory Law):۔

تعریف :۔ "حکم وضعی" سے مراد وہ حکم ہے جس میں کسی کام کے کرنے یا نا کرنے کی نہ تو کوئی "طلب" پائی جاتی ہے اور نہ اختیار۔ جس میں کسی ایک کو دوسری چیز کے سبب، شرط یا مانع کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔مثلاً! اللہ تعالیٰ نے نماز کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ.
اس خطابِ الٰہی میں چونکہ شارع نے "دُلُوْکِ" (سورج کے ڈھلنے) کو وجوبِ صلوٰۃ (نماز کے فرض ہونے) کا "سبب" قرار دیا ہے اِس لئے یہ اصولیین کے نزدیک "حکم وضعی" قرار پائے گا اور فقہا کے پاس "دُلُوْکِ" کا وجوب صلوٰۃ کے لئے "سبب" ہونا "حکم وضعی" ہے۔

حکمِ تکلیفی اور حکمِ وضعی کا موازنہ :۔

(a) دونوں میں فرق درج ذیل ہے!

حکمِ تکلیفی	حکمِ وضعی
1- حکمِ تکلیفی کے لئے اہلیت شرط ہے، جس میں اہلیت نہیں وہ اِس حکم کا مخاطب نہیں ہوسکتا۔ جیسے عدم بلوغ، پاگل پن، بے ہوشی، نیند وغیرہ عوارض کی وجہ سے انسان شرعی احکام شریعت کا پابند نہیں۔	1- حکم وضعی کے مخاطب کے لئے اہلیت شرط نہیں، مثلاً بچہ یا پاگل کسی کا نقصان کر دیتا ہے تو اُس کے ولی پر اس کی تلافی لازمی ہے۔

2- حکمِ تکلیفی کے لئے ضروری ہے کہ وہ فعل انسان کی قدرت میں داخل ہو۔ مثلاً نماز، روزہ وغیرہ ایسے افعال ہیں جو انسان کی قدرت میں داخل ہیں
لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا
(اللہ تعالیٰ انسان کو اُس کی طاقت (قدرت) سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا)۔

3- حکمِ تکلیفی میں مکلّف سے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا مطالبہ ہوتا ہے یا پھر دونوں میں اختیار ہوتا ہے۔

4- حکمِ تکلیفی میں فعل پر قدرت کے ساتھ ساتھ اس کا حصول لازم ہوتا ہے۔ جیسے وضو نماز کے لئے ''شرط'' ہے اور اس کا حصول لازم ہے۔

5- حکمِ تکلیفی حکمِ وضعی کا محتاج ہوتا ہے۔ مثلاً نماز قائم کرو یہ حکمِ تکلیفی ہے جو اپنے وجود کے لئے ''شرط'' وقت کا محتاج ہے جو حکمِ وضعی سے معلوم ہوتا ہے۔

6- حکمِ تکلیفی کا تعلق مکلّف کی ذات کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔ مثلاً قصاص میں قاتل ہی کو قتل کیا جائے گا کسی دوسرے کو نہیں۔

7- حکمِ تکلیفی میں فعل کا مکلّف کے علم میں ہونا ضروری ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے!
''ہم رسول مبعوث کرنے سے پہلے عذاب نہیں دیتے''، یعنی رسول مکلفین کو احکام پہنچا تا

2- حکمِ وضعی کبھی انسانی قدرت میں داخل ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ مثلاً نماز کے لئے وضو ''شرط'' ہے، چوری ہاتھ کاٹنے کا ''سبب'' ہے، وغیرہ انسانی قدرت میں داخل ہیں۔ اور سورج کا ڈھلنا، نماز کے فرض ہونے کا ''سبب'' ہے۔ یا سال کا گزرنا زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے ''شرط'' ہے وغیرہ یہ انسان کی قدرت میں داخل نہیں۔

3- حکمِ وضعی میں کسی چیز کا مطالبہ نہیں ہوتا محض استقرار (خبر) اور اعلان ہوتا ہے تاکہ انسان کو معلوم ہو جائے کہ حکمِ شرعی کب ثابت ہوتا ہے اور کب نہیں۔

4- حکمِ وضعی میں فعل کے مقدور ہونے کے باوجود اس کے بجالانے کا حکم نہیں ہوتا۔ مثلاً زکوٰۃ کے لئے نصاب شرط ہے لیکن اس کے حصول کا حکم نہیں۔

5- حکمِ وضعی حکمِ تکلیفی کا محتاج نہیں ہوتا۔ مثلاً سورج کا ڈھلنا نماز کا محتاج نہیں۔ اوقاتِ عبادات احکام وضعیہ ہیں۔

6- حکمِ وضعی کا تعلق مکلّف کی ذات کے علاوہ بھی ہوسکتا ہے، مثلاً قتلِ خطا کی صورت میں قاتل کے خاندان پر ''دیت'' حکمِ وضعی سے لازم ہوگی۔

7- حکمِ وضعی میں مکلّف کے علم کی شرط نہیں۔ مثلاً کسی شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ اس خاتون کو اس طلاق کا علم نہ ہو۔

8- حکمِ وضعی اصلی (مقصود) نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ تعارض کے وقت حکمِ تکلیفی کو ترجیح ہوتی ہے۔ اور منکرین کو عذاب سے ڈراتا بھی ہے۔

8- خطابِ اصلی (مقصود) حکمِ تکلیفی ہوتا ہے۔

(b) حضرت امام قرافیؒ کا قول ہے کہ کبھی حکمِ وضعی، حکمِ تکلیفی کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے اور کبھی علیحدہ ہوتا ہے!

۔دونوں اکھٹے ہونے کی مثال:۔زنا حرام ہے اس اعتبار سے یہ حکمِ تکلیفی ہے اور زنا، حد قائم کرنے کے لئے ''سبب'' ہے اس اعتبار سے یہ حکمِ وضعی ہے۔

۔دونوں کے الگ الگ ہونے کی مثال:۔زوالِ شمس نمازِ ظہر کے فرض ہونے کے لئے ''سبب'' ہے، رمضان مہینے کا آغاز روزہ رکھنے کے لئے فرض ہونے کا سبب ہے۔جس پر مکلّف قادر نہیں اور یہ حکمِ وضعی ہیں ان میں امر و نہی بھی نہیں جو حکمِ تکلیفی کے لئے لازم ہیں۔

(c)- حکمِ تکلیفی کے لئے کسی کام کے بارے میں ''طلب'' یا اختیار پایا جاتا ہے۔''طلب'' کے لحاظ سے حکمِ تکلیفی کی دو اقسام ہیں۔

1-امر (Commission)، یہ مثبت طلب (Positive Demand) ہے۔

2- نہی (Omission)، یہ منفی طلب (Negative Demand) ہے۔

۔''امر'' میں کسی کام کے کرنے کا مطالبہ ہوتا ہے جسے ''طلبِ فعل'' کہتے ہیں۔

۔''نہی'' میں کسی کام کے نہ کرنے کا مطالبہ ہوتا ہے جسے ''طلب ترکِ فعل'' کہتے ہیں۔

سوال :22:۔فقہی احکام کی تقسیمِ مدارج کی وجہ تسمیہ اور احناف کے پاس احکام کی ابتدائی اقسام کے بارے میں تذکرہ کیجئے؟

جواب:۔فقہی احکام کے اقسام کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں مفتی محمد شریف الحقؒ فرماتے ہیں!

روایت کی اقلیت اور کثرت کے اعتبار سے اس کی تین قسمیں ہیں۔متواتر، مشہور اور خبرِ واحد۔

یہ بات ظاہر ہے کہ قرآن کی ہر آیت (نص) کا ثبوت ایسا یقینی اور قطعی ہے کہ اُس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ یہی حال حدیثِ متواتر کا بھی ہے۔حدیثِ مشہور کا ثبوت بھی یقینی ہے مگر متواتر کی طرح نہیں۔اور خبرِ واحد یا خبرِ آحاد میں یہ یقین اور کم درجہ کا ہو جاتا ہے۔گویا فقہ کی بنیاد جن روایات پر تھی وہ سب ایک درجہ کے نہیں۔اس لئے ضروری ہوا کہ اُن کے ثابت ہونے اُمور (احکام) بھی ایک درجہ کے نہ ہوں۔ بلکہ اُن میں بھی مختلف مدارج و اقسام ہوں۔

چنانچہ احناف کے پاس احکامِ شریعی کی ابتدائی تین قسمیں ہوئیں۔

1- ماموربہ 2- منہی عنہ 3- مباح

پھر ''ماموربہ'' کی سات مدارج ہوئیں!

1- فرضِ اعتقادی 2- فرضِ عملی 3- واجب اعتقادی 4- واجبِ عملی

5- سنتِ موکدہ 6- سنتِ غیرموکدہ 7- مستحب

اسی طرح منہی عنہ کی بھی پانچ مدارج ہوئیں!

1- حرامِ قطعی 2- مکروہِ تحریمی 3- اساءت 4- مکروہِ تنزیہی 5- خلافِ اولیٰ

یہ سب مدارج واقسامِ احکام اس لئے ہیں کہ قرآن کی عظمت اور قطعیت اپنی جگہ رہے اور احادیث کی عظمت اپنی جگہ اور ثابت ہونے والے احکام کی اُن کے ثبوت کی نوعیت کے اعتبار سے حیثیت اپنی جگہ رہے۔ احکام کے اِن فرقِ مراتب کے موجد (Founder) حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ ہیں۔ اِن مراتبِ احکام کو سب ہی مجتہدین نے قبول کیا۔ اور اِس سے بہت سے وہ خلجان (Anxiety) جو قرآن واحادیث میں بظاہر آتے ہیں خود بہ خود ختم ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ فقہاء نے جتنی باتیں قرآنِ مجید یا احادیثِ متواتر سے ثابت ہوئیں اُن کو ''فرض'' قرار دیا اور بقیہ اُمور کو احادیث کی نوعیت کے لحاظ سے واجب، سنت، مستحب قرار دیا۔

11- احکامِ تکلیفی کے مدارج کی تقسیم

(Gradation of Legal Values)

سوال:23:۔ احکامِ تکلیفی کے مدارج کی تقسیم' تاریخ اصطلاحات کی روشنی میں بیان کیجئے؟

جواب:۔ شریعتِ مطہرہ کے احکام کے حوالے سے تاریخِ اصطلاحات کے پس منظر میں فقہ اور اصولِ فقہ کے اصولیین اور فقہا نے ابتداً امر اور نہی دونوں کی کل پانچ اقسام کا ذکر کیا ہے۔ جو درج ذیل ہیں!

تقسیمِ اوّل

1- واجب (Mandatory) 2- مستحب (Commendable)

3- مباح (Permissible) 4- حرام (Forbidden)

5- مکروہ (Disapproved)

بعدازاں علماء اوراصولیین نے اِن پانچ اقسام کوتوسیع دی اوردومزیداقسام کااضافہ کیا۔

تقسیمِ ثانی

1- فرض(Mandatory) 2- واجب(Imperative)

3- مستحب(Commendable) 4- مباح(Permissible)

5- حرام(Forbidden) 6- مکروہ تحریمی(Condemnd)

7- مکروہ تنزیہی(Improper)

بعدازاں اصولیین نے اِس پر مزیدمحنت کی اوراحکام شرعیہ کی روشنی میں ان سات اقسام کی پھر توسیع کرکےسات(7) کی جگہ نو(9)اقسام بیان کیں!

تقسیمِ ثالث

1- فرض (Mandatory) 2- واجب(Imperative)

3- سنتِ موکدہ(Mandatory Recommendation)

4- سنتِ غیرموکدہ(Directory Recommendation)

5- مستحب(Commendable) 6- مباح(Permissible)

7- حرام(Forbidden) 8- مکروہ تحریمی(Condemnd)

9- مکروہ تنزیہی(Improper)

اب، یہاں یہ بات غورطلب ہے کہ''امر'' کے پانچ(5) اقسام ہیں اور''نہی'' کے تین اقسام ہیں جب کہ''مباح'' دونوں میں مشترک ہے۔لیکن عقلِ سلیم تقاضا کرتی ہے کہ''امر'' اور''نہی'' کے درجے برابر ہوں یعنی پانچ پانچ درجہ ہوں۔فتاویٰ رضویہ(مولانا احمد رضا خان بریلویؒ) میں''امر'' کے اقسام خمسہ(5) کے مقابلے میں''نہی'' کے بھی اقسام خمسہ بیان کئے گئے ہیں اور''مباح'' مشترک ہے۔ اس طرح یہ گیارہ(11) اقسامِ تکلیفی ہوئے جودرج ذیل ہیں۔

تقسیمِ رابع

امر		نہی	
1-فرض	(Obligatory)	1- حرام	(Forbidden)
2-واجب	(Imperative)	2- مکروہ تحریمی	(Condemnd)
3-سنت موکدہ	(Mandatory)	3- اساءت	(Disapproeved)
4-سنتِ غیرموکدہ	(Directory)	4- مکروہ تنزیہی	(Improper)
5-مستحب	(Commendable)	5-خلافِ اُولیٰ	(Uncommendable)

☆ مباح (Permissible/Discretionary)

☆ یہ جملہ گیارہ اقسام ہوئے۔

تاریخِ اصطلاحات(مدارج احکام تکلیفی)

تاریخ اسلامی فقہ پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے مدارج احکام تکلیفی میں سے بعض کا تذکرہ کتاب وسنت میں ملتا ہے اور بعض کا نہیں۔ جیسے جیسے اصولِ فقہ کی تدوین ہوتی گئی اس کی ساتھ ہی دیگر اصطلاحات معرضِ وجود میں آ گئیں۔ جن کا تذکرہ عہدِ قرونِ اولیٰ (عہدِ رسالت؛ صحابہ واوائل تابعین) میں ملتا ہے وہاں اُن کے مفہوم میں عموم (Generality) تھا۔ جو الفاظ قرآن وسنت میں پائے جاتے ہیں وہ درج ذیل ہیں!

1-فرض 2-سنت 3-حلال 4-حرام 5- مکروہ

فرض:۔اس کا اطلاق کتاب وسنت میں فرض اور واجب دونوں پر ہوتا ہے۔

سنت:۔اس کا اطلاق لغوی معنیٰ ''طریقہ'' پر ہوتا ہے۔

حرام:۔اس کا اطلاق ''حلال'' کے مقابل ہوا ہے۔

مکروہ:۔مکروہ کا استعمال محبوب (پسندیدہ) کے مقابل ہوا ہے۔مثلاً قرآن میں ہے!

وَ کَرَّہَ اِلَیۡکُمُ الۡکُفۡرَ وَ الۡفُسُوۡقَ وَ الۡعِصۡیَانَ یعنی اور(اللہ) تمہارے لئے کفر، فسق اور گناہ کو نا پسند فرماتا ہے۔(الحجرات۔7)

مباح:۔اِس لفظ کا استعمال کتاب وسنت میں نہیں۔البتہ مباح کے معانی پر دلالت کرنے والے الفاظ موجود

ہیں جیسے دفع الحرج، حلال وغیرہ' جیسے! لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ (الفتح . 17) . لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلاً مِنْ رَّبِّكُمْ (البقرہ . 198)

مندوب (نفل) :۔ یہ لفظ بھی صدرِ اول (کتاب) میں نہیں ملتا جبکہ سنت (طریقہ) اس کو شامل ہے۔ بالاخر جب علوم فقہ کی تدوین ہوئی اُس وقت علماء نے ہر ایک درجہ کے لئے الگ الگ اسماء یا اصطلاحیں وضع کئے۔

سوال :24:۔ جب احکامِ تکلیف کا مرجع اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی ہیں تو اِن کو دو ہی اقسام میں کیوں تقسیم نہیں کیا گیا۔ اتنی زیادہ اقسام کیوں بنانی پڑیں؟

جواب:۔ احکامِ تکلیفی کے اتنے زیادہ مدارج یا اقسام بنانے کی دو حکمتیں ہیں!

1- اس تقسیم میں تخفیف ہے۔ 2- اس تقسیم میں ابتلاء بھی ہوسکتا ہے

1- **اِس تقسیم میں تخفیف ھے** :۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کریم و رحیم ہے اور اس کے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سراپا رحمت ہیں۔ لہٰذا انہوں نے اپنے بندوں اور غلاموں کے لئے شریعتِ اسلامیہ کی صورت میں جتنے احکام عطا فرمائے ہیں اُن میں بندوں کے مصالح' دفعِ ضرر' اور عدم حرج کا خیال رکھا۔ قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر اس بات کا تذکرہ موجود ہے مثلاً! مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے حرج (تنگی یا سختی) کا ارادہ نہیں رکھتا)۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوا!

مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى (ہم نے تم پر قرآن مشقت کے لئے نہیں نازل فرمایا)۔

اب اگر تمام احکامِ تکلیفی کو دو ہی اقسام یعنی واجب وحرام میں منحصر کر دیا جائے تو اس سے مشقت و حرج لازم آتا جو کہ نزول شریعت کے مقصد کے خلاف تھا۔ اس لئے بعض احکام کو مندوب (نفل)' بعض کو سنت اور بعض کو مکروہ قرار دیا گیا۔ گویا بندوں کے ابتلاء (آزمائش) میں تخفیف وسہولت پیدا کر دی گئی۔

2- اس تقسیم میں ابتلاء (آزمائش) بھی ہوسکتا ہے :۔ احکامِ اوامر ونواہی کی اس تقسیم کا ایک فائدہ تو بندوں پر تخفیف ہے۔ اس صورت میں واجب وحرام میں ابتلاء ہے۔ لیکن بعض علماء نے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ ابتلاء وآزمائش مندوب (مستحب) اور مکروہ کے پیشِ نظر صرف ''واجب'' کی بجا آوری اور ''حرام'' سے اجتناب کی کوشش کرنا ہی ہے۔ اب کامل الایمان وہی شخص ہوگا جو اپنے رب کریم کی رضا کے پیشِ نظر عمل کرے، جس طرح وہ ''واجب'' پر عمل پیرا ہے اسی طرح ''مندوب'' پر بھی عمل پیرا ہو۔ اور

جس طرح ''حرام'' سے اجتناب کرتا ہے اسی طرح ''مکروہ'' کے قریب بھی نہ جائے۔ کیوں کہ احکامِ شرعیہ خواہ وہ واجب ہیں یا مندوب، حرام ہیں یا مکروہ یہ تمام بندے ہی کی دنیا وآخرت سنوارنے کے لئے ہیں اور یہی صالحین ومخلصین کا راستہ بھی ہے۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (سورۃ فاتحہ)۔

دیکھو! اللہ تعالیٰ کا حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے کہ ''میرا بندہ نوافل (مندوب) کے ذریعہ میرا ایسا قرب پاتا ہے کہ میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں''۔ (یہ حدیث شریف طویل ہے)۔

بہرحال خلاصہ یہ ہوا کہ اس تقسیم مدارج میں اہلِ محبت کی آزمائش ہے۔ جو محبت میں جتنا مخلص ہوگا وہ مولا کے ہر حکم کو دل وجان سے بجالائے گا قطع نظر اس کے کہ وہ واجب ہے یا مندوب اور جو محبت میں کمزور ہوگا وہ راہِ فرار اختیار کرے گا۔ علماء نے بھی اس بات کی تصریح (صراحت) کی ہے کہ ''اسلاف (صحابہ وتابعین) ترکِ سنت پر اس طرح ناراض ہوتے تھے جس طرح ترکِ واجب پر۔ اور مکروہ کے ارتکاب کو اِس طرح بُرا تصور کرتے تھے جس طرح حرام کے ارتکاب کو۔

احکام تکلیفی کے گیارہ اقسام (تعریفات و احکام)

سوال:25:۔احکامِ تکلیفی کے گیارہ (11) اقسام اوراُن کی تعریفات بیان کیجئے؟

جواب:۔1-فرض (Obligatory):

اِس کی دوقسمیں ہیں!

(i) فرض اعتقادی (ii) فرض عملی

(i):۔**فرضِ اعتقادی**:۔ ہر وہ فعل جس کا لزوم ثبوتاً اور دلالۃً قطعی ہو۔

پس ثبوتِ قطعی سے مراد یہ ہے کہ وہ تواتر سے ثابت ہو اور دلالتِ قطعی سے مراد یہ ہے کہ وہ معنیٔ مرادی (حکم) پر صراحۃً دلالت کرے۔

حکم فرض اعتقادی:۔اگر اِس کی فرضیت ہر خاص وعام پر روشن واضح ہے تو اس کا منکر بالاتفاق ''کافر'' ہوگا۔ جو شخص اِسے بلا عذر ترک کردے گا وہ فاسق ومرتکب کبیرہ ومستحقِ عذاب ہوگا۔ مثلاً نماز' رکوع' زکوٰۃ وغیرہ۔

(ii):۔**فرضِ عملی**:۔وہ فعل جس کا ثبوت ایسا قطعی تو نہ ہو مگر نظر مجتہدین میں اس پر ایسے دلائلِ شرعیہ موجود ہیں کہ آدمی اُس پر عمل کئے بغیر بری الذمہ نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اگر وہ کسی عبادت کے اندر

فرض ہوتو اُس کے بغیر عبادت باطل ہوگی۔

حکمِ فرضِ عملی:۔ بلا وجہ فرض عملی کا اِنکار فسق وگمراہی ہے اگر دلائل شرعیہ پر نظر کی وجہ سے اِس کا اِنکار کرتا ہے تو یہ اُس کا حق ہے۔ ائمہ مجتہدین کے تمام اختلافات جیسے، ایک کا ''فرض'' کہنا اور دوسرے کا اِنکار کرنا اسی قبیل (Category) سے ہے۔ مثلاً شوافع کے ہاں وضو میں ''تسمیہ'' فرض ہے مگر احناف کے ہاں سنت ہے۔

نوٹ:۔ بہت سے لوگ ''فرضِ اعتقادی'' اور ''فرضِ عملی'' میں فرق نہیں کرتے مذکورہ تعریفات کے پیشِ نظر ''فرضِ اعتقادی'' ایک قطعی اور متواتر حکم ہے۔ ''فرضِ اعتقادی'' کا منکر (اِنکار کرنے والا) کافر سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ ''فرضِ عملی'' میں اصلی حکم تو قطعی ہوتا ہے۔ مگر اس فعل کی تعیین (طریقۂ عمل) اجتہادی ہوتی ہے۔ ''فرضِ عملی'' کے منکر کی تکفیر نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس میں انسانی رائے اور عقل (اجتہاد) کا دخل ہے۔ مثلاً سَر کا مسح ''فرضِ اعتقادی'' ہے' اِس سے حنفی؛ مالکی' شافعی وحنبلی کوئی اِنکار نہیں کرسکتا۔ مگر اس مسح کے عمل کی تعیین کہ پورے سَر کا مسح یا ''ناصیہ'' (پیشانی کے بال، ماتھا پیشانی) کا یا اس قدر کا کہ ''مسح کیا گیا'' کا لفظ صادق آئے ''فرضِ عملی'' ہے جو اجتہادی ہے۔ جہاں انسانی عقل کی مداخلت ہوئی تکفیر (کافر کہنا) ایک طرف' یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اُس نے عمل نہیں کیا۔ لہٰذا یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے کہ مالکی حنفی کے پیچھے اس لئے نماز نہیں پڑھے کہ اس نے پورے سَر کا مسح نہیں کیا' یا حنفی' شافعی کے پیچھے اس لئے نماز نہ پڑھے کہ اس نے ناصیہ کا مسح نہیں کیا۔

دیکھو! ''فرضِ عملی'' اور ''واجب'' میں یہ فرق ہے کہ فرضِ عملی کا ترک نا قابلِ تدارک ہے اور واجب کا ترک قابلِ تدارک (Redressable) ہے۔ پس نماز میں کوئی واجب ترک ہوجائے تو اُس پر ''سجدۂ سہو'' آئے گا۔ اسی طرح حج میں اگر کوئی واجب چھوٹ جائے تو اس پر دَم یعنی قربانی واجب ہوجائے گی۔

2-**واجب** (Imperative):۔ ''وہ عمل جس کا لزوم ثبوتاً یا دلالۃً ظنی ہو یعنی ایسا حکم جس کے کرنے کا شرع نے لازمی مطالبہ کیا ہو اور وہ دلیلِ ظنی سے ثابت ہو اس طرح کہ اس میں کوئی شبہ رہ جائے''۔

حکمِ واجب:۔ ''واجب کا حکم فرض کی طرح ہے مگر واجب کا منکر کافر نہیں''۔

3-**سنّتِ موکدہ** (Mandatory):۔ ''وہ عمل جس پر رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت فرمائی یعنی ایک یا دو مرتبہ کے علاوہ ہمیشہ بطورِ عبادت کے اپنایا ہو۔ ہاں کبھی بیانِ جواز کے لئے ترک بھی فرمایا ہو۔

حکمِ سنتِ موکدہ:۔ اس کا عادۃً ترک مستحقِ عذاب ہے اور نادراً (کبھی کبھی) ترک مستحقِ عتاب (ناپسندیدہ) ہے۔

4- **سنّتِ غیر موکدہ** (Directory):۔وہ عمل جس پر رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت نہیں فرمائی لیکن کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عمل کیا ہو۔

حکمِ سنتِ غیر موکدہ:۔اس کا ترک ناپسند ہے خواہ یہ ترک عادۃً ہو مکلّف کو مستحقِ عتاب نہیں بناتا۔

5- **مستحب**(Commendable):۔ایسا عمل جو نظرِ شریعت میں پسندیدہ ہو لیکن اس کے ترک پر شریعت نے ناپسندیدگی کا اظہار نہ کیا ہو۔

مستحب کی صورتیں:۔اس کی مختلف صورتیں ہیں!

(i) یہ حضور پاک علیہ السلام کا عمل پاک بھی ہوسکتا ہے۔

(ii) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کی ترغیب دی ہو۔

(iii) علماء نے اسے پسند کیا ہو۔

(iv) اصل ضابطہ یہ ہے کہ مَارَاٰہُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللہِ حَسَنٌ

(وہ عمل جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی پسندیدہ عمل ہوتا ہے)۔

مثلاً!:۔اذان میں تقبیلِ ابہامین (انگوٹھوں کو چومنا)' محفلِ میلاد کا انعقاد اعمالِ مستحبہ میں سے ہیں! اس پر امت کی اکثریت کا عمل بھی ہے۔

حکمِ مستحب:۔اِس پر عمل کی صورت میں ثواب اور ترک پر عذاب نہ عتاب۔

6- **حرام**(Prohibidden):۔وہ عمل جس کا منع ثبوتاً اور دلالۃً قطعی ہو یعنی ''حرام'' وہ شئے یا عمل ہے جس کے بارے میں ترک کر دینے اور نہ کرنے کا صریح حکم آیا ہو۔حرام' فرض کے مقابل ہے۔

حکمِ حرام:۔حرام کا چھوڑنا لازم ہے۔اس کا مرتکب (کرنے والا) مستحقِ سزا (عذاب) جبکہ اس کی حرمت (حرام ہونے) کا منکر''کافر'' ہو جاتا ہے اور جو حرام جانتے ہوئے اس کا ارتکاب (اس پر عمل) کرے وہ''فاسق'' ہے۔

7- **مکروہِ تحریمی**(Condemnd):۔وہ عمل جس کا منع ثبوتاً یا دلالۃً ظنّی ہو۔یعنی مکروہِ تحریمی وہ فعل ہے جس میں شارع مکلّف سے لازمی طور سے نہ کرنے کا مطالبہ کرے اور وہ مطالبہ دلیل ظنّی سے ثابت ہو' یہ''واجب'' کے مقابل ہے۔

حکمِ مکروہِ تحریمی:۔اِس کا انکار کفر نہیں لیکن اس پر عمل مستحقِ عذاب بنا دیتا ہے۔

8- **اساء ت** (Disapproved):۔وہ عمل جس کا عادۃً کرنا موجبِ عذاب ہو۔یہ ''سنتِ موکدہ'' کے مقابل ہے۔

حکمِ اساء ت:۔اس کا نہ کرنا بہتر اور اِس کے کرنے پر ملامت اور تھوڑا سا گناہ بھی ہے۔

9- **مکروہ تنزیہی**(Improper):۔وہ عمل جسے شریعت ناپسند رکھے مگر عمل پر عذاب کی وعید نہ ہو۔

حکمِ مکروہ تنزیہی:۔اِس کا مرتکب عادۃً مستحقِ عتاب (ناپسندیدہ) ہوتا ہے۔

10- **خلافِ اولیٰ** (Uncomendable):۔وہ عمل جس کا نہ کرنا بہتر اور کرنے میں قباحت ہو مگر ترک کرنے میں تاکید بھی نہ ہو۔یہ ''مستحب'' کے مقابل ہے

حکمِ خلافِ اولیٰ:۔اِس کا مرتکب نہ تو مستحقِ عذاب ہے اور نہ مستحقِ عتاب۔

11- **مباح**(Permissible or Discretionary):۔یہ وہ فعل ہے جس کے بارے میں مکلّف مختار ہے یعنی مکلّف کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے دونوں کا اختیار ہے۔

حکمِ مباح:۔عادۃً ترک یا عمل پر گناہ نہیں ہوتا۔

نوٹ:۔حکمِ شرعی کی ایک اور اصطلاح ''ندب یا مندوب'' بھی مستعمل ہے۔

تعریف:۔مندوب فعل کا فاعل مستحقِ مدح ہو اور اسکا تارک قابلِ مذمت نہ ہو۔

a- جمہور اصولیین (غیر احناف) کی رائے میں مندوب، سنت اور مستحب کے مترادف ہے (مقابل) ہے۔

b- علمائے احناف سنت اور مندوب میں فرق کرتے ہیں کہ ''نفل'' پر مندوب کا اطلاق ہوسکتا ہے مگر سنت پر نہیں۔

ادلۂ سمعیہ (قواعدِ دلائل):۔

سوال:26:۔ادلۂ سمعیہ سے مراد کیا ہے۔ان کی تعریفات اور ترتیب واقسام بیان کیجئے؟

جواب:۔ادلۂ سمعیہ:۔سے مراد وہ دلائل وضوابط (قاعدے) ہیں جن سے افعال شرعیہ (فرض، واجب، حرام اور سنت) کی حیثیت (Status) کا تعین (Determination) کیا جاتا ہے۔ادلۂ سمعیہ کے بالترتیب چار اقسام ہیں!

1- قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ
(Definite in proof & in application)

2- قطعی الثبوت اور ظنی الدلالۃ
(Definite in proof & Probabble in application)

3- ظنی الثبوت اور قطعی الدلالۃ
(Probabbble in Peoof, definite in application)

4- ظنی الثبوت اور ظنی الدلالۃ
(Probabbble in proof & in Application)

1- **قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ**:۔وہ حکم جو یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہو اور اس کا

مفہوم و مراد اور اطلاق بھی قطعاً ثابت ہو۔ مثلاً قرآن کی آیاتِ محکمہ یا مفسرہ اور احادیثِ متواتر سے ثابت شدہ احکام ''فرض'' اور ''حرام'' صرف ایسے نصوص (دلیلِ قطعی) سے ہی ثابت ہوتے ہیں۔ بشرطیکہ طلب جازم (لازم) ہو اور یہ وہ آیات اور احادیث ہیں جو نہ تو تاویل کا احتمال (امکان) رکھتی ہیں اور نہ ہی تخصیص و نسخ کا۔ یہ دین کے اساسی اور بنیادی احکام پر مشتمل ہیں جیسے اصولِ ایمان (اللہ، رسالت،، کتب اللہ، آخرت پر ایمان) اور ارکانِ دینِ اسلام (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) اور دیگر اسلامی اقدار (عدل، صدق، ایفائے عہد، مساوات وغیرہ) یہ تمام احکام اس قسم کے نصوص سے ثابت ہیں۔

2- **قطعی الثبوت و ظنی الدلالة**:۔ وہ حکم جس کا ثبوت تو قطعی و یقینی ہو لیکن مفہوم و اطلاق کا تعین و یقینی نہ ہو بلکہ ظنی ہو۔ مثلاً آیات مؤولہ (ایسی آیات واحادیث جن سے فرض و حرام ثابت نہیں ہو سکتے) سے جو احکام ''واجب'' اور ''مکروہِ تحریمی'' کے ثبوت میں قطعی ہوتے ہیں لیکن مفہوم پر دلالت کرنے کے لحاظ سے ظنی (کئی احتمالات پر مشتمل) ہوتے ہیں جب کہ طلب جازم ہو۔

3- **ظنی الثبوت و قطعی الدلالة** :۔ وہ احکام ہیں جو اپنے ثبوت کے اعتبار سے ''ظنی'' ہوں لیکن اپنے مفہوم پر دلالت کرنے میں قطعی اور یقینی ہو مثلاً اخبارِ احاد (احادیث)۔ اخبارِ احاد چونکہ اپنے ثبوت میں ظنی ہوتی ہیں اس لئے ان سے ثابت ہونے والے احکام بھی ظنی ہونے کی وجہ سے ''واجب'' اور ''مکروہ تحریمی'' کے درجے میں ہوتے ہیں۔ جیسے احناف کے پاس نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ''واجب'' ہے کیونکہ یہ ایسی حدیث سے ثابت ہے جو ظنی الثبوت ہے اور قطعی الدلالۃ ہے۔

4- **ظنی الثبوت اور ظنی الدلالة** :۔ وہ احکام جو اپنے ثبوت اور دلالت دونوں لحاظ سے ظنی (غیر یقینی) ہوں۔ یہ احکام ''مستحب'' اور مکروہ تنزیہی'' کا درجہ رکھتے ہیں۔ مثلاً حضرت انس بن مالکؓ کی روایت کردہ وہ حدیث جس میں نماز عید سے پہلے کھجور یا کوئی میٹھی چیز کھانے کا سنت ہونا ثابت ہے۔

نوٹ :۔ ہر حکم شرعی میں بنیادی مقصود (Objective) ''طلب'' (Demand) یا مطالبہ ہوتی ہے۔ ''طلب'' خواہ فعل (امر) کے لئے ہو یا ترکِ فعل (نہی) کے لئے۔ اس کے تین اقسام ہیں!

1- طلبِ جازم (Quiescent or Final) :۔ جو ''طلب'' فعلِ وجوب (فرض و واجب' اور حرام و مکروہ تحریمی) کے ساتھ ہوگی تو ''طلبِ جازم'' (لازمی مطالبہ) کہلائے گی۔

2- طلبِ تاکید (For Emphasis) :۔ جو ''طلب'' فعل اساءت اور مکروہ شرعی کے ساتھ ہوگی

وہ ''طلبِ تاکید'' کہلائے گی۔

3- طلبِ ترغیب (For Incitement) :۔ جو''طلب''، سنتِ غیر موکدہ، مستحب، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ جیسے افعال کے ساتھ ہوگی''طلبِ ترغیب'' کہلائے گی۔

خلاصہ : دلائلِ سمعیہ کو دلائل نقلیہ سمعیہ بھی کہتے ہیں۔ اِن دلائل کی پہلی قسم کے ساتھ ثابت شدہ حکم، طلبِ فعل کی صورت میں''فرض''اور ترکِ فعل کی صورت میں''حرام''کا ثبوت ہوتے ہیں، جبکہ دوسری اور تیسری قسم سے''واجب''اور''مکرہِ تحریمی''کا ثبوت اور چوتھی قسم سے''سنت' مستحب' مباح کا ثبوت ہوتے ہیں۔

۔الغرض دلیلِ قطعی وہ دلیل ہوگی جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ علی المراد ہو۔مثلاً نصوصِ قرآنی یعنی آیاتِ **محکمہ اور آیاتِ مفسرہ۔**

آیاتِ محکمہ:۔جیسے ان اللہ بکل شئ ء علیم، محمد رسول اللہ

آیاتِ مفسرہ :. وہ آیات جن کے معنی خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمادیئے اور وہ تواتر سے ثابت ہو۔جیسے ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النَبِیّنَ۔ یہاں''خاتم النبیین''کا معنی آخری نبی ہی ہوں گے۔کیونکہ یہی معنی حضور علیہ السلام سے تواتر کے ساتھ منقول ہے۔آپؐ نے فرمایا''انا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔یعنی میں خاتم النَبِیّن ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں''۔

12- فرض کا بیان

(Obligatory)

سوال:27:۔فرض کا لغوی معنی۔اصطلاحی تعریف اور اسکی وضاحت کرو، نیز فرض کے اقسام اور فرض اور واجب میں فرق کو واضح بیان کیجئے؟

فرض کی لغوی تحقیق :۔

جواب:۔ ''فرض''کا لغوی معنی''مقرر کرنا''اور''لازم کرنا''ہے۔

''فرض''کا لفظ ان ہی معنی میں قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے مثلاً

1- لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِکَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا (النسآء 118)

(میں تیرے بندوں میں سے مقررہ حصہ (اپنے لئے) ضرور لوں گا)۔ یہاں ''فرض'' کے معنی مقرر کرنے کے ہیں۔

2- سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا (النور۔ ا)

(یہ ایک سورۃ ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم (ہی) نے اس کے (احکام) کو فرض قرار دیا ہے)۔

یہاں! اِس آیت میں فرض ''لازم'' کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

فرض کی اصطلاحی تعریف:۔ حضرت وہبہ زحیلیؒ کے نزدیک فرض کی تعریف یہ ہے!

هو ما طلب الشرع فعله طلباً جازمً بدليل قطعي لا شبهة فيه

(الفقه الاسلامی. وهبة زحيلی)

''شریعت میں جس فعل کے کرنے کا لازمی مطالبہ کیا جائے اور وہ دلیلِ قطعی سے ثابت ہو اس طرح کے اس میں کسی قسم کا شبہ نہ رہے۔''

شرح تعریف (وضاحت):۔ حضرت زحیلیؒ نے ''فرض'' کی تعریف میں جن الفاظ کا انتخاب کیا ہے وہ ''فرض'' کی جامعیت و مانعیت کو واضح کرتے ہیں! جیسے

i- ''ما طلب الشارع فعله'' کے الفاظ سے ''حرام'' اور ''مکروہ'' افعال خارج ہوں گے کیونکہ ان کے کرنے میں مطالبہ نہیں بلکہ ترکِ مطالبہ ہوتا ہے۔

ii- ''طلباً جازماً'' کے الفاظ سے ''مستحب و مباح'' افعال ''فرض'' کے دائرے سے نکل گئے کیونکہ ان کے کرنے میں لازمی (جازماً) مطالبہ نہیں ہوتا۔

iii- ''بدليل قطعي لا شبهة فيه'' کے الفاظ سے ''واجب'' بھی فرض کی تعریف سے نکل گیا کیونکہ احناف (علمائے حنفی مذہب) کے نزدیک واجب دلیل ظنی سے ثابت ہوتا ہے اور اس میں شبہ کا امکان ہوتا ہے۔

حکمِ فرض:۔ ''فرض'' میں چونکہ فعل کے بجالانے کا لازمی مطالبہ (طلبِ جازم) ہوتا ہے اس لئے اس کے کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر عذاب ہوتا ہے اور اس کی فرضیت کا اِنکار ''کفر'' ہے۔

''واجب'' کا حکم فرض کی طرح ہے مگر ''واجب'' کا منکر کافر نہیں ہوتا۔

فرض و واجب میں فرق:-

فرض	واجب
1- ''فرض'' دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے۔	1- ''واجب'' دلیلِ ظنی سے ثابت ہوتا ہے۔
2- فرض کا اِنکار کفر ہے۔	2- واجب کا اِنکار کفر نہیں۔
3- فرض پر اعتقاد اور عمل دونوں لازم ہیں۔	3- واجب پر عمل لازم ہے جبکہ اعتقاد لازم نہیں
4- فرض مرتبے میں واجب سے اعلیٰ ہے۔	4- واجب مرتبے میں فرض سے کم ہے کیونکہ واجب میں لزوم کا درجہ فرض کے لزوم سے اقل (کم) ہے
5- فعلِ شرعی کا فرض ترک ہوجائے تو وہ فعل باطل ہوجائے گا کیونکہ اس کا ازالہ ممکن نہیں۔ مثلاً مطلق قرأت، کہ نماز میں ترک کرنا۔ نماز کو ساقط (باطل) کردے گا۔	5- فعل شرعی کا واجب ترک ہوجائے تو فعل باطل (ساقط) نہیں ہوتا، کیونکہ اس کا ازالہ ممکن ہے۔ مثلاً سجدہ سہو، نماز میں واجب کے ترک پر۔

اقسامِ فرض :-

بعض اقسام ایسی ہیں جو فرض اور واجب دونوں کو شامل ہیں۔ جن کا ذکر تقسیماتِ واجب میں آئے گا۔ جو اقسام احناف کے نزدیک فرض کے ساتھ مخصوص ہیں وہ یہ ہیں!

احناف کے نزدیک ''فرض'' کے اطلاقات (Applications) چار ہیں!

1- الفرض الاعتقادی 2- الفرض القطعی 3- الفرض العملی 4- الفرض الظنّی

ان اطلاقات کے پیشِ نظر کہا جاسکتا ہے کہ احناف کے ہاں فرض کی بنیادی اقسام دو ہیں!

1-الفرض الاعتقادی (الفرض القطعی)

2-الفرض العملی (الفرض الظنّی)

1- **الفرض الاعتقادی**:. وہ حکم جس کے کرنے کا مطالبہ لازم (جازم) ہو اور وہ دلیلِ قطعی کی بناء پر ثابت ہو۔ اعتقاد کا تعلق دل کے فعل سے متعلق ہے۔

2- **الفرض العملی** :. وہ حکم جس کے کرنے کا مطالبہ لازم ہو مگر اس کا ثبوت دلیلِ ظنی کی بناء پر ہو۔ اِس فرض کا تعلق فعلِ اعضاء سے متعلق ہے فرضِ عملی، واجب کے مترادف (برابر) ہے کیونکہ یہ عملِ

قطعی کا سبب ہے مگر اعتقادِ قطعی کا فائدہ اس سے حاصل نہیں ہوتا۔مثلاً!

''وضو میں سَر کا مسح کرنے کا حکم قطعی اور فرضِ اعتقادی ہے اُس کا اِنکار کفر ہے۔مگر چوتھائی سَر کا مسح کرنا یا پورے سر کا کرنا،فرض اعتقادی نہیں بلکہ فرضِ عملی ہے لہٰذا اِس کے اِنکار سے کفر ایک طرف،فسق بھی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ فرضِ عملی مجتہدین کے اختلاف دلائلِ شرعیہ کی ہی بناء پر ثابت ہے جو ظنی ہے قطعی نہیں''۔

13-واجب کا بیان

(Imperative)

سوال:28:۔''واجب'' کی لغوی واصلاحی تعریف اور احکام بیان کیجئے؟

جواب:۔ لغوی تعریف:۔لغوی لحاظ سے''واجب'' کا تین معنی پر اطلاق ہوتا ہے!

1-لزوم 2- ثبوت 3- سقوط

1-**لزوم و ثبوت**:۔اس کا ذکر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگتے ہوئے فرمایا!

''اللھم انی اسئلک موجبات رحمتک''

(اے اللہ میں تجھ سے ایسی چیزوں کا سوال کرتا ہوں جو مجھ پر تیری رحمت کو ثابت ولازم کردیں۔

2-سقوط:۔قربانی کا ذکر کرتے ہوئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے!

i- فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْ بِهَا فَكُلُوْا مِنْهَا (القرآن)

(جب اس کے پہلو زمین پر گر جائیں پھر اس میں سے کھاؤ)۔

اِس آیت قرآنی میں وَجَبَتْ بمعنی سَقَطَتْ ہے۔

ii- التوبة تجب ما قبلها ''توبہ ماقبل کے گناہ ساقط کردیتی ہے''۔(حدیث)

اصطلاحی تعریف:۔

i- **عند الاحناف**:۔

''ما طلب الشرع فعله طلباً جازماً بدليل ظنی فيه شبهة''۔

''ایسا حکم جس کے کرنے کا شرع نے لازمی مطالبہ کیا ہو اور وہ دلیل ظنی سے ثابت ہو اس طرح کہ اِس میں کوئی شبہ رہ جائے''۔

ii- **عند غیر الاحناف (جمہور)**:-

ما طلب الشرع فعله طلباً جازماً بدلیل قطعی او ظنی ''

''ایسا فعل جس کے کرنے کا شارع نے لازمی مطالبہ کیا ہو خواہ وہ دلیل قطعی سے ثابت ہو یا دلیل ظنی سے''۔

احکامِ واجب:-

1- مکلّف پر اِس کا اعتقاد لازم وضروری نہیں بلکہ ظنی ہے۔اگر اِس کا اِنکار کر دے تو اِس سے کفر لازم نہیں آتا۔البتہ فسق لازم آتا ہے۔

2- مکلّف کے لئے اِس پر عمل ہر طور سے لازم ہوتا ہے کیونکہ عمل کے لئے دلیلِ قطعی کا ہونا ضروری نہیں بلکہ دلیلِ ظنی بھی کافی ہے۔

3- اگر مکلّف اِسے حقیر تصور کرتے ہوئے اِس کا ترک کرے گا تو اِس سے کفر لازم آئے گا۔

4- اگر کسی نے تاویل کی بنیاد پر اِسے ترک کیا تو اِس سے فسق لازم نہیں آئے گا۔

5- مکلّف اِس کے ترک پر عتابِ (عذاب) شدید کا مستحق ہوگا۔

6- اِس کے ترک سے عمل باطل نہیں ہوتا بلکہ اِس کا وجود باقی رہتا ہے۔البتہ اِس کمی کا ازالہ درجِ ذیل امور سے کیا جاسکتا ہے۔

1- اعادہ 2- نماز میں سجدہ سہو 3- فدیہ مثلاً احکام حج کے ترک واجب پر۔

فرض و واجب کے ثابت ہونے کے ذرائع و الفاظ:-

سوال :29:-''فرض و واجب'' کے ثابت ہونے کے ذرائع اور اس پر دلالت کرتے الفاظ جو قرآن و احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔اُن الفاظ کو مثالوں کے ذریعہ واضح کیجئے؟

جواب :-فرض و واجب کے ثبوت کے ذرائع ایک جیسے ہیں سوائے اس کے کہ''فرض'' دلیلِ قطعی سے جبکہ''واجب'' دلیلِ ظنی سے ثابت ہوتا ہے!

1- لفظ''**فرض**''!

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ(النور۔ 1)

''یہ ایک (عظیم) سورت ہے جسے ہم نے اُتارا ہے اور ہم نے اس کے (احکام) کو فرض قرار دیا ہے اور اس میں کھلی اور واضح نشانیاں نازل کی ہیں تاکہ تم یاد رکھو''۔

اِس آیت میں لفظ ''فَرَضۡنٰهَا'' قرآن کی سورۃ کے احکام کی فرضیت پر دلالت کرتا ہے۔

2- لفظ ''کُتِبَ''

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ (البقرہ۔ 183)

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے''۔

اِس آیت میں لفظ ''کُتِبَ'' روزے کی فرضیت پر دلالت کرتا ہے۔

3- لفظ ''**اَمر**'':۔

اِنَّ اللّٰهَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهۡلِهَا (النساء۔ 58)

''بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اُن ہی لوگوں کے سپرد کرو جو اُن کے اہل ہیں''۔

اِس آیت میں ''یَاۡمُرُکُمۡ'' کا لفظ امر (حکم) پر دلالت دیتا ہے۔

4- لفظ ''قَضٰی''

وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا (اسراء۔ 23)

''اور آپ کے رب نے حکم فرمایا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور والدین کے ساتھ احسان (بھلائی) کرو''۔

اِس آیت میں لفظ ''قَضٰی یعنی فیصلہ کر دیا'' صرف اللہ ہی کی عبادت اور والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔

5- صیغۂ ''**اَمر**''

i- وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ (البقرہ۔ 110)

نماز قائم (کیا) کرو اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو'

ii- یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰکُمۡ (البقرہ۔ 254)

''اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو''۔

اِن آیات میں الفاظ ''اَقِیۡمُوۡا، وَ اٰتُوا، اَنۡفِقُوۡا امر کے صیغے ہیں۔ جن سے نماز، زکوٰۃ اور انفاق کی فرضیت ثابت ہو رہی ہے۔

اسی لئے اصولیین (فقہا) کا مشہور قول بھی ہے! اَلْاَمْرُ لِلْوُجُوْبِ، یعنی امر مطلقاً وجوب (فرض اور واجب) دونوں کے لئے ہوتا ہے۔

6- **اِسمِ فعل** بمعنی اَمر:۔

i- یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ (المائدہ ۔105)

''اے ایمان والوتم اپنی جانوں کی فکر کرو''

ii-'' عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَۃَ (الحدیث) ''تم جماعت کو لازم پکڑو''۔

اِس آیت اور حدیث دونوں میں لفظ'' عَلَیْکُمْ'' اسم فعل ہے جو امر (حکم) کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور وجوب (فرض وواجب) پر دلالت کرتا ہے۔

7- مصدر بطورِ فعلِ امر :۔

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ (مُحَمَّد۔ 4)

''پس (اے مسلمانو!) جب تمہارا مقابلہ کافروں سے ہو تو ان کی گردنیں اُڑادو''

اِس آیت میں مصدر '' ضَرْبَ ، فعلِ امر، اِضْرِبُوْا'' کی جگہ استعمال ہوا ہے۔ چونکہ فعلِ امر سے وجوب ثابت ہوتا ہے لہٰذا مصدر سے بھی وجوب ثابت ہوگا۔

8- بیانِ سزا :۔

وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِہٖ جَھَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا o (النسآء۔ 115)

''اور جو شخص مسلمانوں کی راہ سے جُدا راہ کی پیروی کرے تو ہم اُسے اُسی (گمراہی) کی طرف پھیرے رکھیں گے جدھر وہ (خود) پھر گیا اور (بالآخر) اُسے دوزخ میں ڈالیں گے''۔

چونکہ فرض وواجب کے ترک پر سزا ہوتی ہے اور اِس آیت میں مسلمانوں کی راہ ترک کرنے پر سزا کا بیان، سزا کی فرضیت اور وجوب کو ثابت کرتا ہے۔ گویا اُس آیت سے مسلمانوں کے طریق کی اتباع کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔

9- **اسالیبِ لغت، لفظ'' عَلٰی''** بمعنی اَمر:۔

وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلاً (آل عمران۔ 97)

''اور اللہ کے لئے لوگوں پر اُس گھر کا حج فرض ہے، جو بھی اُس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو''۔

اِس آیت میں ''لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ'' میں لفظ عَلٰی بمعنی امر حج کرنے کی فرضیت پر دلالت کرتا ہے۔

14- تقسیماتِ فرض وواجب

سوال:30:۔فرض وواجب کی تقسیمات کیا ہیں اور اُن میں تقسیم اول کے متعلق وضاحت سے بیان کیجئے؟

جواب:۔فرض وواجب (وجوب) کی مختلف جہات سے متعدد تقسیمات ہیں جو درج ذیل ہیں!

تقسیمِ اول:۔(ادائیگی وقت کے اعتبار سے) i- مطلق ii- مقید یا موقت

تقسیمِ ثانی:۔(تعین مقدار کے اعتبار سے) i- محدد ii- غیر محدد

تقسیمِ ثالث:۔(فعلِ تکلیف کے اعتبار سے) i- عینی ii- کفائی

تقسیمِ رابع:۔(تعینِ فعل کے اعتبار سے) i- معین ii- مخیّر

تقسیم اول:۔وقت یا زمانہ کی ادائیگی کے اعتبار سے وجوب (فرض وواجب) کی دو قسمیں ہیں!

1- وجوبِ مطلق 2- وجوبِ مقید

1- **وجوبِ مطلق (تعریف)**:۔

هو ما طلب الشارع فعله ولم يعين وقتاً لأ دائماً (وهبه زحيلى .الوجيز)

''وجوبِ مطلق سے مراد وہ فعل ہے شارع جس کے کرنے کا حتمی (قطعی) اور لازمی مطالبہ کرے، اُس کی ادائیگی کے لئے وقت متعین نہ ہو''۔مثلاً کفارہ حج، قضا رمضان، کفارۂ قسم یہ سب مکلّف کے لئے لازمی ہیں۔

حکمِ وجوبِ مطلق:۔

1- مکلّف جب چاہے ادا کرے۔

2- جب فعل بجالائے گا ادا ہی ہوگا قضاء نہیں۔

3- تاخیر کرنے سے گناہ گار نہیں ہوتا۔

4- البتہ جلدی ادا کر لینا بہتر ہے کیونکہ موت کا علم نہیں۔

2- **وجوبِ مقید یا موقت (تعریف)**:۔

هو ما طلب الشارع فعله حتما فى وقت معين (وهبه زحيلى .الوجيز)

''وجوبِ مقید سے مراد وہ فرض یا واجب ہے، شارع جس کے ادا کرنے کا حتمی مطالبہ معین وقت میں کرے''۔مثلاً نمازِ پنجگانہ، رمضان کے روزے وغیرہ۔ اِن تمام کی ادائیگی کے لئے وقت مقرر ہے، پہلے یا بعد ادا نہیں ہوتے۔

وجوبِ مقید کی اقسام :۔ i- **وجوبِ موسّع** ii- **وجوبِ مضیّق** iii- **شبہین**

i- **وجوبِ موسّع :۔**

وھو الذی یکون وقتہ الذی اقتہ الشارع لہ یسعہ ویسع غیرہ من جنس۔

''وجوبِ موسّع سے مراد وہ فعل ہے جس کے لئے شارع نے اتنا وسیع وقت مقرر کیا ہو جس میں اِس فعل کے علاوہ اِس جنس کے دوسرے افعال کی ادائیگی بھی ممکن ہو۔''وجوبِ موسّع کو''ظرف'' بھی کہتے ہیں''۔

مثلاً ! ظہر کی نماز کا وقت اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ اِس میں ظہر کی نماز کے علاوہ دوسری نماز قضا یا نوافل نمازیں بھی ادا کی جاسکتی ہیں۔ نیز مکلّف ظہر کے جس حصہ میں چاہے نمازِ ظہر ادا کرسکتا ہے۔

حکم :۔ معین نیت ضروری ہے۔مثلاً نماز کی نیت میں تخصیص (خاص) کرے کہ یہ قضا ہے یا ادا ہے، سنت یا نفل یا فرض وغیرہ۔

ii- **وجوبِ مضیّق :۔**

وھو الذی یکون وقتہ المحدد لہ یسعہ وحدہ ولا یسع غیرہ من جنسہ

''وجوبِ مضیّق سے مراد وہ فعل ہے جس کے لئے شارع نے محدود وقت مقرر کیا ہو جس میں اِس کے علاوہ اُس جنس کے دوسرے افعال کی ادائیگی ممکن نہ ہو''۔وجوبِ مضیّق کو''معیار'' بھی کہتے ہیں۔مثلاً ''رمضان کا مہینہ'' اِس میں صرف رمضان کے فرض روزے ہی رکھے جاسکتے ہیں۔ رمضان کے علاوہ نفل یا قضا روزے اِس مہینے میں نہیں رکھے جاسکتے۔

حکم:۔ مطلق نیت یعنی صرف روزہ کی نیت ہی کافی ہے۔تعین یعنی رمضان کے فرض روزہ وغیرہ کہنا ضروری نہیں۔ اگر رمضان میں نفل یا قضا روزہ یا نذر یا قسم وغیرہ کے روزہ کی نیت کی گئی تب بھی رمضان کا ہی روزہ شمار ہوگا۔

iii- **وجوبِ ذو شبہین :۔**

وھو الذی لا یسع وقتہ غیرہ من جھۃ و سع غرہ من جھۃ اخری.

''وجوبِ ذو شبھین سے مراد وہ فعل ہے جس کے لئے شارع نے جو وقت معین کیا ہو اِس میں اِس فعل کے علاوہ اِسکی جنس کا دوسرا فعل ایک اعتبار سے ادا کرنا ممکن ہو جب کہ دوسرے اعتبار سے اِس کا ادا کرنا ممکن نہ ہو۔مثلاً !

حج کے مہینہ میں صرف ایک ہی حج ادا کیا جا سکتا ہے دوسرا نہیں تو یہ ''واجب مضیّق'' مشابہ ہے اور ایک دوسرے اعتبار سے دیکھیں تو مناسک حج اِس حج کے مہینہ کے تمام اوقات (دنوں) کا احاطہ نہیں کرتے بلکہ جز (پانچ دنوں) میں ادا ہو جاتے ہیں تو یہ ''واجب موسّع'' کے مشابہ ہے۔مکلّف پر عمر کے کسی سال میں ایک ہی حج ادا کرنا ''فرض'' ہے۔ (وھبہ زحیلی ۔اصول الفقہ)

سول: 31 :۔ ''وجوبِ مقید موسّع'' کی اہمیت کے پیشِ نظر اِس پر مزید وضاحت سے روشنی ڈالئے ؟

جواب:۔ مقید موسّع کی مزید وضاحت :۔

تعریف:۔ وہ وقت جو ادائیگی واجب سے زائد ہو اور مکلّف کو اجازت ہو کہ وہ جب چاہے واجب (فرض) ادا کرے جیسے اوقاتِ نماز۔علمائے احناف کے ہاں ایسا زائد وقت ''ظرف'' کہلاتا ہے۔

اگر کسی نے اولِ وقت سے آخر تک نماز طویل کر لیتا ہے تو ایسی صورت میں وقتِ نماز کے لئے ''معیار'' ہو جائے گا نہ کہ ''ظرف''۔

مقید موسّع کے احکام :۔

1- یہ وقت اُس وجوب کے لئے سبب (علامت) بنتا ہے۔اِس لئے اسے سببِ وجوب بھی کہا جاتا ہے۔

2- یہ وقت صحتِ وجوب (فرض و واجب) کے لئے شرط ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ واجب یا فرض وقت سے پہلے ادا نہیں ہو سکتا۔

3- مکلّف اِس کو وقت کے جس جز (حصہ) میں چاہے ادا کر سکتا ہے۔

4- چونکہ اِس وقت میں غیر واجب کی بھی گنجائش ہوتی ہے۔اِسی لئے واجب یا فرض کی نیت ضروری ہے۔

وجوب کے دو پہلو :۔ وجوب دو طرح پر ہوتا ہے!

1- نفسِ وجوب 2- وجوبِ ادا

نفسِ وجوب :۔ اشتغال ذمۃ المکلف بشیءٍ (مکلّف پر کسی ذمہ داری کا آ جانا ''نفسِ وجوب'' ہے)۔مثلاً !

مہر، نکاح ہوتے ہی مرد کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے۔ یہ ذمہ داری ''نفسِ وجوب'' ہے حالانکہ ادائیگی مہر اسی وقت لازم ہوگی جب عورت مطالبہ کرے، یہ مطالبہ وجوبِ ادا ہے۔

وجوبِ ادا :۔ لزوم تفريغ الذمة عما تعلق بها (ذمہ داری کی ادائیگی کا مطالبہ ''وجوبِ ادا'' کہلاتا ہے)۔مثلاً !

قرض، کی ادائیگی اس کے مطالبہ ادائیگی پر ہی ہوگی۔ یہ مطالبہ ''وجوب ادا'' ہے۔حالانکہ قرض کی واپسی کی ذمہ داری قرض لیتے ہی شروع ہوگی۔ یہ ذمہ داری ''نفسِ وجوب'' ہے۔

ایک اہم نکتہ:۔

وجوبِ مقید موسّع کی تعریف کے لحاظ سے وقت کا واجب کے لئے ''سببِ وجوب'' اور اسی کی صحت کے لئے ''شرط'' ہونا تو متفق علیہ ہے یعنی سب کا اس پر اتفاق ہے لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ ''وقت'' موسّع کا وہ کون سا جز (حصہ) ہے جس میں خطاب شارع، وجوبِ ادا کے لئے متوجہ ہوتا ہے!

1- **جمہور علماء کا قول** :۔(i) شیخ محمد خضریؒ کی تحقیق کے مطابق جمہور علماء کے نزدیک وقت کا ''جز اول'' سبب ہوتا بشرطیکہ مانع نہ ہو۔ کیونکہ جز اول ہی اس بات پر علامت (سبب) ہوتا ہے کہ اب خطاب متوجہ ہوا ہے۔

دلیل:۔قرآن نے اوقاتِ نماز بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے! اَقِمُ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ (سورج ڈھلتے ہی نماز قائم کرو) اس آیت سے واضح ہے کہ سورج ڈھلنے کے وقت ہی خطاب ادائیگی (وجوب ادا) کے لئے متوجہ ہو جاتا ہے۔

☆ جمہور علماء کے اِس قول کے مطابق ''نفسِ وجوب'' اور ''وجوبِ ادا'' دونوں نماز کا وقت شروع ہوتے ہی مکلّف کو لاحق ہو جاتے ہیں اور یہ کہ اگر کوئی صحت مند آدمی وقت کے اندر فوت ہو گیا حالانکہ اس نے واجب ادا نہیں کیا تھا تو گنہگار رہو گا۔

(ii) ڈاکٹر صلاح زیدؒ کی تحقیق کے مطابق جمہور علماء کے نزدیک جمیع (تمام) وقت ''سبب'' ہوتا ہے یعنی ادائے واجب کا وقت تمام وقت ہے، اب مکلّف اِس میں سے جس جز (حصہ) میں چاہے وجوب کی ادائیگی کرے۔

دلیل :۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اوقاتِ نماز کے بارے میں عرض کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء وانتہائے وقت بیان کر کے فرمایا! ''اِسکے درمیان تمام وقت نماز کا وقت ہوتا ہے''۔

2-علمائے احناف کا موقف:۔اِس بارے میں علمائے احناف کے نزدیک چار صورتیں ہیں!

i- جب واجب یا فرض وقت سے پہلے فوت ہو جائے یعنی وقت کے اندر ادا نہ ہو سکے تو ''جمیع (تمام) وقت'' سبب بنے گا۔یہی وجہ ہے کہ کل کی عصر کی قضا آج اصفرارِ شمس (عصر کے وقت میں) ادا نہیں کی جاسکتی اِس لئے کہ وہ (کل کی نمازِ عصر) لازم کامل ہوئی تھی اب ناقص قضا نہیں ہوسکتی کیوکہ یہ کامل کا لازم آنا اسی وقت ہے جب تمام وقت کوسبب کہا جائے گا۔

ii- **جزءِ اول**:۔اگرادائیگی واجب یا فرض اولِ وقت میں ہوئی تو وہ ہی وقت سبب بن جائے گا بلکہ جزء اول کا سبب بنناہی اولیٰ ہے۔

iii-**جزءِ متصل**:۔اگر مکلّف نے اولِ وقت میں فعل ادا نہیں کیا تو جب ادا کرے گا اِس کا پہلا ''جزء متصل'' سبب قرار پائے گا۔

iv- **جزءِ اخیر**:۔اگر مکلّف نے فعل ادا نہیں کیا یہاں تک کہ وقت تنگ ہو گیا تو اب ''جزء اخیر'' ہی سبب ہوگا۔''جزء اخیر'' میں پھر دو قول ہیں!

1- امام زفرؒ کا قول:۔امام زفرؒ کے نزدیک ''جزء اخیر'' سے مراد اتنا وقت ہے جس میں وہ وجوب (واجب یا فرض) ادا کرلیا جاسکے۔

2- دیگر احناف (علماء) کی رائے:۔اُن کے نزدیک ''جزء اخیر'' سے مراد اتنا وقت ہے جس میں صرف تکبیر تحریمہ کہی جاسکے۔

خلاصہ :۔اِن اقوال کا یہ ہے کہ جب کوئی کافر ظہر کے آخری وقت میں مسلمان یا کوئی بچہ بالغ ہو گیا تو امام زفرؒ کے نزدیک اگر اتنا وقت پالیا کہ ظہر کی نماز ادا کی جاسکتی تھی تو اس پر قضا لازم ہوگی اور اگر اتنا وقت نہیں تھا تو قضا لازم نہ ہوگی۔جبکہ دیگر علمائے احناف کے نزدیک اگر تکبیر تحریمہ کا ہی وقت تھا تو قضا لازم ہوجائے گی۔ **(الحکم الشرعی التکلیفی)**

تقسیمِ ثانی: (تعینِ مقدار کے اعتبار سے):۔

سوال:32:۔تعینِ مقدار کے اعتبار سے وجوب کی تقسیم ثانی وجوب سے متعلق وضاحت کے ساتھ بیان کیجئے؟

جواب:۔نفسِ مقدار کے اعتبار سے وجوب کی دو اقسام ہیں!

1- وجوب محدّ د   2- وجبِ غیر محدود

1- **وجوبِ محدّد**:۔هو ما عين الشارع له مقدارا معلوما

(اصول الفقه الاسلامی. زحیلی)

''وجوبِ محدّ د سے مراد وہ فرض یا واجب ہےجس کی شارع نے مقدار مقرر کر دی ہو۔ مثلاً نمازوں اوران کی رکعتوں کی تعداد، نصاب ومصارف زکوٰۃ، اِن میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔

حکم:۔یہ وجوب (فرض یا واجب) اُس وقت تک ادا نہیں ہوتا جب تک مکلّف شارع کی مقرر کردہ حدود، صفات اور مقدار کے مطاق ادا نہ کرے، جیسے نماز کی معین رکعات، اِس کے ارکان وشرائط کے ساتھ ادائیگی ضروری ہے، اِسی طرح زکوٰۃ کی مقدار معینہ، نصاب کے پائے جانے پر ادائیگی ضروری ہے۔

2- **وجوب غیر محدّد**:۔وهو مال ما يعين له الشارع قدراً محدوداً

(اصول التشریع الاسلامی)

''وجوب غیر محدّ د سے مراد وہ فرض یا واجب ہے کہ شارع نے جس کی مقدار متعین نہ کی ہو''۔مثلاً اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا، نیکی پر تعاون، بھوکے کو کھانا کھلانا، زوجہ کا نفقہ۔یہ ایسے احکام ہیں کہ شارع (اللہ ورسول) نے اُن کی مقدار متعین نہیں کی بلکہ یہ ضرورت اور ستطاعت کے مطابق متعین ہوتے ہیں۔

علمائے اصول نے اِن دونوں اقسام کی مثال قرآن کی آیت ''برّ'' (البقرہ۔177) سے مستنبط کی ہےجس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

'' نیکی فقط مشرق و مغرب کی طرف منہ کرلینا نہیں بلکہ نیکی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ،یوم قیامت، ملائکہ، کتاب اور تمام انبیاء پر ایمان لایا جائے۔اللہ تعالیٰ کی محبت میں قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مساکین، مسافر، سائلین اور غلاموں کی آزادی کے لئے مال خرچ کیا جائے۔قیام نماز اور ادائیگی زکوٰۃ کا فریضہ نبھایا جائے۔'' (البقرہ ۔177)

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ وجوبِ زکوٰۃ (وجوب محدد) اور قریبی رشتہ داروں، یتیم، مساکین پر انفاق (وجوب غیر محدد) کو جمع فرمادیا ہے۔

حکم:۔اِس وجوب غیر محدد کا ذمہ لازمی نہیں ہوتا اور نہ ہی اِس کا تقاضا صحیح ہے۔یعنی وجوبِ غیر محدود میں

مطلوب مکلّف کے ذمہ بطور قرض لازم ہوتا ہے اور اِس کا تعین قضاء اور رضائے فریقین سے پہلے اگر چہ نہیں ہوتا مگر ان کے بعد ہو جاتا ہے۔

اھم نکتہ:۔

نفقہ زوجہ (Maintanance Allowance of Spouse) کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ واجب محدّد میں شامل ہے یا غیر محدد میں!

علمائے احناف کی رائے یہ ہے کہ یہ وجوب غیر محدّد میں شامل ہے۔ کیونکہ قضاء قاضی سے پہلے اِس کا تعین نہیں ہوتا اِس لئے یہ خاوند (Husband) کے ذمہ بطور قرض لازم نہ ہوگا۔ اور وہ خاتون (Wife) سابقہ مدت کے نفقہ کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔

جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ وجوب محدّد ہے لہٰذا زوجہ کا نفقہ بطور قرض خاوند کے ذمہ ہوگا۔ اور سابقہ مدت کا نفقہ بھی ادا کرنا ہوگا بشرطیکہ اِس میں زوج (بیوی) کا قصور نہ ہو۔ رہا یہ کہ اِس کی مقدار معین نہ تھی تو اِس کے جواب میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اِس کی مقدار حال خاوند (شوہر کی استطاعت) کے مطابق ہوگی۔

چنانچہ امام شاطبیؒ کا قول ہے!

شارع نے اوامر ونواہی غیر محدّد میں تعین وتجدید کا حق مکلّف کو دیا تاکہ وہ حالاتِ اشخاص اور اوقات کے پیشِ نظر بہتر فیصلہ کرسکے۔ گویا یہ شریعت کی حکمتِ عظیمہ ہے۔ (الموافقات)

تقسیمِ ثالث (مطلوب وتکلیف کے اعتبار سے):۔

سوال: 33:۔مطلوب وتکلیف کے اعتبار سے تقسیم وجوبِ ثالث کے متعلق وضاحت کے ساتھ بیان کیجئے؟

جواب:۔مطلوب وتکلیف کے اعتبار سے وجوب (فرض وواجب) کی دو قسمیں ہیں!

1- وجوبِ عینی 2- وجوبِ کفائی

1- **وجوبِ عینی**:۔ھو ما طلب الشارع فعلہ من کل مکلف علی حدۃ ولا یجزی قیام مکلف بہ عن اٰخر۔ (اصول التشریع الاسلامی)

''وجوبِ عینی سے مراد وہ وجوب ہے جس کے حصول کا شارع نے ہر مکلّف سے علیحدہ مطالبہ کیا ہو اور کسی ایک کے ادا کرنے سے دوسرے کی طرف سے ادائیگی کافی نہ ہو'' مثلاً!

نماز، روزہ، زکوٰۃ، محرمات سے بچنا وغیرہ۔ یہ ایسے افعال ہیں جو ہر مکلّف کو بذاتِ خود ادا کرنے پڑتے ہیں اور کسی دوسرے شخص کی طرف سے ادا کرنے سے ادائیگی کافی نہیں ہوتی یعنی دوسرے شخص سے اس کی ادائیگی کا مطالبہ ساقط نہیں ہوگا''۔

حکم:۔ اِس کی ادائیگی ہر مکلّف پر لازم ہے۔

نوٹ:۔ بعض واجبات عینی ہیں مگر اِن کا تعلق فقط ذاتِ واحد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ مثلاً! نمازِ تہجد آپؐ پر فرض ہے اور نمازِ چاشت آپؐ پر واجب ہے۔ باقی کسی فرد پر فرض یا واجب نہیں، ہاں مگر وہ سنت ونفل ہے۔

2- **وجوبِ کفائی**:۔ هو ما طلب حصوله من غير نظر الى من يفعله و انما يطلب من مجموعة المكلفين. (وهبة الزحيلى .الوجيز)

''وجوبِ کفائی سے مراد وہ فرض یا واجب ہے جس کے حصول کا مطالبہ عمومی ہو۔ قطع نظر اِس کے کہ کون کر رہا ہے بلکہ اِس کا مطالبہ مکلفین سے مجموعی طور پر ہو''۔ مثلاً جہاد، نمازِ جنازہ، قضا وافتاء، تبلیغِ امر بالمعروف ونہی عن المنکر، عالم دین بنانا، انجینئر یا ڈاکٹر بنانا، ہسپتال قائم کرنا وغیرہ۔

حکم:۔ وجوبِ کفائی کی ادائیگی مجموعی طور پر لازم ہے یعنی مکلفین میں سے اگر کسی ایک یا چند لوگوں نے بھی کر دیا تو باقی مکلفین سے اس کا مطالبہ اور گناہ ساقط (ختم) تو ہو گیا، مگر ثواب سے محروم ہو گئے۔

نوٹ:۔ اگر کسی شخص کو اِس وجوبِ کفائی کے ادا کرنے پر مقرر کر دیا جائے تو وہ اِس کے لئے وجوبِ عینی بن جاتا ہے۔ اِسی طرح اگر اِس کے علاوہ وہ کام (فعل) کرنے والا دوسرا کوئی نہ ہو تو وہ کام بھی اُس پر وجوبِ عین ہو جاتا ہے۔

۔ گویا وجوبِ عینی میں فعل اور فاعل دونوں مقصود ہوتے ہیں اور وجوبِ کفائی میں صرف فعل مقصود ہوتا ہے فاعل نہیں۔ کیونکہ فرضِ کفایہ میں شریعت کا مقصد مصلحت کا حصول ہے لہٰذا کسی ایک شخص کے ذریعہ بھی وہ مصلحت حاصل ہو جاتی ہے تو دوسروں کو تکلیف دینے کی ضرورت نہ رہی۔

تقسیمِ رابع (تعین فعل کے اعتبار سے)

سوال:34:۔ تعین فعل کے اعتبار سے تقسیم رابع وجوب سے متعلق وضاحت کیجئے؟

جواب:۔ تعین فعل کے اعتبار سے وجوب (فرض وواجب) کی دو قسمیں ہیں!

1-وجوبِ معین 2- وجوبِ مخیّر

1- **وجوبِ معین**:۔ وھو ما طلب الشارع بعینہ من غیر تغییر بین افراد مختلفہ (اصول التشریع الاسلامی)

''وجوبِ معین سے مراد وہ فرض یا واجب ہے جس میں شارع (کتاب وسنت) مکلّف سے ایک معین چیز کا مطالبہ کرے، مکلّف کو مختلف چیزوں کے درمیان اختیار نہ دے''۔مثلا

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، مزدور کی اُجرت وغیرہ ایسے فرائض ہیں جو شارع کی طرف سے معین اور مقرر ہیں۔مکلّف اُن کی جگہ کوئی دوسرا فعل اُن کے قائم مقام کے طور پر ادا نہیں کرسکتا یعنی نماز کی جگہ کوئی دوسرا فعل۔مثلاً صدقہ زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔بلکہ معین فعل کو ہی ادا کرنا پڑے گا۔

حکم:۔مکلّف صرف فعل معین کو ادا کرنے سے ہی بری الذمہ ہوتا ہے۔

2- **وجوبِ مخیّر** :۔ھو ما طلبہ الشارع لا بعینہ ،ولکن ضمن امور معلومۃ و للمکلف ان یختار واحدا منا لا داء ھذا الواجب

''وجوبِ مخیّر سے مراد وہ فرض یا واجب ہے جس میں شارع صرف ایک معین چیز کا مطالبہ نہ کرے بلکہ شارع کا مطالبہ چند چیزوں پر مشتمل ہو اور مکلّف کو اُن چیزوں میں سے کسی بھی ایک کے کرنے کا اختیار ہو۔مثلاً قسم (Oath) کے کفارہ میں قرآن میں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں!

(1) دس مسکینوں کو کھانا کھلانا (2) دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا (3) غلام کو آزاد کرنا۔

مکلّف کو اختیار ہے کہ کسی بھی ایک امر کو ادا کرلے تو کفارہ ادا ہو جائے گا۔

فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ(المائدہ۔ 89)

حکم:. ''شارع نے جن اُمور میں اختیار دیا ہے مکلّف پر اُن میں سے صرف کسی ایک کی ادائیگی فرض یا واجب ہے۔اگر ایک کو بھی ادا نہیں کیا تو گنہگار رہو گا اور مستحق سزا ہو گا۔

15-وجوب،(فرض یا واجب) کے بجا لانے (ادائیگی) کی صورتیں:۔

سوال:35:۔وجوب کے بجالانے کی صورتوں کی تعریفات اور اُن کی ادائیگی کی وضاحت کیجئے؟

جواب:۔وجوب کی بجالانے کی چار صورتیں ہیں!

1- تعجیل 2- اداء 3- قضاء 4-اعادہ

1- **تعجیل**:۔ اِس سے مراد کسی جوب (فرض یا واجب) کا اس کے وقت سے پہلے اجازتِ شارع سے ادا کرنا مثلاً!

صدقۂ فطر۔ احناف کے ہاں اس کا وقت یوم العید الفطر کی طلوع فجر ہے اور دیگر ائمہ کے ہاں اس کا وقت رمضان کا غروبِ آفتاب ہے۔

2- **اداء**:۔ اداءِ فعل سے مراد کسی فعل کا اس کے وقتِ شرعی مقرر میں ہی پہلی دفعہ بجا لانا بشرطیکہ وہ اس فعل کو خلل کے ساتھ ادا نہ کیا ہو۔

اداء کے لئے فعل کی کتنی مقدار ضروری ہے؟

۔شوافع کے ہاں کم از کم وقت کے اندر ایک رکعت کی ادائیگی شرط ہے۔

احناف کے نزدیک ابتداءِ فعل کی لئے تکبیر تحریمہ کی ادائیگی ادا کے لئے کافی ہے۔

3- **قضاء**:۔ اس سے مراد ہے کہ ہر وہ عبادت جسے وقتِ اداء کے بعد ماسبق (اُس عبادت) کے ازالہ کے لئے بجالایا جائے۔

اس تعریف سے ہر وہ فعل ''قضاء'' کی تعریف میں شامل کرنا مقصود ہے جو وقتِ اداء سے مؤخر (بعد) ہوا ہے خواہ اس کا سببَ عمد (عمداً) تھا یا سہواً۔ خواہ وہ اس فعل پر قادر تھا۔ یا وہ فعل مانع تھا۔ مثلاً، مسافر یا کسی سبب قادر نہ تھا۔ اور مانع دو طرح کا ہوسکتا ہے مانع شرعی جیسے حیض۔ مانع عقلی جیسے نوم (نیند)۔

4- **اعادہ**:۔ احناف کے نزدیک اعادہ کی تعریف یوں ہے کہ کسی فعل کا دوبارہ اسلئے کرنا کے سابقہ فعل میں کوئی ایسا خلل واقع ہوگیا تھا جس نے اس فعل کو فاسد نہیں کیا تھا۔ مثلاً نماز میں (حنفی مسلک کے مطابق) ترکِ سورۃ فاتحہ۔

دیگر علماء نے اعادہ کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے ''کسی عارضہ کی بناء پر وقت کے اندر فعل کو دوبارہ ادا کرنا۔

اداء اور قضاء کی تقسیم:۔

علمائے احناف نے ادا کی دو اقسام بیان کی ہیں!

1-اداءِ محض 2- اداء مشابہ بالقضاء

1- **اداءِ محض**:۔اس سے مراد وہ اداء فعل ہے جس کی قضاء کے ساتھ کسی قسم کی مشابہت نہ ہو، نہ تغیرِ وقت کے لحاظ سے اور نہ التزام کے لحاظ سے۔اداءِ محض کی مزید دو قسمیں ہیں!

i- اداءِ کامل ii- اداءِ قاصر

i- **اداءِ کامل**:۔ اس سے مراد ہر وہ اداءِ کامل جسے شریعت کے مقرر کردہ طریق کے مطابق بجالایا گیا ہو۔مثلاً صلوٰۃ باجماعت ادا کرنا۔

ii- **اداءِ قاصر**:۔ اس سے مراد ہر وہ اداء ہے جسے شریعت کے مقرر کردہ طریق کے مطابق بجا نالایا گیا ہو بلکہ اس میں کوئی کمی کردی گئی ہو۔مثلاً فرض نماز منفرداً (تنہا) ادا کرنا۔

2- **ادا مشابہ بالقضاء**:۔اس سے مراد ہر وہ اداء جس کی قضاء کے ساتھ کوئی نہ کوئی مشابہت ہو۔مثلاً امام کے جماعت سے نماز ادا کرنے کے بعد''لاحق'' کا فعل (نماز) ادا کرنا۔''لاحق'' کا اتمام وقت کی بقاء کی وجہ سے''اداء'' ہے مگر التزام کے لحاظ سے''قضاء'' ہے کیونکہ''لاحق'' نے اس طرح نماز ادا نہیں کی جس طرح اس نے امام کے ساتھ التزام کیا تھا۔

نوٹ:۔''لاحق'' اس مقتدی کو کہتے ہیں جو امام کے ساتھ تحریمہ میں شریک ہوا مگر درمیان میں کسی عارضہ کی وجہ سے اس نے دوبارہ وضو کیا اور نماز پوری کی۔

قضاء کی قسمیں:۔علمائے احناف نے قضاء کی بھی دو اقسام بیان کی ہیں!

1-قضاءِ محض 2- قضاءِ مشابہ الاداء

1- **قضاءِ محض**:۔اس سے مراد وہ قضاءِ محض ہے جس میں معنی اداء نہ حقیقتاً ہوا اور نہ حکماً۔
قضاءِ محض کی مزید دو قسمیں ہیں!

i-قضاء بمثلِ معقول ii- قضاء بمثلِ غیر معقول

i- **قضاء بمثل معقول**:۔اس سے مراد وہ قضاء ہے جس کی مماثلت کا ادراک قطع نظر شریعت کے (شریعت سے ہٹ کر) عقلاً ہو سکے۔مثلاً روزہ کے عوض روزہ۔

ii- **قضاء بمثل غیر معقول**:۔اس سے مراد وہ قضاء ہے جس کی مماثلت شرعاً ہو۔مثلاً روزہ کے عوض (بدلے) فدیہ۔

نوٹ:۔شرعاً مماثلت کا معنی یہ ہے کہ عقل اس مماثلت کے ادراک (پہچان) سے قاصر ہوتی ہے۔یہ

مطلب نہیں کہ عقل اس مماثلت کی نفی کرتی ہو۔ یہی ملاّ جیونؒ کا قول بھی ہے۔

2- **قضاء مشابہ بالاداء** :۔اس سے مراد ایسی قضاء جس میں معنی اداحکماً موجود ہو۔مثلاً عید کی نماز کی تکبیرات کا رکوع میں بجالانا۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی عید کی نماز میں امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہوا۔ ایسے شخص پر تکبیرات رکوع میں کہنا واجب ہے۔

نوٹ :۔دیگر علماء نے قضاء کی مذکورہ دوقسموں میں تقسیم مماثلت اور تقسیم وجوب اداء اور عدم اداء کے لحاظ سے چار اقسام بیان کئے ہیں!

1- ایسی قضاء ہے جس کی اداء مکلّف کے ذمے فرض تھی مثلاً مکلّف نے عمداً بلاعذر نماز ظہر ترک کردی۔

2- ایسی قضاء ہے جس کی اداء لازم نہ تھی ہاں ممکن تھی۔مثلاً مسافر کا روزہ رکھنا۔

3- ایسی قضاء ہے جس کی اداء نہ عقلاً لازم تھی اور نہ ممکن۔مثلاً صلوٰۃ نائم (سونے والے کا نماز ادا نہ کرنا)۔

4- ایسی قضاء ہے جس کی ادا شرعاً نہ لازم اور نہ ہی ممکن ہو۔مثلاً صوم الحائض۔(حائضہ عورت کا روزہ نہ رکھنا)۔

16- سنت کا بیان

(Recommendation)

سوال:36:۔''سنت'' کے لغوی اور اصطلاحی تعریفات بیان کرو۔اور ''سنت'' کے اطلاق پر اختلاف اور ان کے دلائل پر روشنی ڈالئے؟

لغوی تعریف :۔

جواب: ۔سنت کے لغوی معنی طریقہ، دستور، عادت، طبیعت اور شریعت کے ہیں۔

سنت النبی سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور سنتُ اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا دستور اور طریقہ ہے۔مثلاً ! (اصولِ فقہ)

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللہِ تَحْوِیْلًا (فاطر۔43)۔

''اور اللہ کے دستور میں آپ کوئی تغیر نہ پائیں گے۔''

اصطلاحی تعریف:۔

1- السنة الطريقة المسلوكة فی الدين من غير افراضٍ ولا واجب۔

''سنت دین میں ایسا طریقہ ہے جو فرض اور واجب نہ ہو'' (بخاری)

مثلاً وضو میں بسم اللہ پڑھنا۔ اعضاءِ مغسولہ کو تین مرتبہ دھونا وغیرہ

2- ما ثبت بقوله عليه الصلوة والسلام او بفعله وليس بواجب ولا مستحب۔ (درمختار)

''جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے ثابت ہو اور واجب و مستحب بھی نہ ہو''۔

سنّت کے اطلاق:۔

احناف اور شوافع کا ''سنت'' کے اطلاق (مراد) کے بارے میں اختلاف ہے۔

بقول امام بزدویؒ کہ!

''ہم احناف کے نزدیک ''سنت'' کا اطلاق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ اور آپ ﷺ کے علاوہ صحابہ کرامؓ کے طریقہ پر بھی ہوتا ہے جبکہ شوافع (شافعی) کے نزدیک فقط نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہی ''سنّت'' کا اطلاق ہوگا''۔

احناف کا استدلال:۔

عليكم بسنتى و سنة الخلفاء الراشدين المهديين عضّوا عليها بالنواجذ

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حیان)

''تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنّت لازم ہے، تم اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو''۔

سنّت کا حکم:۔

1- ''آدمی سے سنت کو قائم کرنے کا ایسا مطالبہ کیا جاتا ہے جو کہ فرض و واجب نہیں ہوتا مگر چونکہ ہمیں اس طریقہ کو زندہ رکھنے کا حکم ہے لہٰذا اس کو چھوڑنے پر ملامت ہے''۔ (بزدوی۔ الاصول)

2- ما يُوجر على فعلهٖ ويلام على تركهٖ۔ (الدرالمختار)

''جس کے کرنے پر اجر اور چھوڑنے پر ملامت ہو''۔

مثلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''اُس کا وضو (کامل) نہیں ہوا جس نے اس پر ''بسم اللہ'' نہ پڑھی (یہاں وضو کے کمال کی نفی ہے نفسِ وضو کی نہیں)''۔

نـــوٹ :۔ احناف طلبِ فعل میں فرض اور واجب کے بعد ''سنت'' اور مندوب (مستحب و نفل) کو علیحدہ

علیحدہ ذکر کرتے ہیں اور اُن میں فرق کرتے ہیں جبکہ دیگر اصولیین (علمائے اصول) اس کی جگہ ''مندوب'' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں اور سنت، نفل، تطوع کو مندوب کے تحت بیان کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک یہ سب اصطلاحات ہم معنی ہیں۔

سوال: 37:۔ سنت کی بنیادی طور پر اقسام اور اُن کی تعریفات اور احکام کے متعلق واضح بیان کیجئے؟

جواب: سنّت کے اقسام:۔

بنیادی طور پر سنت کے دو تقسیمات ہیں!

1-باعتبارِ تاکید 2-باعتبارِ تکلیف (اصول فقه. الزحیلی)

اول۔ (باعتبارِ تاکید):۔ اسکی دو قسمیں ہیں!

1-سنت مؤکده (هدٰی) 2- سنت غیر مؤکده (زائده)

ثانی۔(باعتبارِ تکلیف):۔ اس کی دو قسمیں ہیں!

1- سنتِ عین 2-سنتِ کفایه

تقسیمِ اول:۔

3-سنت مؤکده (هدٰی):۔

''جس عمل کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دو مرتبہ کے علاوہ ہمیشہ بطور عادت کے اپنایا ہو اور اُس کی اقامت تکمیلِ دین کی خاطر ہو اور ترک، باعثِ کراہت و اساءت ہو۔ (القاموس الفقہی)

مثلاً! اذان، اقامت، نمازِ با جماعت نمازِ عید وغیرہ۔

حکمِ سنت مؤکده:۔

i- **ترکها یوجب اسائة و کراهة** (صدرالشریعہ)

''سنتِ مؤکدہ کو چھوڑنا موجبِ اساءت و کراہت ہے''۔

ii- سنتِ مؤکدہ کو ترک کرنا حرام کے قریب ہے۔ اس کا تارک شفاعت سے محروم ہوتا ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ''جس نے میری سنت چھوڑی وہ میری شفاعت نہیں پائے گا''

(تفتازانی)

iii- سنت موکدہ کا حکم یہ ہے کہ اس کو حاصل کرنا بہتر ہے اور اس کو چھوڑنے پر ملامت اور تھوڑا سا گناہ بھی ہے۔
(ابن عابدین)

iv- سنتِ مؤکدہ کا حکم واجب کی طرح ہے البتہ واجب کا تارک مستحقِ سزا ہے جبکہ سنت موکدہ کا تارک مستحقِ سزا نہیں، البتہ مستحقِ عتاب ہے۔ (دیگر فقہاء)

4- سنتِ غیر مؤکدہ (زائدہ) :-

i- الامور التی لم یواظب علیھا الرسول و انما فعلھا مرۃ او اکثر و ترکھا۔
(اصولِ فقہ)

''اس سے مراد وہ اُمور ہیں جن کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی نہ کی ہو یعنی اُن کو کبھی کیا ہو اور کبھی نہ کیا ہو۔ مثلاً عصر کی چار رکعات سنتِ غیر مؤکدہ فرض سے پہلے، پیر اور جمعرات کے روزے، عام حالات میں فقراء پر صدقہ کرنا۔

ii- جو عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بطورِ عبادت صادر نہ ہو بلکہ بطورِ عادت صادر ہو۔
مثلاً! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کھانے، پینے، چلنے، سونے اور پہننے میں اتباع کرنا اور ایسے تمام اُمور۔

حکم سنت غیر مؤکدہ:-

''اس کا کرنا بہتر اور چھوڑنے پر اساءت یا کراہت نہیں۔ اگر حضور ﷺ کی اتباع کی نیت سے اِن پر عمل کیا جائے تو باعثِ ثواب و قرب ہے''۔

نوٹ:-

1- از راہِ محبت، محبوب کی ہر بات چاہے وہ عبادتاً ہو یا عادتاً لازم ہوتی ہے۔ صوفیا چونکہ اہلِ محبت ہوتے ہیں، اسی لئے وہ اس تفریق میں نہیں پڑتے کہ یہ واجب ہے کہ سنت بلکہ وہ اس پر عمل اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔

2- جب کوئی انسان سنن و مستحبات پر پابندی کرے گا تو اس سے ممکن نہیں کہ وہ فرائض و واجبات سے غفلت برتے گا۔ ہاں مگر جو شخص سنن و مستحبات میں کوتاہی کرتا ہے تو اس سے امکان ہے کہ وہ فرائض میں بھی اکثر غفلت سے کام لے۔ یہی وجہ ہے کہ بزرگانِ دین سنن و مستحبات کی پابندی پر زُور دیتے ہیں تاکہ فرائض میں کوتاہی نہ ہو۔

تقسیمِ ثانی:-

1- **سنتِ عین**:- ما لیس لکل واحد من المکلفین بعینہ (ردالمختار)

''تمام مکلفین سے کسی فعلِ مسنون کی بجا آوری ''سنتِ عین'' کہلاتی ہے''۔

مثلاً! نمازِ تراویح (رمضان کی راتوں کا قیام)

2- **سنتِ کفایہ**:۔حیث طلب الشارع الفعل فقط و لیس من واحد بذاته او من معین ولم یکن الطلب جازما (الحکم الشرعی)

''اس سے مراد وہ عمل جس کا شارع ہر ایک سے لازم مطالبہ نہ کرے''۔

مثلاً! رمضان میں پورے محلّہ میں چند افراد کا مسنون اعتکاف بیٹھنا۔

17- مستحب/مَندُوبُ

(Desirable)

سوال:38:۔مستحب/مندوب کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات واحکام واضح سمجھائے؟

جواب: **لغوی تعریف**:۔

مستحب یہ استحباب مصدر سے باب استفعال ہے اِس کا مادّہ'' حُب'' ہے جس کا معنی ''پسندیدہ'' ہے۔اور مندوب، نُدب سے نکلا جس کا معنی کسی اہم کام کی طرف بُلانا، متوجہ کرنا اور فضیلتوں کی طرف پیش قدمی کی دعوت دینا ہے۔ **(المعجم الوسیط)**

اصطلاحی تعریف:۔i- **ما یمدح فاعله ولا یذم تارکه**

(بخاری، کشف الاسرار)

''مستحب ایسا فعل ہے جس کے فاعل کی تعریف کی جائے اور تارک کی مذمت نہ کی جائے گی''۔

ii-**المطلوب فعله شرعا من غیر ذم علی ترکه مطلقا۔** (اصول الاحکام)

''شریعت کسی کام کا ایسا مطالبہ کرے جس کے ترک پر مذمت نہ ہو''۔

حکمِ مستحب:۔''جس پر عمل کرنا باعثِ ثواب ہو اور بجالانا ترک سے بہتر ہو''۔

(اصول تشریع الاسلامی)

مثلاً! وضو کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا مستحب ہے۔نماز میں جمائی آئے تو منہ بند رکھنے کی کوشش کرنا وغیرہ مستحب ہے۔

نوٹ:۔مستحبات ونوافل ابتداً لازم نہیں ہوتے مگر کیا شروع کرنے کے بعد لازم ہو جاتے ہیں؟

1- اِس بارے میں احناف و مالکیہ کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نفل شروع کر دیتا ہے تو ان کا ترک جائز نہیں بلکہ اُن کا اتمام لازم (واجب) ہو جاتا ہے اور ترک کی صورت میں قضاء لازم ہو گی۔

استدلال:۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تبطلوا اعمالکم

'' اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو''۔

اِس آیت میں عمل کے ابطال سے منع کیا گیا ہے خواہ وہ عمل فرض ہو یا غیر فرض (نفل)۔

2- نذر مانی ہوئی نوافل اصلاً لازم نہیں ہوتے بلکہ مشروع ہوتے ہیں مگر شروع ہی میں ان کو اللہ کے لئے بطورِ نذر ذکر کر دیا جائے تو اس سے وہ لازم ہو جاتے ہیں اور جن نوافل کو اللہ کے لئے عملاً شروع کر دیا گیا اُن کا لازم ہونا بطریق اولیٰ ہونا چاہیئے۔

3- امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی رائے یہ ہے کہ نوافل شروع کرنے سے اُن پر کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ وہ اب بھی نفل ہی رہتے ہیں وہ لازم نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کا اتمام لازم ہے اور نہ ہی اُن کی قضا ہے۔

استدلال:۔ i- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفل روزہ کے متعلق فرمایا!

لا یضرک اَن کان تطوعًا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

''اگر یہ نفل روزہ تھا تو اس کے افطار کرنے میں کوئی ضرر نہیں''۔

ii- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نفل روزہ رکھنے والے سے فرمایا!

'' تیرے بھائی نے تیری دعوت کی اور کھانا تیار کیا ہے لہٰذا تو روزہ چھوڑ دے اور اس کی جگہ اگر تو چاہے تو اور روزہ رکھ لینا''۔

18- حرام کا بیان

(Prohibition)

سوال :39:۔ ''حرام'' کی لغوی تعریف اور اصطلاحی تعریفات میں ائمہ کے اختلاف کو واضح بیان کیجئے اور حرام کے اقسام کا تذکرہ کیجئے؟

جواب: **لغوی تعریف** :۔

حرام کا لغوی معنی ممنوع (Forbidden)' ناجائز اور ''روک دیا جانا'' ہے۔ ایسا فعل جس

میں رُوکنا مقصود ہوتا ہے اس کو''حرام'' کہا جاتا ہے۔　(المعجم الوسیط، ابراهيم الحرام)

اصطلاحی تعریف:۔

1-علمائے احناف کی رائے:۔

ہر وہ فعل حرام قرار پائے گا جس کے بارے میں شارع نے حتماً (صریحاً) ترک کا حکم دیا ہو اور وہ دلیلِ قطعی سے ثابت ہو۔اگر دلیل (ثبوت) ظنی ہو تو اس فعل کو مکروہِ تحریمی کہیں گے۔

حرام:۔ما ثبت النهي عنه شرعاً نهياً جازماً بدليل قطعي

(وہ فعل جس سے شریعت نے نہیِ جازم (لازماً ترک کردینے) کے ساتھ منع کیا ہو اور اس نہی کا ثبوت دلیلِ قطعی کی بناء پر ہو۔)

مکروہِ تحریمی:۔ ما ثبت النهي عنه شرعاً نهياً جازماً بدليل ظني.

(وہ فعل جس سے شریعت نے نہیِ جازم کے ساتھ منع کیا مگر نہی کا ثبوت دلیلِ قطعی کی بناء پر نہیں بلکہ دلیلِ ظنی کی بناء پر ہو۔)

2- غیر احناف کی رائے:۔ ہر وہ فعل حرام قرار پائے گا جس کے بارے میں شارع نے حتماً (صریحاً) ترک کا حکم دیا ہو۔خواہ اس کا ثبوت دلیلِ قطعی سے ہو یا دلیلِ ظنی سے ہو۔پس غیر احناف (شوافع) کے نزدیک حرام اور مکروہِ تحریمی میں فرق نہیں پایا جاتا۔یعنی غیر احناف کے پاس مکروہِ تحریمی، حرام سے الگ نہیں۔

المكروه تحريماً عند الجمهور من التحريم لانّ كل خطاب طلب الشارع به ترك الفعل على سبيل الالتزام فهو تحريم سواء كان دليل التحريم قطعياً كالقرآن الكريم والسنة المتواترة والاجماع ام كان ظنياً كخبر الواحد والقياس۔　(الحکم التکلیفی الشرعی)

''جمہور (غیر احناف) کے نزدیک مکروہِ تحریمی حرام ہی میں شامل ہے کیونکہ شارع کا ہر وہ خطاب جس میں ترکِ فعل کا تقاضا (مطالبہ) لازم ہو وہ تحریم کہلائے گا خواہ دلیلِ تحریم قطعی ہو جیسے قرآنِ کریم (نص)، سنت متواترہ اور اجماع یا دلیلِ ظنی ہو جیسے خبر واحد اور قیاس''

3- امام غزالیؒ:۔ الحرام هو المقول فيه اتركوه و لا فعلوه　(المستصفی)

''حرام وہ شئے یا فعل ہے جس کے بارے میں ترک کردینے اور نہ کرنے کا صریح حکم آیا ہو۔''

4- **امام بیضاویؒ** :- هو ما يذم شرعاً فاعله

''حرام وہ فعل ہے شرعاً جس کے فاعل کی مذمت کی گئی ہو''۔

5-امام وهبه زحيلیؒ :. الحرام ما طلب الشارع تركه على وجه الحتم والالزام (اصول فقہ)

''حرام وہ فعل ہے شارع نے جس کو حتمی اور لازمی طور پر ترک کرنے کا مطالبہ کیا ہو''۔

نوٹ :-مکلّف پر دونوں (حرام اور مکروہِ تحریمی) سے اجتناب لازمی اور قطعی ہے کیونکہ فرق صرف اعتقاد کے اعتبار سے ہے۔عمل کے اعتبار سے اُن دونوں میں کوئی فرق نہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ظنِ غالب کی بناء پر بھی عمل لازم ہو جاتا ہے۔یعنی اعتقاد کے لئے دلیلِ قطعی کا ہونا ضروری ہے،عمل کے لئے نہیں بلکہ عمل کے لئے دلیلِ ظنی بھی کافی ہوتی ہے۔

۔ ان دونوں کے مرتکب پر عقاب (عذاب) ہوگا مگر حرام پر مکروہِ تحریمی کی نسبت شدید ہوگا۔

حرام کا حکم:-

لزوم تركه، و استحقاق العقاب على فعله و من انكر حرمته كان كافرا و من فعله مع اعتقاد الحرمة كان فاسقاً

''حرام کا چھوڑنا لازمی ہے۔اُس کا مرتکب مستحقِ سزا ہوتا ہے جبکہ اس کی حرمت (حرام ہونے) کا منکر کافر ہو جاتا ہے اور جو حرام جانتے ہوئے اس فعل کا ارتکاب کرے وہ فاسق ہے''۔

نوٹ :-i- اگر کوئی شخص حرام فعل کا ارتکاب بطورِ استہزا (ہنسی و مذاق) کرتا ہوگا تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ احکامِ شریعتِ اسلامیہ کا استہزا کفر ہے،قطع نظر اِس کے کہ وہ احکام دلائلِ قطعی سے ثابت ہوں یا دلائل ظنی سے۔

ii- ہاں اگر کوئی مجتہد تاویل کے پیشِ نظر مکروہِ تحریمی کا ارتکاب کرتا ہے تو اُسے فاسق تصور نہیں کیا جائے گا کیونکہ دلائلِ ظنیہ میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے۔

iii- بعض ائمہ کے نزدیک دلیلِ قطعی وظنی میں فرق کے باوجود مکروہِ تحریمی پر حرام کا اطلاق جائز ہے۔مثلاً امام محمدؒ۔اس اطلاق کی وجہ واضح ہے کہ اس میں حرمت غالب ہے۔

iv - فرض کی طرح حرام کا اعتقاد ضروری ہے، اُس کا انکار کفر ہے۔ مثلاً ربا (سود)، زنا (بدکاری) اور مُردار کو جو حلال سمجھے گا وہ کافر ہو جائے گا۔

حرام کی اقسام :۔احکامِ شرعیہ میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ شریعت میں حرام اشیاء کو صرف ان کے مفاسد اور خرابیوں کی وجہ سے حرام کیا گیا ہے۔ یہ فساد یا تو فعل کی ذات (نفسِ عمل) میں ہوتا ہے یا کسی خارجی امر (حکم) کے ملنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پس اِس بنیاد پر حرام کی دو اقسام ہیں!
(بخاری، کشف الاسرار)

1- حرام لذاتہ **2- حرام لغیرہ**

1- **حرام لذاتہ** :۔ لما یترتب علی فعلہ من المفاسد و المضار
''جس کے کرنے پر فساد اور نقصان مرتب ہو''۔

مثلاً! زنا، چوری، قتل، کفر، شراب نوشی جیسے اُمور جو ذاتی طور پر حرام ہیں۔ کیونکہ اُن کے مفاسد (فساد و نقصان) ہمیشہ برقرار رہتے ہیں کبھی بھی مرتفع یا معطل یا معدوم (ختم) نہیں ہوتے۔

حکم :۔ **حرام لذاتہ** کا حکم یہ ہے کہ یہ اصلاً غیر مشروع ہے۔یعنی اپنی اصل (نفسِ حرام) کے لحاظ سے ہی ممنوع ہوتا ہے۔اس کے لئے کوئی شرط ضروری نہیں۔ مثلاً! چوری، ثبوتِ ملک کے لئے اور زنا وراثت یا ثبوتِ نسب کے لئے سببِ شرعی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ چوری اور زِنا اپنی اصل (ذات) کے لحاظ سے ممنوع ہیں۔

نوٹ :۔i) البتہ بعض اوقات ضرورت کے تحت حرام لذاتہ کی صورتیں ''مباح'' (Permissible) ہوجاتی ہیں جیسے زندگی بچانے کے لئے بقدرِ حاجت مُردار کا کھانا۔قرآن میں ارشادِ حق تعالیٰ ہے!

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ الرَّحِيْمٌ (البقرہ. آیت173).

''پھر جو شخص سخت مجبور ہو جائے نہ تو نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو اس پر (زندگی بچانے کی حد تک کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ تعالیٰ نہایت بخشنے والا مہربان ہے''۔

ii- اِسی طرح شراب کا استعمال یا اپنے دفاع (Defence) میں کسی کے ہاتھ سے حملہ آور کا قتل ہو جانا۔ مجبوری اور ضرورت کے تحت عارضی اور استثنائی طور پر مباح ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اُن کی تحریم (حرام لذاتہ ہونا) پانچ بنیادی ضروریات (دین، نفس، عقل، نسل اور مال) سے مخالفت کی بناء پر قائم تھی۔

2- حرام لغیرہ:۔

ھو ما کان مشروعاً فی الاصل اذ لا ضرر فیہ و لا مفسدہ ولکن اقترن بہ ما اقتضی تحریمہ (عبدالکریم زیدان۔الوجیز)

''حرام لغیرہ وہ ہے جو اپنی اصل ذات (نفسِ حرمت) کے اعتبار سے مشروع ہو اور اِس میں کوئی ذاتی ضرر اور فساد نہ ہو مگر اس کے ساتھ کوئی ایسی چیز مل گئی ہو جو اس کے حرام ہونے کا باعث بنے۔''

مثلاً! غصب شدہ (ناجائز قبضہ کی ہوئی) زمین پر نماز پڑھنا، جمعہ کی اذان کے بعد بیع (تجارت) کرنا، عیدین کے دن روزہ رکھنا حرام ہیں مگر اپنی اصل کے اعتبار سے حرام نہیں بلکہ نماز، بیع اور بالترتیب غصب کرنے، اذان ہو جانے اور عیدین کے ایام کی وجہ سے حرام ہو گئے ہیں۔ اس لئے اس حرمت کو حرمتِ لغیرہ اور اِن اعمال کو حرام لغیرہ کہا جائے گا۔ کیونکہ کسی اور خارجی سبب نے فی نفسہ کسی جائز عمل کو حرام بنا دیا۔ لہٰذا یہ حرمت موقتی اور عارضی ہوتی ہے۔

حکم:۔انہ مشروع باصلہ و ذاتہ و غیر مشروع بوصفہ (وھبۃ الزحیلی۔اصول فقہ)

''حرام لغیرہ اپنی ذات واصل کے اعتبار سے مشروع ہوتا ہے اور کسی دوسری چیز ملنے کی وجہ سے غیر مشروع ہوتا ہے۔''

نوٹ:۔i) **احناف کی رائے**:۔احناف اس حرام لغیرہ کی مشروعیت کے پہلو کا اعتبار کرتے ہیں اور اس کی حرمت کے پہلو پر ترجیح دیتے ہیں۔ لہٰذا احناف کے نزدیک حرام لغیرہ سبب شرعی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس پر احکام مرتب ہوتے ہیں۔ جیسے مغصوبہ زمین میں نماز پڑھنے سے اس کے ذمہ سے نماز ساقط تو ہو جائے گی مگر زمین کے غصب کرنے کا گناہ ہوگا۔ اسی طرح جمعہ کی اذان کے بعد بیع (تجارت) منعقد ہو تو جائے گی مگر حکم کی مخالفت پر گناہ ملے گا۔

ii) **فقہا کی ایک اور جماعت کی رائے**:۔فقہا کی ایک جماعت سبب باعثِ حرمت والے پہلو کو ترجیح دیتی ہے اور اُن کے پاس حرام لغیرہ بھی حرام لذاتہ کی طرح سببِ شرعی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اس پر احکام مرتب نہیں ہوتے۔ لہٰذا فقہا کی اِس جماعت کے نزدیک غصب شدہ زمین پر نماز ہی جائز نہیں ہوگی اور جمعہ کی اذان کے بعد بیع (تجارت) منعقد ہی نہیں ہوگی۔

حرام کے مترادفات:۔کُتبِ اصول میں حرام کے لئے لفظ ''حرام'' کے علاوہ دیگر حسب ذیل الفاظ بھی بیان کئے گئے ہیں جنہیں ''حرام'' کے مترادفات یا دیگر اسماء کہا جاتا ہے۔

1- ذنب 2- قبح 3- مزجود عنہ 4- محظور 5-ممنوع

6- متوعد علیہ 7- فاحشہ 8- الم 9- سیئۃ وغیرہ۔

19- حرام کے ثبوت کے ذرائع والفاظ

سوال:40:- حرام کے ثبوت کے ذرائع والفاظ کو واضح بیان کیجئے؟

جواب:- لفظِ حُرمت

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ.................(النسآء۔23)

''تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور اور تمہاری بہنیں اور تماری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری گود میں پرورش پانے والی وہ لڑکیاں جو تمہاری ان عورتوں (کے بطن) سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو (بھی حرام ہیں) پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر (اُن کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی حرج نہیں اور تمہارے اُن بیٹوں کی بیویاں (بھی تم پر حرام ہیں) جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرو سوائے اس کے کہ جو دَورِ جہالت میں گزر چکا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے''۔

اِس آیت میں ''حُرِّمَتْ'' یعنی حرام کر دی گئیں ہیں، کا لفظ آیت میں مذکورہ عورتوں کے ساتھ نکاح کے حرام ہونے پر دلالت کر رہا ہے۔

2- نفی حلت:-

(i) فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (البقرہ 229)

''پھر اگر اس نے (تیسری مرتبہ) طلاق دے دی تو اُس کے بعد وہ اُس کے لئے حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ کسی اور شخص سے نکاح کرے''۔

(ii) لا يحل مال امرى مسلم الا بطيب نفس منه (احمد. المسند)

''ایک مسلمان کا مال دوسرے مسلمان کے لئے دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں''۔

مندرجہ بالا نصوص (دلائل) میں ''فَلَا تَحِلُّ'' اور ''لا يحل'' کے الفاظ حلال ہونے کی نفی کر رہے ہیں یعنی حرام ہونے پر دلالت کر رہے ہیں۔

3- صیغہ نہی:-

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ (بنی اسرآئیل. 31)

''تم اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل مت کرو''۔

اس آیت میں ''لَاتَقْتُلُوْا'' یعنی قتل مت کرو، یہ صیغہ نہی ہے جس سے فعل کا حرام ہونا ثابت ہورہا ہے۔

4-لفظ اجتناب:۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (الحج. 30)

''سوتم بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹی بات سے پرہیز کرو۔''

اس آیت میں میں لفظ ''اجْتَنِبُوْا'' یعنی بچا کرو، سے بتوں کی پلیدی اور جھوٹ کا حرام ہونا ثابت ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً (النور. 4)

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر (بدکاری) کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کرسکیں تو تم انہیں سزائے قذف کے طور پر اسّی (80) کوڑے لگاؤ۔''

اس آیت میں جھوٹی تہمت لگانے کی عقوبت یعنی سزا کا تعین (80) کوڑے مارنے کے حکم کا بیان ہے اسلئے یہ اور اس قسم کے باقی افعال حرام ہوں گے۔

نوٹ:۔

ضرورت اور حاجت میں فرق:۔

ضرورت:۔ ہر وہ مجبوری ہے جس کے نہ کرنے سے ضروریات خمسہ میں سے کسی ایک کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو۔ مثلاً مُردار کا کھانا اُس وقت مباح (جائز) ہوگا جب اپنی جان کی ہلاکت کا غالب گمان ہو۔

ضروریات خمسہ (5):۔

1- حفظ نفس 2- حفظِ نسل 3-حفظِ مال 4- حفظِ عقل 5- حفظِ دین۔

مثلاً ''قتل'' اِس سے حفظِ نفس میں، ''زنا'' اسے حفظ نسل میں، ''سرقہ'' اس سے حفظ مال میں، شراب خمر ''نشے کی چیز'' اس سے حفظ عقل میں اور ''کفر'' اس سے حفظ دین میں خلل واقع ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ تمام حرام لذاتہ ہیں۔ لیکن قاعدہ ہے ''ضرورت ممنوعات کو مباح کردیتی ہے''۔

حاجت:۔ اُس مجبوری کو کہا جاتا ہے جس کے نہ کرنے کی وجہ سے لوگوں کے معاملات میں تنگی اور حرج واقع ہوتا ہو۔ مثلاً کسی خاتون کے جسم کے کسی حصے کے علاج کے لئے غیرمحرم معالج (ڈاکٹر) کا دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ خاتون معالج (Lady Doctor) نہ ہو۔

اگر اسے حرام قرار دیں تو حرج لازم آئے گا اسلام جسے پسند نہیں کرتا۔ قرآن میں ہے!

ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج (اللہ تم پر حرج اور تنگی کا ارادہ نہیں فرماتا)۔

20- مکروہ کا بیان

(Disapproved)

سوال:41:۔ ''مکروہ'' کی لفظی اور اصطلاحی تعریفات اور اسکے اقسام وضاحت کے ساتھ بیان کیجئے؟

جواب:۔**لغوی تعریف**:۔ ''مکروہ'' محبوب یا پسندیدہ کی ضد(Opposite) ہے، جس کے معنی سخت ناپسندیدگی، ناگواری ہے۔کسی آدمی کو ایسے کام پر مجبور کیا جانا جو اسے طبعاً (Naturally) ناپسند ہو۔

(لسان العرب)

قرآن مجید یں یہ لفظ اسی معنی میں کئی ایک مقامات پر استعمال ہوا ہے۔مثلاً

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كَرْهٌ لَّكُمْ(البقرہ۔216)

''اللہ کی راہ میں قتال تم پر فرض کر دیا گیا ہے، حالانکہ وہ تمہیں طبعاً ناگوار ہے۔''

اصطلاحی تعریف:۔

هو ما طلب الشارع تركه لا على وجه الحتم والالتزام (اصول فقہ۔الزحیلی)

''وہ مکروہ شئے یا فعل ہے کہ شارع نے جس کے ترک کرنے کا مطالبہ حتمی اور لازمی طور پر نہ کیا ہو''۔

نوٹ:۔

غیر احناف (جمہور) کے نزدیک ''مکروہ'' سے مراد مکروہِ تنزیہی ہے اور وہ مکروہِ تحریمی کو حرام کے قریب تر کہہ کر مکروہِ تحریمی کو حرام ہی شمار کرتے ہیں۔

جبکہ احناف مکروہِ تحریمی اور حرام میں فرق کرتے ہیں اور ''حرام'' کو فرض کے بالمقابل اور ''مکروہِ تحریمی'' کو واجب کے بالمقابل رکھتے ہیں۔

مکروہ کی اقسام:۔احناف کے نزدیک ''مکروہ'' کی دو اقسام ہیں۔

1- مکروہِ تحریمی 2- مکروہِ تنزیھی

1-**مکروہِ تحریمی** (Condemned) :۔(یہ حکمِ تکلیفی کی ساتویں قسم ہے)۔

''الفعل الذى طلب الشارع من المكلف الكف عنه طلب جازما بدليل ظنى''

''مکروہِ تحریمی وہ فعل ہے جس میں شارع مکلّف سے لازمی طور پر رک جانے کا مطالبہ کرے

اور مطالبہ دلیل ظنی سے ثابت ہو''۔مثلاً

''نماز وتر'' چونکہ واجب ہے اور حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں کبھی بھی ترک نہ فرمایا اور اُسکے چھوڑنے پر وعید سنائی اور فرمایا'' جو وتر ادا نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ (سنن ابوداؤد)

حکم:۔انه یذم فاعله ویمدح تارکه (آمدی۔الاحکام)

''اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے فاعل کی مذمت اور تارک کی مدح کی جاتی ہے۔

نوٹ:۔''مکروہِ تحریمی'' کے ثبوت کے وہی ذرائع ہیں جو''حرام'' کے ہیں مگر فرق یہ ہے کہ حرام دلیلِ قطعی سے ثابت ہوتا ہے جبکہ مکروہِ تحریمی دلیلِ ظنی سے یعنی خبرِ احاد وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے۔

''حرام'' کا اِنکار کفر ہے جبکہ مکروہِ تحریمی کا اِنکار کفر نہیں بلکہ فسق ہے۔

۔اساء ت (Disapproved) :۔(یہ حکمِ تکلیفی کی آٹھویں قسم ہے).

لغوی معنیٰ:۔اساءت لفظ''سوء'' سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنیٰ''بُرا'' ہونا کے ہیں۔

اصطلاحی تعریف:۔

''اس سے مراد ایسا فعل ہے۔جس کا عادتاً کرنا باعثِ عذاب ہے اور کبھی کبھار کرنے پر عتاب ہو۔

حکم :۔اساءت چونکہ سنّت موکدہ کے مقابلے میں آتا ہے لہٰذا اِس کا نہ کرنا بہتر ہے اور اُس کے کرنے پر ملامت اور تھوڑا سا گناہ بھی ہے۔

2- مکروہِ تنزیہی (Improper) :۔(یہ حکمِ تکلیفی کی نوویں قسم ہے۔)

اصطلاحی تعریفات:۔

1- ما یمدح تارکه ولا یذم فاعله

''مکروہ تنزیہی وہ فعل ہے جس کے تارک کی مدح ہو اور کرنے والے کی مذمت نہ ہو۔''

2- هو الفعل الذی طلب الشارع من المکلف الکف عنه طلبا غیر جازم

''مکروہِ تنزیہی وہ فعل ہے جس میں مکلّف سے کسی کام کو ترک کرنے کا مطالبہ شدت سے نہ کیا گیا ہو۔''

2- ما کان ترکه اولیٰ من فعل

''جس کا چھوڑنا کرنے سے بہتر ہو''۔

صدر الشریعہ کا قول ہے کہ''مکروہِ تنزیہی'' حلال سے (حرام کی نسبت) زیادہ قریب ہے، اور

’’مکروہِ تحریمی‘‘ حرام کے زیادہ قریب ہے۔ (صدرالشریعہ۔التوضیح)

حکمِ مکروہ تنزیہی:۔

’’اِس کے تارک (ترک کرنے والے) کی مدح (تعریف) کی جاتی ہے اور فاعل (کرنے والے) کی مذمت نہیں کی جاتی اور نہ ہی سزا دی جاتی ہے کیونکہ عتابِ فعل ’’حرام‘‘ پر ہے نہ کہ مکروہ پر‘‘

کراھت کے ثبوت کے ذرائع:۔

1- لفظِ **کراھت**:۔ مثلا حدیث میں ہے!

ان اللہ کرہ لکم ثلاثا قیل و قال و اضاعة المال و کثرة السوال.

(بخاری ومسلم)

’’بے شک اللہ تعالیٰ نے (تمہارے لئے) تین چیزیں ناپسند فرمائی ہیں، ’قیل وقال کرنا‘ کثرت سے سوال کرنا اور مال کو ضائع کرنا‘‘۔

۔اس حدیث میں لفظ’’کرہ اللہ‘‘ یعنی اللہ نے ناپسند کیا ہے، کراہت پر دلالت کرتا ہے۔

2- لفظِ **بغض**:۔مثلاً حدیث میں ہے!

ابعض الحلال الی اللہ الطلاق (ابوداؤد، ابن ماجہ)

’’حلال چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ ناپسند طلاق ہے‘‘۔

اِس حدیث میں لفظ’’ابعض‘‘ طلاق کی کراہت پر دلالت کررہا ہے۔

3-**نھی خفیف**:۔ ایسا صیغہ نہی جس میں قرینہ ہو کہ یہاں منع کرنا تحریم (حرام) کے بجائے کراہت (مکروہ) کے لئے ہے۔مثلاً آیت قرآنی ہے!

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـٴَـلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ (المائدہ۔101)

’’اے ایمان والو! تم ایسی چیزوں کے متعلق سوال مت کیا کرو (جن پر قرآن خاموش ہو) کہ اگر وہ تمہارے لئے ظاہر کردئے جائیں تو تمہیں مشقت میں ڈال دیں (اور تمہیں بُری لگیں)۔‘‘

اِس آیت میں لفظ’’لَا تَسْـٴَـلُوْا‘‘ (مت سوال کرو) نہی کا صیغہ ہے جو حُرمت پر دلالت کرتا ہے مگر یہاں حُرمت (حرام) کے بجائے کراہت (مکروہ) مراد ہے جس کا قرینہ آیت کے اگلے حصہ میں ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں’’نہی‘‘ کراہت کے معنی میں ہے، آیت کا اگلا حصہ یوں ہے!

وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَلَكُمْ عَفَا اللهُ عَنْهَا وَاللهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (المائدہ۔101)

''اور اگر تم ان کے بارے میں اُس وقت سوال کروگے جبکہ قرآن نازل کیا جارہا ہے تو وہ تم پر (نزولِ حکم کے ذریعے) ظاہر (یعنی متعین) کردیجائیں گی (جس سے تمہاری صوابدید (Option) ختم ہوجائے گی اور تم ایک ہی حکم کے پابند ہوجاؤ گے)۔ اللہ نے ان (باتوں وسوالوں) سے (اب تک) درگزر فرمایا ہے۔''

خلافِ اولیٰ (Uncommendable) :۔ (یہ حکم تکلیفی کی دسویں قسم ہے)۔

اصطلاحی تعریف:۔

اس سے مراد ایسا فعل ہے جس کے کرنے میں قباحت ہو مگر ترک کرنے میں تاکید بھی نہ ہو۔ مثلاً نماز میں نوافل کا ترک کرنا وغیرہ۔

حکم :۔ بہتر ہے کہ اسے نہ کیا جائے اور اس کے نہ کرنے پر ثواب ہے لیکن اس کے کرنے پر ملامت ہے سزا نہیں۔

نوٹ :۔ امام شافعیؒ کی رائے میں خلافِ اولیٰ مکروہِ تنزیہی سے عام ہے۔ ہر مکروہ خلافِ اولیٰ ہوتا ہے۔ مگر ہر خلافِ اولیٰ کا مکروہ ہونا ضروری نہیں کیونکہ خلافِ اولیٰ کبھی مکروہ نہیں ہوتا جبکہ کوئی خاص دلیل نہ ہو۔ مثلاً چاشت کی نماز کا ترک۔ کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے جس کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے۔

21- مُباح کا بیان

(Discretionary)

سوال :42:۔''مباح'' کا لغوی معنیٰ اور اصطلاحی تعریف کے پیشِ نظر ''مباح'' کے اطلاقات اور اس کے حکمِ شرعی ہونے کے متعلق وضاحت سے بیان کیجئے ؟

جواب :۔لغوی معنیٰ :۔اباحت کے لغوی معنی درجِ ذیل ہیں !

1- الاظہار 2- اذن و اجازت 3- الحلال

اصطلاحی تعریف :۔ مالا یتعلق بفعلہ او ترکہ مدح ولا ذم

''ہر وہ فعل مکلّف جس کے ترک یا فعل پر مدح (تعریف) وذم (مذمت) نہ ہو۔''

مباح کے اطلاقات :۔علماء کے مطابق مباح کے مختلف اطلاقات درجِ ذیل ہیں !

1- **ما یقابل الممنوع** :۔اس کے معنی کے اعتبار سے مباح کا اطلاق واجب ومندوب (مستحب) دونوں پر ہوسکتا ہے کیونکہ یہ ممنوع نہیں بلکہ ماذون ہیں۔

2- **ما سکت عنہ الشرع** :۔شرع جس کے بارے میں کوئی خاص حکم ظاہر نہ کرے بلکہ خاموش رہے۔''اشیاء میں اصل اباحت ہے'' سے یہی مراد ہے۔

3- **ما صرح الشارع بالتسویۃ بین الفعل والترک** :۔وہ حکم جس کے فعل و ترک میں شارع نے مساوات کی تصریح کی ہو۔مثلاً حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے مسافر کے لئے فرمایا!

''ان شئت فصم و ان شئت فا فطر''

''جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے افطار کرے۔'' یہاں فعل میں ''اختیار'' دیا گیا ہے اور یہی زیرِ بحث مباح کا معنیٰ ہے۔

اباحت کا حکم شرعی ہونا :۔اباحت کے بارے میں اصولیین (علمائے اصول) کی دو آراء ہیں۔

1- یہ حکمِ شرعی ہے۔ 2- یہ حکمِ شرعی نہیں ہے

1- امام آمدیؒ فرماتے ہیں کہ ''بعض معتزلہ کو چھوڑ کر تمام اہل اسلام کی یہی رائے ہے کہ اباحت حکم شرعی ہے۔'' کیونکہ یہ خطاب شرعی ہے جس کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

امام آمدیؒ کے اس قول کی تائید دیگر علماء کی تعریفاتِ اباحت سے بھی ہوتی ہے جیسے امام غزالیؒ، صاحبین (امام محمدؒ، امام یوسفؒ) وغیرہ۔

2- **دوسری رائے** یہ ہے کہ ''اباحت'' حکم شرعی نہیں کیونکہ اباحتِ فعل اور ترکِ فعل سے جرح کی نفی کا نام ہے اور یہ ورودِ شرع (شریعت کے پیدا ہونے) سے پہلے ثابت ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ شارع نے فلاح شئی کو مباح قرار دیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ شارع نے اسے اس حال پر رہنے دیا جس پر وہ ورودِ شرع سے پہلے تھی۔ جب شریعت نے اُس میں کوئی اثر اور تبدیلی نہیں کی تو اسے حکم شرعی قرار دینا مناسب نہیں۔ باقی یہ کہ کسی شئے کے وجوب یا حُرمت پر کسی دلیل کا موجود ہونا ہی دلیل شرعی قرار دیا جائے گا۔ یہ رائے زیادہ تر اہلِ حدیث ومعتزلہ کی ہے۔

حکمِ اِباحت :-

سوال :43:- غیر منصوص اشیاء کی ''اصل کا حکم'' کے بارے میں اصولیین (علمائے اصول) کی مختلف آراءاور موقف کی مختصر وضاحت اور راجح قول بیان کیجئے؟

جواب:- غیر منصوص اشیاء یعنی وہ اشیاء جن کے بارے میں نص (دلیل) وارد نہ ہوا اُن کے بارے میں اہل اصول کی چار آراء یا موقف ہیں!

1- اباحت ہے۔ 2- حُرمت ہے۔ 3- اصل اشیاء میں توقف ہے۔

4- نفع بخش اشیاء میں ''اباحت'' ہے اور نقصان دہ اشیاء میں حُرمت ہے۔

1- اصل تمام اشیاء میں اباحت ہے یعنی ''مباح'' ہیں:-

جمہور علماء حنفیہ، شافعیہ، ظاہریہ، بعض حنابلہ اور معتزلہ ابو ہاشم اور جبائی کے نزدیک اشیاء میں اصل اباحت ہے یعنی تمام اشیاء مباح ہیں!

فذهب اكثر اصحابنا و كثير اصحاب الشافعي الى انها على الأاباحة

(کشف الاسرار)

''احناف اور شوافع کی اکثریت اسی بات کی قائل ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔''

اسی طرح امام ابن ہمامؒ لکھتے ہیں!

المختار الاباحة عند جمهور الحنفية و الشافعية

''جمہور احناف اور شوافع کا مسلک مختار اباحت یہی ہے۔'' (ابن ہمام، ابن عابدین)

علامہ محبّ اللہ بہاریؒ اس موقف کو مختارِ احناف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں!

ان اصل الافعال الاباحة کما ھو مختار اکثر الحنفیه والشافعیه

(بہار، مسلم الثبوت)

''اصل افعال میں بھی اباحت کو فقہاء کی اکثریت کا قول اور مذہب مختار (پسندیدہ) قرار دیا گیا ہے۔ احناف وشوافع کی اکثریت کے ہاں یہی قول مختار ہے۔''

2- اصل اشیاء میں حُرمت ہے یعنی اصلاً تمام اشیاء حرام ہیں۔

بعض علمائے احناف، شوافع، حنابلہ اور معتزلہ کا موقف یہ ہے کہ اصل اشیاء میں ''حُرمت'' ہے۔ اِس موقف کو بیان کرتے ہوئے شارح اصول بزدویؒ لکھتے ہیں!

و قال بعض اصحابنا و بعض اصحاب الشافعی و معتزله بغداد انها علی الحظر (بخاری۔ کشف الاسرار)

''بعض احناف، بعض شوافع اور بغداد کے بعض معتزلہ کی رائے یہ ہے کہ اشیاء میں اصل حرمت ہے۔''

اس موقف پر اُن کی دلیل یہ ہے کہ تمام اشیاء کا مالک اللہ تعالیٰ ہے چونکہ غیر کی مِلک میں اجازت کے بغیر تصرف حرام ہوتا ہے اس لئے جب تک بذریعہ شرع ہم اِذن (اجازت) نہیں پائیں گے، اشیاء میں تصرف (استعمال) نہیں کر سکتے۔''

3- اصل اشیاء میں توقف ہے جب تک کوئی واضح حکم نہ آئے:-

اشاعرہ اور اکثر محدثین کا موقف یہ ہے کہ اصل اشیاء میں نہ اباحت (مباح) ہے نہ حُرمت (حرام) ہے بلکہ اُن میں توقف ہے جب تک کوئی واضح حکم نہ آئے۔

و قالت الاشاعره و عامة اهل الحدیث انها علی الوقف لا توقف بحظر و لا اباحة (بخاری، کشف الاسرار)

''اشاعرہ اور اکثر محدثین کی رائے یہ ہے کہ اشیاء میں حُرمت یا اباحت نہیں بلکہ توقف ہے۔''

دراصل اِن کے ہاں وجہ یہ ہے کہ حُرمت اور اباحت عقلاً ثابت نہیں ہو سکتے بلکہ ان کے لئے حکم شرعی کا ہونا ضروری ہے۔ حکم شرعی کے وُرود (نفاذ) کے بغیر نہ تو حُرمت کا قول کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اباحت

کا۔اسلئے توقف سے کام لیا جائے۔

4-اصل اشیاء نافعه میں اباحت اور اشیاء ضاره میں حُرمت هے:۔

بعض علمائے شوافع کا موقف ہے جس کو حضرت وہبہ زحیلیؒ نے یوں بیان کیا ہے!

قال بعض الشافعیہ الاصل فی الاشیاء النافعه هی الاباحة و فی الاشیاء الضارة هو الحرمة (وھبہ زحیلی)

''بعض شوافع نے کہا ہے کہ نافع اشیاء میں اصلاً اباحت ہے اور ضرر رساں اشیاء میں حُرمت ہے۔''

قولِ راجح:۔(مختار رائے)

مذکورہ بالا اقوال میں جمہور علماء کا موقف یہ بیان ہوا کہ اصل تمام اشیاء اور افعال میں اباحت ہے یعنی مباح ہیں یہی قول راجح (بہتر،قوی اور پسندیدہ) ہے۔کیونکہ کتاب سنت کے دلائل سے اس موقف کی تائید ہوتی ہے!

اباحتِ اصلی کے قرآنی دلائل و احادیث مبارکه:۔

سوال:44:۔اباحتِ اصلی کےقولِ راجح کے دلائل قرآنی واحادیثِ مبارکہ معہ تصریحات وضاحت کے ساتھ بیان کیجئے ؟

جواب :۔اباحتِ اصلی یعنی اصلاً تمام اشیاء وافعالِ مباح ہیں جمہور علماء کا یہی قول راجح ہے اِس موقف کے دلائل کے لئے سب سے پہلے شریعتِ اسلامیہ کے معروف قاعدہ واصول پرغور کرتے ہیں تاکہ اس قول کی حقیقت سمجھ میں آسکے۔

1-شریعت اسلامیه کا معروف قاعده اوراصول:۔

الاصل فی الاشیاء اباحة (سرخسی ،المبسوط۔ابن ہمامؒ وسیوطیؒ)

''ہر چیز کی اصل اباحت ہے''

(i) اِس معروف قاعدہ واصول کی روشنی میں فی نفسہ کوئی کام ازروئے شرع ممنوع نہیں ہوتا تاوقتیکہ اس میں قرآن وسنت کی کوئی نص (دلیل) اسکی حُرمت کو بتائے۔

(ii) اِس قاعدہ کو سمجھنے کے لئے درجِ ذیل مثال سے واضح ہوجائے گا کہ اشیاء اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہوتی ہیں۔

مثال :۔اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ فلاں شخص میرا مقروض (Debtor) ہے۔تو اب دعویٰ کرنے والا خود ہی گواہی پیش کرے گا اور ثابت کرے گا کہ فلاں شخص میرا مقروض ہے،مقروض سے یہ تقاضا نہیں کیا جائے گا کہ وہ ثابت کرے کہ وہ مقروض نہیں ہے کیونکہ یہ دعویٰ خلاف اصل ہے' وجہ اس کی یہ ہے کہ اصلاً کوئی ماں کے پیٹ سے مقروض پیدا نہیں ہوتا۔

(iii) گویا قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ کام جو عہد رسالت ﷺ وصحابہؓ میں نہ تھا اور بعد میں کسی ضرورت کے تحت وجود میں آیا تو اسکو قرآن وسنت پر پیش کیا جائے گا۔اگر وہ قرآن وسنت سے معارض (خلاف) ہوگا تو بلاشبہ وہ ناجائز وحرام اور گمراہ تصور ہوگا۔اور اگر اس کا قرآن وسنت کے کسی بھی حکم کے ساتھ کوئی تضاد (ٹکراؤ) یا تعارض (خلاف) واقع نہیں ہوتا تو اسے گمراہی یا حرام تصور کرنا حکمت دین کے منافی اور اسلام کے متعین کردہ نظامِ حلال وحرام سے انحراف برتنے (اِنکار کرنے) اور حد سے تجاوز کرنے کے مترادف (برابر) ہوگا۔

2- اسلام آسان دین ہے :۔

دینِ اسلام کے دامانِ رحمت سے وابستہ ہوکر انسان قوانینِ فطرت کے تحت آسان زندگی بسر کرسکتا ہے۔اس دین میں ناروا اور بے جا تنگی اور تکالیف بالکل ہی نہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے!

(i) لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (البقرہ ۔ 256)

''دین میں کوئی زبردستی نہیں''

(ii) وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج۔78)

''اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی''

یہ **آیات** صراحت کے ساتھ لوگوں کے لئے شرعی احکام کی تخفیف اور آسانی پر دلالت کرتی ہیں۔

احادیث مبارکہ میں بھی یہ مضمون بڑی صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے!

(iii) بعث بالحنفیة السمحة۔ (احمد،المسند۔طبرانی'المعجم الکبیر)

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے''میں ایسے حنیف دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو آسان ہے۔''

(iv) عن جابر قال النبی بعث بالحنفیة السمحة او السھلة و من خالف سنتی فلیس منی۔ (خطیب بغدادی۔تاریخ بغداد)

''میں نہایت آسان دین یا سہولت والے دین کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں اور جس نے میری

سنت کی مخالفت کی وہ مجھ سے نہیں۔''

3- تصریح محرمات قرآن کی روشنی میں:-

اللہ تعالیٰ ہمارے لئے ہر قدم پر آسانیاں پیدا کرنا چاہتا ہے۔اس لئے اس پاک ذات سبحان نے صرف حرام اور ممنوع اشیاء اور افعال کی فہرست گنوادی جو کہ محدود (Limited) ہیں اور باقی سب کچھ جائز اور مباح کے طور پر ذکر کئے بغیر چھوڑ دیا ہے۔حرام کی فہرست گنوا کر بقیہ کا عدمِ ذکر قرآنی روشنی میں جوازِ اباحت اور حلت کے لئے ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حرام وحلال کے بیان کے ضمن میں ایک جامع ومانع قرآنی اصول وضع فرمادیا ہے جو دو نکات پر مشتمل ہے جو درجِ ذیل آیات سے ظاہر ہے!

(i) قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ (الانعام۔119)

''اس نے تمہارے لئے اِن (تمام) چیزوں کو تفصیلاً بیان کر دیا جو اُس نے تم پر حرام کی ہیں۔''

(ii) وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ (النساء۔24)

''اور اُن (مذکورہ ممانعتوں) کے سوا تمام تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں۔''

ان دونوں آیاتِ قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن اشیاء کو اللہ اور رسول ﷺ نے نام لے کر حرام قرار نہیں دیا وہ سب اشیاء حلال اور جائز ہیں' حرام نہیں ہیں۔

لہٰذا بغیر نص شرعی کے حُرمت کا حکم لگانا منع ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے!

قُلْ اَرَءَ يْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَ حَلٰلاً قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللهِ تَفْتَرُوْنَ(یونس۔59)

''فرمادیجئے ذرا بتاؤ تو سہی اللہ نے جو (پاکیزہ) رزق تمہارے لئے اُتارا سوتم نے اس میں سے بعض (چیزوں) کو حرام اور (بعض کو) حلال قرار دے دیا۔فرمادیں کیا اللہ نے تمہیں (اس کی) اجازت دی تھی یا تم اللہ پر بہتان باندھ رہے ہو۔''

4- اباحتِ اصلی کے قرآنی دلائل:-

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ نعمتیں انسان کے لئے پیدا کیں اور اس نے جائز استعمال کا اختیار دے کر احسان فرمایا۔درجِ ذیل قرآن وسنت کے دلائل سے واضح ہوگا کہ تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے!

i- اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ

نِعْمَهُ ظَاهِرَةً وَ بَاطِنَة (لقمان۔20)

''کیا تم نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی ساری اشیاء (ضرورت) تمہارے لئے مسخر کی ہیں اور تم پر اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کا اتمام و اظہار فرما دیا ہے۔''

ii- هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرہ۔29)

''وہی (اللہ) ہے جس نے زمین کی ساری چیزیں تمہارے لئے پیدا کر دیں۔''

اِس آیت میں ''مــا'' عموم کے لئے ہے جو جمیع مخلوقات کو شامل ہے اور لَام (لَـکُـمْ) انتفاع (فائدہ اٹھانے) کے لئے ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ جمیع مخلوقات انسان کے نفع (فائدہ) کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور نفع کسی چیز سے تب ہی حاصل ہوسکتا ہے جب وہ ''مباح'' ہو گویا اِس آیت میں تمام چیزوں سے نفع اُٹھانے کی اجازت اشارۃً اُن کی اصل اباحت کو ثابت کرتی ہے۔ اس تصور کی تائید میں چند ائمہ تفسیر کی تصریحات ملاحظہ ہوں!

(a) امام حمویؒ اِس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں!

اخبر بانه خلقه لنا علی وجه المنة علينا و ابلغ وجوه المنه اطلاق الا نتفاع فثبت الاباحة

''اللہ تعالیٰ نے اِس آیت کے ذریعے ہمیں اطلاع دی ہے کہ اُس نے احسان فرمایا اور احسان کی بہتر صورت یہ ہے کہ یہ تمام اشیاء ہمارے نفع کے لئے ہوں تو اِس سے اباحت کا ثبوت ہوتا ہے۔''

(b) امام عبداللہ بن محمود بن احمد النسفیؒ اِس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں!

و قد استدل الکرخی و ابو بکر الرازی والمعتزله بقوله (خَلَقَ لَکُمْ) علی ان اشیاء التی یصح ان تنتفع بها خلقت مباحته فی الاصل جمیعا۔

(نسفی۔ مدارک التنزیل)

''اور اِس آیتِ مبارکہ (خَـلَـقَ لَـکُمْ) سے امام کرخیؒ اور ابوبکر رازیؒ اور معتزلہ نے استدلال کیا ہے کہ تمام نفع بخش اشیاء اصلاً اباحت پر پیدا کی گئی ہیں۔''

iii- ایک اور مقام پر قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے!

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللهِ الَّتِیْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (الاعراف۔32)

''اے محبوب ﷺ فرما دیجئے اللہ کی اس زینت (وآرائش) کو کس نے حرام کیا ہے جو اسنے اپنے بندوں کے

لئے پیدا فرمائی ہے اور کھانے کی پاک ستھری چیزوں کو (بھی کس نے حرام کیا ہے)۔

امام بیضاویؒ اِس آیت کے تحت فرماتے ہیں!

فیه دلیل علی ان الا صل فی المطاعم و الملابس و انواع المجملات الا باحة۔

(بیضاوی۔انوارالتنزیل)

''اِس آیت میں واضح طور پر شہادت موجود ہے کہ کھانے اور ملبوسات (کپڑے) اور دیگر زینت کی اشیاء قسم قسم کے بناؤ سنگھار میں اصل اباحت و اجازت ہے۔''

iv- **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ج وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ط وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۝ (المائدۃ۔101)**

''اے ایمان والو تم ایسی چیزوں کی نسبت سوال مت کیا کرو (جن پر قرآن خاموش ہے) کہ اگر وہ تمہارے لئے ظاہر کردی جائیں تو تمہیں مشقت میں ڈال دیں (اور تمہیں بُری لگیں)۔ اور اگر تم اُن کے بارے میں اس وقت سوال کرو گے جبکہ قرآن نازل کیا جا رہا ہے تو وہ تم پر (نزولِ حکم کے ذریعہ) ظاہر (متعین) کردی جائیں گی [جس سے تمہاری صوابدید (اختیار و مرضی) ختم ہو جائے گی اور ایک ہی حکم کے پابند ہو جاؤ گے]۔ اللہ نے ان (باتوں اور سوالوں) سے (اب تک) درگزر فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بردبار ہے۔''

اِس آیت سے واضح ہو رہا ہے کہ اگر کسی چیز کی حلت (حلال ہونے) اور حُرمت (حرام ہونے) کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم نہیں دیا اور قرآن خاموش ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ چیز جائز اور حلال ہے۔ اب کسی مسلمان کو اِس کی حلت وحُرمت پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ورنہ وہ اپنا دائرۂ عمل خود (ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے) تنگ کرتا چلا جائے گا جیسا کہ بنی اسرائیل کے لوگوں نے کیا تھا۔

5- احادیثِ مبارکہ سے اباحتِ اصلی کے دلائل:۔

i- **حضرت ابو ثعلبه الخشنیؒ** سے مروی ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''اللہ تعالیٰ نے چند چیزوں کو ''فرض'' فرمایا ہے پس ان کو مت ضائع کرو اور کچھ چیزیں اس نے ''حرام'' کردی ہیں ان کا ارتکاب نہ کرو، اور بعض چیزوں کی حدود مقرر فرمائی ہیں ان حدود سے تجاوز مت کرو (آگے فرمایا) **و سکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنها** ۔یعنی باقی اشیاء

سے اللہ تعالیٰ نے بغیر نسیان کے سکوت (خاموشی) فرمایا۔ پس تم ان (چیزوں) میں بحث نہ کرو۔''

(الاشباہ والنظائر للسیوطی و دار قطنی)

ملاعلی قاریؒ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی ''لا تبحثوا عن تلک الاشیاء یعنی ان چیزوں سے بحث نہ کرو۔'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں!

''یہ فرمان نبویﷺ بھی دلالت کرتا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی ''هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ .... (البقرہ . 29) سے اباحت ثابت ہوتی ہے۔

(ملاعلی قاری، مراۃ المفاتیح)

ii- **حضرت سعد بن ابی وقاصؓ** سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

''**ان اعظم المسلمین جرماً من سئل من شئی لم یحرم فحرم علی السائل من اجل مسالتہ۔**''

''وہ مسلمان بہت بڑا مجرم ہے جس نے ایسی شئی کے بارے میں سوال کیا جو حرام نہ تھی مگر اس کے سوال کی وجہ سے سائل پر حرام ہوگئی۔''

یہ ارشادِ نبوی ﷺ صراحتاً دلالت کرتا ہے کہ تحریم (حرام ہونے) کے لئے نص (دلیل قطعی) ہونا ضروری ہے۔ اگر نص نہیں تو اباحت (مباح) ہے۔

نوٹ :۔ مذکورہ آیات واحادیثِ مبارکہ کی روشنی میں شریعتِ مطہرہ کا یہ اصول اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت (مباح) ہے۔ یعنی جن اشیاء کو شریعت نے حلال قرار دیا وہ حلال ہے اور جنہیں حرام قرار دیا وہ حرام ہیں۔ اور جن اشیاء کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی اُن کے بارے میں حلال یا حرام کا حکم نہ دیا ہو وہ ''مباح'' اور جائز ہوں گی۔ کیونکہ کسی شئے پر ''شارع'' کا سکوت بذاتِ خود اس شئے کے مباح اور جائز ہونے کی دلیل ہے۔ واضح ہو کہ اسلام میں شارع کی حیثیت صرف خدائے لم یزل اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ اہل ایمان کو ایک منظم زندگی (Disciplined Life) دینے کے لئے بعض چیزوں کو جو ان کے لئے نقصان دہ تھیں بوجوہ حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ دینِ اسلام کے دامنِ رحمت میں ایسی ناروا تنگی اور تکالیف نہیں کہ اُن کو اپنانا مشکل ہو۔ دینِ اسلام سے وابستہ انسان قوانینِ فطرت کے تحت آسان زندگی بسر کرسکتا ہے۔

الحکم الشرعی

(Islamic Law)

حکمِ وضعی کا بیان

(Declaratory Law)

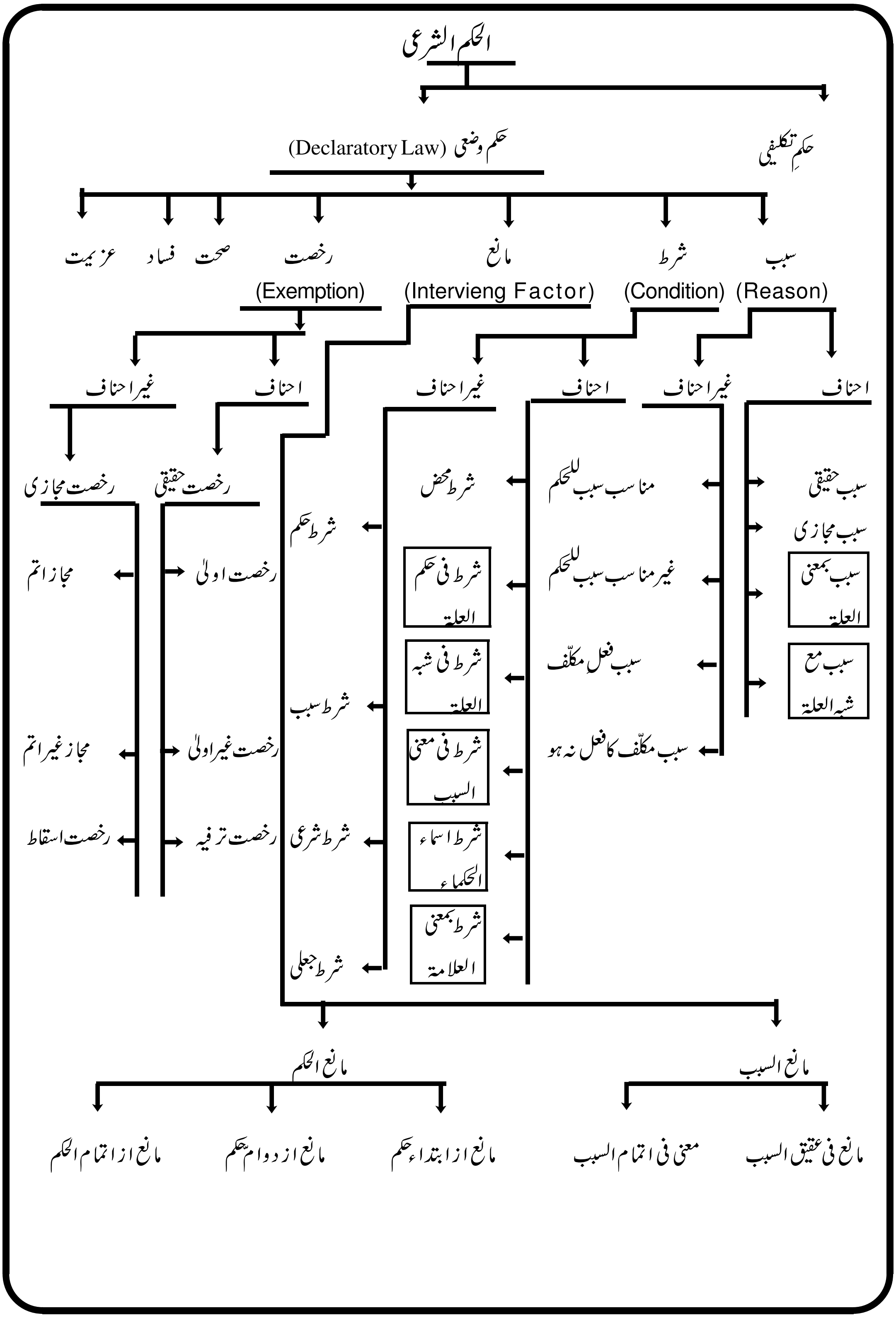
الحکم الشرعی
حکمِ تکلیفی
حکمِ وضعی (Declaratory Law)
سبب (Reason)
شرط (Condition)
مانع (Intervieng Factor)
رخصت (Exemption)
صحت
فساد
عزیمت
احناف
غیر احناف
سبب حقیقی
سبب مجازی
سبب بمعنی العلۃ
سبب مع شبہ العلۃ
مناسب سبب للحکم
غیر مناسب سبب للحکم
سبب فعل مکلّف
سبب مکلّف کا فعل نہ ہو
احناف
غیر احناف
شرط محض
شرط فی حکم العلۃ
شرط فی شبہ العلۃ
شرط فی معنی السبب
شرط اسماء الحکماء
شرط بمعنی العلامۃ
شرط حکم
شرط سبب
شرط شرعی
شرط جعلی
احناف
غیر احناف
رخصت حقیقی
رخصت مجازی
رخصت اولیٰ
رخصت غیر اولیٰ
رخصت ترفیہ
مجاز اتم
مجاز غیر اتم
رخصت اسقاط
مانع السبب
مانع الحکم
مانع فی تحقیق السبب
معنی فی اتمام السبب
مانع ازابتداء حکم
مانع از دوام حکم
مانع از اتمام الحکم

22- حکم وضعی کا بیان

(Declaratory Law)

سوال:45:۔حکم شرعی اور اس کی ایک قسم حکم وضعی سے مراد کیا ہے؟ حکم وضعی کی مزید کتنی اقسام ہیں؟

جواب:۔**حکم کی تعریف**:۔اصولیین (اہل اصول) نے حکم کی تعریف یوں بیان کی ہے!

خطاب اللہ تعالیٰ المتعلق بافعال المکلفین بالاقتضاء او التخییر او الوضع

(صدر الشریعہ، التوضیح)

''اللہ تعالیٰ کا ایسا خطاب جو مکلفین کے افعال سے متعلق ہو اقتضاءً ، اختیاراً یا وضعاً

نوٹ:۔اقتضاء (طلب) اور تخییر و (اباحت) خطاب کی پہلی دوصورتیں حکم تکلیفی کی تعریف میں آجاتی ہیں اور استقرار (اعلان) خطاب کی آخری صورت حکم وضعی کی تعریف میں آتی ہیں۔

حکم شرعی کے اقسام:۔حکم شرعی کے دو اقسام ہیں۔

1- حکم تکلیفی　　2- حکم وضعی

حکم تکلیفی کے متعلق بیان ہو چکا۔اب حکم وضعی کے متعلق تفصیلی بیان درجِ ذیل ہے!

حکم وضعی (Declaratory Law):۔

اصطلاحی تعریف:۔خطاب اللہ تعالیٰ الوارد بکون ھذا الشئِ سبباً فی شئی آخر او شرطاً لہ مانعاً منہ او صحیحا او فاسدا او رخصۃ او عزیمۃ۔

(ابن الحمیری، الحکم الوضعی)

''اللہ تعالیٰ کا ایسا خطاب جو کسی شئے کے دوسری شئے کے لئے سبب یا شرط یا مانع ہونے کو بیان کرے یا اس کے صحیح، فاسد، رخصت اور عزیمت ہونے کو واضح کرے۔''

نوٹ:۔یہی مختار تعریف ہے جس کو جمہور اصولیین نے اسی مفہوم کے ساتھ اختیار کیا ہے۔جیسے امام غزالیؒ ، امام آمدیؒ، امام شاطبیؒ، امام ترمذیؒ وغیرہم۔

لیکن بعض اصولیین نے حکم وضعی کی تعریف میں صرف سبب، شرط اور مانع کے ذکر پر اتفاق کیا ہے جو حکم وضعی کے کلیات (Formulas) ہیں اور سب کے نزدیک متفق علیہ ہیں۔

حکم وضعی کی اقسام معہ تعریفات:۔ فقہاء نے حکمِ وضعی کے درج ذیل سات اقسام بیان کی ہیں۔

1- سبب (Reason) 2- شرط (Condition) 3- مانع (Interviening Factor)

4- صحت (Legal Effectiveness) 5- فساد (Invlidity)

6- رخصت (Exemptive Permission) 7- عزیمت (Decisive Judgment)

نوٹ:۔ حکمِ وضعی کی اِن اقسام پر تمام اصولیین کا اتفاق نہیں ہے بلکہ بعض اصولیین نے اختلاف کیا ہے اور ''صحت''، ''فساد'' کو احکام عقلی میں شمار کیا ہے۔اُن کے نزدیک یہ شرعی احکام نہیں۔اسی طرح بعض اصولیین کا کہنا ہے کہ ''رخصت'' اور ''عزیمت'' بھی حکمِ تکلیفی کی اقسام ہیں نہ کہ حکمِ وضعی کی۔

سوال:46:۔ حکمِ وضعی کی اقسام کے تعریفات اور احکام پر روشنی ڈالئے؟

جواب:۔ حکمِ وضعی کی اقسام اور ان کی اصطلاحی تعریفات درجِ ذیل ہیں!

1- **سبب** (Reason):۔

i- **عند الاحناف:**۔سبب سے مراد وہ شئے ہے جو حکم تک لے جانے کا راستہ ہو اور خود اس حکم میں موثر نہ ہو۔

ii- **عند غیر الاحناف:**۔ سبب ایسے ظاہر اور منضبط وصف کو کہتے ہیں جس کے حکمِ شرعی کی علامت ہونے پر دلیل سمعی (قرآن وسنت) خود دلالت کرے۔

حکمِ سبب:۔

i- جب ''سبب'' پایا جائے گا تو ''مسبب'' لازماً پایا جائے گا کیونکہ سبب مسبب سے جُدا نہیں ہوتا خواہ اس فعل میں مسبب کی نیت کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو۔

مثلاً جو شادی کرے گا اس پر نفقہ واجب ہو جائے گا خواہ اس کی نیت اور ارادہ کرے یا نہ کرے۔

ii- کبھی ''سبب'' پایا جاتا ہے ''مسبب'' نہیں پایا جاتا تو وہ دراصل کسی شرط کے فقدان یا مانع کے وجود کی وجہ سے ہوتا ہے۔مثلاً نصاب کا مالک ہونا، زکوٰۃ کے فرض ہونے کا سبب ہے لیکن کبھی مقروض ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔

2- **شرط**(Condition):۔

i-**عند الاحناف:**۔''شرط وہ اسم ہے جس کی طرف حکم کی اضافت باعتبارِ وجود ہو، باعتبار

وجوب نہ ہو۔'' مثلاً وضو، نماز کے لئے، مال پر سال گزرنا وجوبِ زکوٰۃ کے لئے شرط ہے۔''

ii- **عند غیر الاحناف** :۔''شرط'' ایسے وصف سے عبارت ہے جس کے نہ پائے سے مشروط مفقود (ختم) ہوجاتا ہے لیکن اس کے برعکس شرط کے پائے جانے سے مشروط کا پایا جانا لازمی اورناگزیر نہیں ہوتا۔''

3- **مانع** (Interviening Factor) :۔

اصولیین نے ''مانع'' کی مختلف الفاظ میں تعریفات بیان کی ہیں ان تمام کے مفہوم تقریباً ایک ہی ہیں۔ان میں سے دو تعریفات بیان کی جاتی ہیں!

i- ''مانع ایسا سبب ہے جو کسی ممنوعہ چیز کی علت کے منافی علت کا مقتضیٰ ہوتا ہے۔''

ii- ''مانع وہ سبب ہے جس کے وجوہ سے عدم حکم یا بطلانِ سبب لازم آتا ہے۔مثلاً اقامتِ حد کے باب میں شک کا وجوہ مانع الحکم ہے۔اسی طرح باپ قاتل ہوتو حکمِ قصاص میں اس کی **اُبُـوَّت** (باپ ہونا) مانع الحکم ہے۔''

4- **صحت یا صحیح** (Legal Effectiveness) :۔

i- فقہا کے نزدیک صحت سے مراد کسی فعل کا اس طرح ہونا کہ وہ بالفعل قضا کو ساقط کرنے والا ہو یعنی وہ ہمیشہ اداہی ہو۔

ii- کسی چیز کی ''صحت'' سے مراد یہ ہے کہ اسکی تمام شرائط وارکان پائے جائیں اوراس پر شرعی نتائج بھی مرتب ہوں ''صحیح'' کہلاتی ہے۔''

5- **فساد یا باطل** (Invalidity):۔

i- عندالاحناف :۔احناف کے پاس فساد (فاسد) اور باطل ''عبادات'' میں مترادف (برابر) ہیں البتہ بیع میں (معاملات میں) مختلف ہیں۔پس ''باطل'' وہ فعل ہے جو اصل اور وصف دونوں اعتبار سے ناجائز ہواور ''فاسد'' وہ ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے جائز ہومگر وصف کے اعتبار سے ناجائز۔

ii- عندغیرالاحناف :۔غیراحناف کے نزدیک ''باطل'' اور ''فاسد'' مترادف (برابر) ہیں اور یہ صحیح (صحت) کے مقابلہ میں آتے خواہ یہ ''عبادات'' میں ہوں یا ''معاملات'' میں۔

6- **رخصت** (Exemptive Permission) :۔

i- **عند الاحناف** :۔ ''رخصت'' سے مراد ایسا حکم ہے جو کسی عذر (عارضہ) کی وجہ سے احکام میں بطور تخفیف (سہولت) تنگی سے آسانی پیدا کرے۔

ii- **عند غیر الاحناف** :۔ ایسا حکم جو کسی عذر سے دلیل شرعی کے خلاف ثابت ہو ''رخصت'' کہلاتا ہے ورنہ ''عزیمت'' ہے۔

حکمِ رخصت :۔ رخصت کا حکم مطلقاً اباحت (مباح) ہوتا ہے۔

7- **عزیمت** (Decisive Judgment) :۔

i- **عند الاحناف** :۔ ''عزیمت'' احکام شرعی میں سے ایسے احکام اصلیہ کا نام ہے جو عوارض سے متعلق نہ ہوں۔ احناف کے ہاں عزیمت کے درجے میں فرض، واجب، سنت ونفل شمار ہوتے ہیں۔

ii- **عند غیر الاحناف** :۔ ''عزیمت'' سے مراد وہ حکم ہے جو اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے سے بندوں پر لازم ہوتا ہے۔

نوٹ :۔ عزیمت کی تفصیلات حکم تکلیفی کی اقسام کے تحت بیان ہو چکی ہیں۔

23- سبب اور علت کا بیان
(Reason & Evidence)

سبب کا بیان :۔

سوال :47 :۔ ''سبب'' کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات وضاحت کے ساتھ بیان کیجئے؟

جواب :۔ **لغوی تعریف** :۔

1- **کل شئی یتوصل به الی غیره۔** (ابن منظور، لسان العرب)

''سبب ہر وہ شئے ہے جس کے ذریعہ دوسری شئے تک پہنچا جائے۔''

2- اسم لما یتوصل به الی مقصود۔ (الجرجانی، التعریفات)

''یہ ایسا اسم ہے جس کے ذریعہ مقصود تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔''

مثلاً راستہ، رسی، دروازہ وغیرہ جو مقصود تک پہنچنے کے ذرائع ہیں۔

قرآن میں یہ الفاظ ان ہی معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ جیسے قرآن میں ہے!

i- فَاَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ (الکھف-85)

''پس وہ مزید اسباب کے پیچھے چل پڑا، یہاں تک کہ وہ غروب آفتاب (کی سمت آبادی) کے آخری کنارے پر جا پہنچا۔''

اس آیت میں ''سبب'' کا اطلاق ''راستے'' کے معنیٰ پر ہے۔

ii- فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ (الحج-15)

''اُسے چاہیئے کہ (گھر کی) چھت سے ایک ''رسی'' باندھ کر لٹک جائے۔''

اِس آیت میں ''سبب'' رسی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اصطلاحی تعریف:۔

عندالاحناف:۔ ما یکون طریقاً الی الحکم من غیر تاثیر ۔ (تفتازانی، التلویح)

''سبب سے مراد وہ شئے ہے جو حکم تک لے جانے کا راستہ ہو اور خود اس حکم میں موثر نہ ہو۔''

عندغیرالاحناف:۔

i- وصف ظاهر منضبط دل الدلیل السمعی علی کونه معرفاً لحکم شرعی۔

(آمدی، الاحکام)

''سبب ایسے ظاہر اور منضبط وصف کو کہتے ہیں جس کے حکمِ شرعی کی علامت ہونے پر دلیلِ سمعی یعنی قرآن وسنت خود دلالت کرے۔''

ii- ما وضع شرعاً لحکم لحکمة یقتضیها ذالک الحکم۔

(الشاطبی، الموافقات)

''جو شرعی طور پر کسی حکم کے لئے ایسے حکمت کے پیش نظر بنایا گیا ہو جس کا وہ حکم خود تقاضا کرے۔''

نوٹ:۔ امام شاطبیؒ اس بارے میں فرماتے ہیں!

ان السبب غیر فاعل بنفسه بل انما وقع المسبب عنده لا به۔

''بے شک سبب خود موثر (Active) نہیں ہوتا کیونکہ مسبب اس کی موجودگی میں پہلے سے موجود ہوتا ہے۔''

امام شاطبیؒ کے اس قول کی روشنی میں سبب کے حوالے سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں!

1- شارع کے ''سبب'' بنائے بغیر وہ سبب نہیں بنتا۔

2- ''سبب'' حکمِ تکلیفی کے وجود میں اثر انداز نہیں ہوتا بلکہ صرف اس وجود کی علامت اور اس کے

ظہور کا ثبوت ہوتا ہے۔

سوال:48:۔''سبب'' کی اقسام مع مثالوں کے واضح بیان کیجئے؟

جواب:۔**سبب کی اقسام** (عندالاحناف):۔

احناف کے نزدیک سبب کی درج ذیل چار اقسام ہیں!

1-سببِ حقیقی 2-سببِ مجازی 3-سبب بمعنی العلّة 4-سبب مع شبه العلّة

1- **سبب حقیقی** (Actual Reason) :۔

وھو ما یکون طریقاً الی الحکم من غیر ان یضاف الیه وجوب ولا وجود ولا بعقل فیه معانی العلل۔ (بخاری، کشف الاسرار)

''سبب وہ شئے ہے جو حکم تک پہنچنے کا ذریعہ بنے بغیر اس کے کہ اُسکی طرف اس حکم کے ثبوت یا وجود کی نسبت کی جائے اور اس میں علتوں (دلیلوں) کے معانی بھی نہ پائے جائیں۔''

مثلاً اگر کسی نے کوئی چیز عاریۃً (ادھار) دی اور وہ چیز اسکے استعمال کرنے سے ضائع ہوگئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ چیز ادھار دینے والے کے بجائے کسی اور کی تھی۔ اب اس چیز کا معاوضہ مستعیر (ادھار لینے والے) پر ہوگا نہ کہ معیر (ادھار دینے والے) پر۔ کیونکہ ادھار دینا محض ''سبب'' ہے اور اس چیز کا استعمال کرنا' اس کے ضائع ہونے کی ''علت'' ہے لہٰذا حکم (جرمانہ) کی نسبت بھی اس کے معیر کی طرف ہوگی نہ کہ مستعیر کی طرف (سبب کی طرف)' یعنی عاریۃً دینے والے پر جرمانہ نہیں ہوگا۔

2- **سبب مجازی** (Metaphorical Reason) :۔

وھو ما یکون طریقا الحکم لا فی الحال بل فی المال۔ (سرخسی، الاصول)

''سبب وہ شئے ہے جو حکم کی طرف فوری طور پر نہ پہنچائے بلکہ انجامِ کار اس حکم تک پہنچائے۔''

مثلاً حانث (دروغ حلفی کرنے والا) کا قسم توڑنا کفارے کا سبب ہے۔ یہ سبب مجازاً ہے کیونکہ قسم کھانا اصلاً کفارے کا ''سبب'' نہیں بنتی۔ لہٰذا کفارے کے سبب کا نام مجازاً اعتبارِ مایؤل کے طور پر دیا گیا ہے۔

3- **سبب بمعنی العلة** (سبب بمعنی علت):۔

ھو ما کان العلة مضافة الیه۔ (صدرالشریعہ، توضیح)

''یہ وہ سبب ہے جس کی طرف علت منسوب کی گئی ہو۔''

مثلاً ایک آدمی سواری پر سے کسی کے ڈرانے کی وجہ سے گر کر ہلاک ہوگیا۔ تو اب سوار کے ہلاک ہونے کی ''علت'' نیچے گرنا ہے۔ مگر ''سبب'' ڈرانے والے کا ڈرانا یا سواری کا بدکانہ ہے۔ جو کہ دراصل علۃ العلۃ ہے۔ لہٰذا یہاں قصاص (جان کے بدلے جان لینا) ڈرانے والے پر ہوگا جو کہ ''سبب'' ہے چونکہ علت (سواری سے گرنا) اس حکم کی طرف اضافت کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ گویا یہاں سبب علت کے معنی میں ہوا۔

4- **سبب مع شبه العلة** (سبب مشابہ علت کے ساتھ)

وهو ما يضاف اليه الحكم ثبوتاً عنده ۔ (ابن الحمیری، الحکم الوضعی)

''یہ وہ سبب ہے جس کی طرف حکم اپنے ثبوت میں منسوب کیا جائے۔''

مثلاً ! کسی نے عام راستے میں کنواں کھودا اور راستہ چلنے والا مسافر اس میں گر کر مر گیا۔ کنواں (Well) کھودنا مسافر کی ہلاکت کا ''سبب'' تو بنا مگر ''علت'' وہ اس گزرنے والے کا ثقل (وزن) والا ہونا ہے مگر اس کا وزنی ہونا بھی اسی وقت ہلاکت کی علت بنا، جب وہ کنوے میں گرا تھا۔ گویا کنواں کھودنا علت کے مشابہ (علت جیسا ہی) ہوا' اور اس اعتبار سے یہ حکم اپنے وجود میں کنواں کھودنے کی بنا پر نہیں ہوگا۔ اس لئے یہ کفارے کا موجب نہیں ہوتا بلکہ کھودنے والے پر تلف شدہ کا بدل ہوگا جو کہ دیت (Compensation Amount) ہے کیونکہ تلف (Loss یا ہلاکت) کو کھودنے کی طرف منسوب کیا گیا۔ اس اعتبار سے یہ علت کے مشابہ (Analogous) ہوا۔

اقسام سبب (عند غير الاحناف):۔

غیر الاحناف یعنی دیگر مذاہب (مسلک) کے فقہاء نے مختلف اعتبارات سے ''سبب'' کی اقسام بیان کی ہیں!

1- سبب مناسب للحكم 2- سبب غير مناسب للحكم

3- سبب فعلِ مكلف 4- سبب مكلف کا فعل نہ ہو۔

1- **سبب مناسب للحكم** (سبب جو حکم کے مناسب ہو) :۔

'' جو سبب حکم کے مناسب ہوتا ہے اس (سبب) کو علت کا نام دیا جاتا ہے۔''

(ابن الحمیری، الحکم الوضعی)

مثلاً! i- **سفر** (Travelling)' رمضان میں رخصت (Exemption) کا ''سبب'' ہے۔اِن میں ظاہری مناسبت ہے اِس طرح کے سفر میں مشقّت ہوتی ہے جو کہ تخفیف اور آسانی کا تقاضا کرتی ہے۔

ii- اسی طرح نشہ آور ہونا حرمتِ خمر (شراب کے حرام ہونے) کا ''سبب'' ہے اور یہ سبب حکم کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے کیونکہ نشہ عقل کو ضائع کرتا ہے لہٰذا اِسے حرام ہونا ہی چاہیئے۔

iii- قتلِ عمد (بِالارادہ قتل) قصاص کے واجب ہونے کا سبب ہے اور یہ حکم کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے کیونکہ قصاص (جان کے بدلے جان لینے) سے لوگ ناجائز قتل سے رُک جاتے ہیں اور جانوں کا تحفظ ملتا ہے۔

2- **سبب غیر مناسب للحکم** (سبب جو حکم کے مناسب نہ ہو) :۔

''کبھی سببِ حکم کے مناسب نہیں ہوتا یعنی سبب اور حکم میں ظاہری مناسبت نہیں پائی جاتی۔''

(ابن عبدالسلام ،قواعدالاحکام)

مثلاً !

i- سورج کا ڈھلنا نمازِ ظہر کے فرض ہونے کا ''سبب'' ہے لیکن سورج کے ڈھلنے اور نمازِ ظہر کے فرض ہونے میں کیا مناسبت ہے ہماری عقل اُس کا ادراک (معلوم) نہیں کرسکتی۔لہٰذا یہاں سبب حکم میں ظاہری مناسبت نہیں ہے۔

ii- اسی طرح ماہِ رمضان کا چاند کا نظر آنا روزے کی فرضیت کا سبب ہے۔یہاں بھی سبب اور حکم میں ظاہری مناسبت نہیں پائی جاتی کیونکہ رمضان کے مہینے کے شروع ہونے پر روزہ کے واجب (فرض) ہونے میں کیا مناسبت ہے عقل اِس کا ادراک نہیں کرسکتی۔

3- **سببِ فعلِ المکلف** :۔

''کبھی سبب مکلّف کا فعل ہوتا ہے۔''

مثلاً! چوری ہاتھ کاٹنے کا سبب ہے اور یہ مکلّف کا فعل ہے۔

۔اسی طرح سفر رمضان میں افطار کا سبب ہے اور یہ مکلّف کا فعل ہے۔

4- **سبب مکلف کا فعل نہ ھو** :۔

''کبھی سبب مکلّف کا فعل نہیں ہوتا ہے۔''

مثلاً ! زوالِ شمس (سورج کا ڈھلنا) نمازِ ظہر کے فرض ہونے کا ''سبب'' ہے مگر سورج کا ڈھلنا مکلّف کا فعل نہیں ہوتا۔

5- **کبھی ''سبب'' حکمِ تکلیفی کا سبب بنتا ہے۔**

مثلاً ! نصابِ شرعی کا مالک ہونا زکوٰۃ کے فرض ہونے کا سبب بنتا ہے۔

6- **کبھی ''سبب'' اَثباتِ ملک یا احلالِ ملک** یا دونوں کے زوال کا سبب بنتا ہے۔

مثلاً ! بیع (خرید وفروخت) ملکیت (Property) کے ثبوت (خرید) اورازالے (فروخت) کا دونوں کا سبب ہے۔

۔ وقف (کسی چیز یا مِلک کو اللہ کی قرار دینا) اُس مِلک کے ساقط (Lapsed) ہونے کا سبب بنتا ہے۔یعنی جو چیز وقف کر دی جاتی ہے واپس نہیں لی جاسکتی۔

(وھبۃ الزحیلی، اصول الفقہ)

24-عِلّت کا بیان (Evidence)

سوال:49 :۔''علت'' کے لغوی معنی اور اصطلاحی تعریفات پر روشنی ڈالئے؟

جواب:۔ **لغوی معنی**:۔''علت'' کے کئی لغوی معنیٰ ہیں!

1- مرض 2- تکرار 3- سب یا تمام

نوٹ:۔علماء اصولیین کا ''علت'' کے لغوی معنیٰ میں اختلاف ہے۔

i- بعض کہتے ہیں! علت کا مطلب ایسا وصف ہے جو کسی چیز کی حالت کو تبدیل کر دے۔

مثلاً مرض یا بیماری، جو مریض کی حالت کو تبدیل کر دیتی (کمزور کر دیتی) ہے۔

ii- بعض ''علت'' سے مراد ایسا وصفِ امر بھی لیا ہے جو شریعت کے حکم کو ثابت کرنے والا ہو، کیونکہ وہ منصوص علیہ کے حکم کو خصوص سے عموم میں تبدیل کر دیتی ہے۔

iii- بعض نے کہا کہ علت، علل سے ماخوذ ہے اور اس کا مطلب ''**الشربة بعد الشربة**'' (بار بار پینا) یعنی تکرار ہے۔اور شرع میں ایسے وصف کو علت کا نام دیتے ہیں جو شرع میں حکم کو ثابت کرتا رہتا ہے کیونکہ اس کے تکرار سے حکم کا تکرار ہوتا ہے۔ (ابن الحمیری، الحکم الوضعی)

علت کی اصطلاحی تعریفات :۔

حکم میں علت کی تاثیر اور عدم تاثیر کے اعتبار سے علت کی تعریف کے بارے میں اصولیین کے متعدد اقوال ہیں۔

1- **پہلا قول**:۔

یہ قول امام رازیؒ، امام بیضاویؒ، امام ابن سبکیؒ اور ان کے متبعینِ اصولیین کا ہے!

''المعروف الحکم'' علت حکم کے وجود کو ثابت کرنے اور اس کی پہچان کروانے والے وصف کو کہتے ہیں۔یعنی وجودِ علت از خود وجودِ حکم پر دلالت کرتا ہے اور جب علت نہ پائی جائے تو حکم بھی نہیں پایا جائے گا، قطع نظر اس کے کہ وہ (علت) حکم میں کتنی اور کیسے موثر ہے یا نہیں ہے۔

(رازی، المحصول۔ بیضاوی، نہایۃ السوال)

2- **دوسرا قول** :۔

''ان العلة بمعنی الباعث''یعنی''علت'' باعث کے معنی میں۔

یہ قول امام آمدیؒ، ابن الحاجبؒ اور صدر الشریعہ کا ہے۔

امام آمدیؒ کہتے ہیں'' قول مختار (پسندیدہ) یہ ہے کہ علت اصل میں باعث کے معنی میں ہے''

(باعث سے مراد ایسی حکمت ہے جس کی خاطر شریعت میں وہ حکم وضع کیا گیا)

3- **تیسرا قول** :۔

''ھی المؤثر فی الحکم بجعله تعالیٰ لا بالذات ''۔ (غزالی، شفا الخلیل)

''علت سے مراد ایسا وصف (اثر) ہے جو حکم میں موثر ہوتا ہے، یہ تاثیر اللہ تعالیٰ کے بنائے سے واقع ہوتی ہے از خود نہیں۔''

یہ قول امام غزالیؒ اور جمہور احناف کا ہے صاحبِ کشف الاسرار نے بھی اس قول کو اختیار کیا ہے۔

4- **چوتھا قول** :۔

''المؤثر فی الحکم بذاته''۔ (اصفہانی، شرح المحصول)

''علت حکم میں از خود موثر ہوتی ہے۔''

یہ قول معتزلہ کا ہے۔

25-سبب اور علت کا باہمی تعلق
(Mutual relevance of Reason & Evidence)

سوال:50:۔سبب اور علت کا باہمی تعلق کو واضح بیان کیجئے ؟

جواب:۔**سبب اور علت کا باہمی تعلق**:۔

''سبب'' اور ''علت'' اِس امر (بات) میں متفق (ایک ہی) ہیں کہ اُن میں ہر ایک ''حکم'' کے وجود کی علامت ہے اور اُن دونوں کے ساتھ ''حکم'' وجود یا عدم کے اعتبار سے مربوط ہوتا ہے۔لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ اگر ''حکم'' اور اُن (سبب اور علت) کے درمیان تعلق کی جو مناسبت ہے اگر وہ ظاہر ہو اور عقل اس کا ادراک کر سکے تو اُسے ''سبب'' اور ''علت'' دونوں نام دیئے جاتے ہیں۔اور اگر اُن میں مناسبت ظاہر نہ ہو اور عقل اُس کا ادراک نہ کر سکے تو اُسے صرف ''سبب'' کا نام دیتے ہیں، ''علت'' کا نہیں۔مثلاً

ظاہری مناسبت کی مثال ''غسل جنابت'' کا واجب ہونا یا زانی پر ''حد'' قائم کرنا وغیرہ ہے۔

اِس مثال میں اُن کے حکم اور علت میں ظاہراً مناسبت ہے لیکن نجس خارج ہونے پر صرف اعضائے وضو کو دھونا کیوں ضروری ہے وغیرہ' یہ ایسے احکام ہیں کہ عقل اُن کی حکمت کا ادراک (perception) نہیں کر سکتی۔

چنانچہ علامہ علائیؒ لکھتے ہیں!

''علت'' کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اور اُس پر مترتب ہونے والے حکم کے درمیان بہر صورت مناسبت ہو اور رہا ''سبب'' تو اُس کی صورت مختلف ہے۔اُس میں کبھی مناسبت ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔ (علائی،قواعد)

عند الاحناف:۔

احناف دو اعتبار سے علت اور سبب میں فرق کرتے ہیں!

i- ''علت'' کی طرف حکم اصالۃً (براہ راست) منسوب ہوتا ہے۔

ii- دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مناسبت اس قدر ظاہر ہو کہ عقل اس کا ادراک کر سکے۔

عند غیر الاحناف:۔

غیر احناف (شوافع وغیرہ) کے نزدیک سبب،علت سے مدلول ہونے کے اعتبار سے زیادہ ''عام'' General ہے اور ان کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت پائی جاتی ہے اور علت،سبب ہی کی ایک قسم ہے۔اس

کے مقابل نہیں چنانچہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں!

''یہ گمان مناسب نہیں ہے کہ سبب، علت کے علاوہ کسی علیحدہ جنس کا نام ہے۔''

خلاصہ:۔ پس خلاصہ یہ ہوا کہ شوافع (غیر احناف) کے نزدیک سبب، علت سے زیادہ اہم ہے اور یہ دونوں ایک ہی قسم کے دو نام ہیں۔ جب کہ احناف کے نزدیک یہ دونوں مختلف اور الگ الگ قسم ہیں ایک قسم نہیں۔

26- شرط کا بیان

(Condition)

سوال: 51:۔ شرط کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات اور اس کی اقسام بیان کیجئے؟

جواب:۔ **لغوی تعریف**:۔

الشرط فی اللغة الزام شیئی و التزامه

''لغت میں شرط کے معنی کسی چیز کو لازم کرنے یا کسی چیز کے لازم ہونے کے ہیں''۔

(ابن منظور۔ لسان العرب)

نوٹ:۔ اگر ''شرط'' کے ''ر'' پر زبر ہو تو اُس کا مطلب ''علامت'' ہے۔

شرط کی اصطلاحی تعریف:۔

عند غیر الاحناف:۔

الشرط عبارة عما لا یوجد المشروط مع عدمه و لا یلزم ان یوجد عند وجوده

''شرط ایسے وصف سے عبارت ہے جس کے نہ پائے جانے سے مشروط مفقود (ختم) ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اُس کے پائے جانے سے مشروط کا پایا جانا لازمی اور ناگزیر نہیں ہوتا۔''

(غزالی، المستصفی)

عند الاحناف:۔

الشرط اسم لما یضاف الحکم الیه وجودا عنده لا وجوبا به

''شرط وہ اسم ہے جس کی طرف حکم کی اضافت باعتبارِ وجود ہو باعتبارِ وجوب نہ ہو۔ مثلاً وضو نماز کے لئے، مال پر سال گزرنا وجوب زکوٰۃ کے لئے شرط ہے۔'' (اصول سرخسی)

اقسامِ شرط:۔

عند غیر الاحناف:۔

1-**سبب اور مسبب سے تعلق کے اعتبار سے، شرط کی دو قسمیں ھیں!**

i-**شرطِ حکم** :۔اس کا مطلب ہے کہ شرط، حکم کے لئے شرط ہو۔مثلاً۔زکوۃ کے لئے سال کا گزرنا۔

ii- **شرط سبب** :۔اس کا مطلب ہے کہ شرط' سبب کے لئے شرط ہو۔مثلاً۔شادی شدہ ہونا اس زنا کے لئے شرط جو وجوب رجم (کنکریاں مارنے) کا سبب ہے۔

II- **ماخذ کے اعتبار سے شرط کی اقسام:۔**

i- **شرطِ شرعی**:۔جو شرط شارع (شریعت) کے حکم سے مقرر ہوئی ہو شرطِ شرعی کہلاتی ہے۔ مثلاً معاہدات،عبادات اور اقامتِ حدود کی شرائط۔

ii- **شرطِ جعلی**:۔وہ شرط جو شریعت کی طرف سے نہیں بلکہ اسے مکلّف نے اپنے تصرف اور ارادے سے مقرر کیا ہو۔مثلاً۔مکلّف کی طرف سے وقف(Endowment) ،وھب(Gift) اور وصیت(Will) کے لئے شرط۔

عند الاحناف:۔احناف کے نزدیک''شرط'' کی اپنی خاص تقسیم حسب ذیل ہے!

1-**شرط محض** 2- **شرط فی حکم العلة** 3- **شرط فی شبهة الحلة**

4- **شرط فی معنی السبب** 5- **شرط اسما الاحکما** 6- **شرط بمعنی العلامة**

1- (بزدوی الاصول) 2- (بخاری،کشف الاسرار)

27-رُکن کا بیان (Essential):۔

سوال :52:۔رُکن کا لغوی معنی اور اصطلاحی تعریف بیان کرو اور سبب،رُکن اور شرط کا آپس میں ربط پر روشنی ڈالئے؟

جواب:۔ لغوی معنی:۔

رکن الشیء لغة جانبه القوی فیکون عینه۔

رُکن عینِ حقیقت یا عین کا جز ہوتا ہے یعنی اس چیز یا عمل کی حقیقت میں داخل ہوتا ہے۔گویا رُکن کا لغوی معنی کسی چیز کا جز ہوتا اور کسی چیز کا قوی کنارہ ہے۔ (الزحیلی۔اصول الفقہ)

اصطلاحی تعریف:۔احناف کے نزدیک رُکن کی تعریف یہ ہے!

ركن الشيء ما يتم له وهو داخل فيه بخلاف شرطه وهو خارج عنه

''رُکن وہ حکم ہے جس کے ذریعہ سے کسی شئ کی تکمیل ہو اور وہ اس (شئ کی حقیقت) میں داخل ہو۔ یہ شرط کے برعکس ہے کیونکہ ''شرط'' شئ کی حقیقت سے خارج ہوتی ہے۔ مثلاً نماز میں قیام، رکوع، سجود ارکان صلوٰۃ ہیں، نماز کا حصہ ہیں اور ان میں سے کسی ایک رُکن کے بھی ادا نہ کرنے سے نماز کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ جب کہ وضو کرنا، وقت کا ہونا، سترِ عورت (جسم کا کپڑے سے ڈھکنا) نماز کی شرائط میں سے ہے اور یہ نماز کا حصہ نہیں یعنی نماز کی حقیقت سے خارج ہیں۔ (عمیم الاحسان، قواعد الفقہ)

حُکم:۔

''رُکن'' کسی شئ کے وجود کے لئے لازمی ہوتا ہے۔ اسکے بغیر وہ شئ (عمل) ادا ہی نہیں ہوتی۔

سبب، رُکن اور شرط کا آپس میں ربط:۔

i- **سبب اور رُکن میں فرق**:۔''سبب'' اور ''رُکن'' ایک اعتبار سے بالکل ایک دوسرے کے مماثل ہیں کیونکہ ''حُکم'' کے وجود کا انحصار ان دونوں (سبب اور رُکن) پر ہوتا ہے۔ یعنی ''سبب'' یا ''رُکن'' پایا جائے تو ''حُکم'' بھی پایا جائے گا اور اگر سبب یا رُکن نہیں ہوگا تو حکم بھی نہیں ہوگا۔

۔سبب اور رُکن ایک اعتبار سے باہم مختلف ہیں کیونکہ ''رُکن'' اس شئ کی ماہیت (حقیقت) میں داخل ہوتا ہے جب کہ ''سبب'' اس کی ماہیت سے خارج ہوتا ہے۔

مثلاً! قرابت وراثت کا ''سبب'' ہے اور وراثت کی ماہیت سے خارج ہے جب کہ رکوع، نماز کا ''رُکن'' ہے اور نماز کی ماہیت میں داخل ہے۔

ii- **شرط اور رُکن میں فرق**:۔کسی شئ کے وجود (ہونے) کا انحصار ''رُکن'' اور ''شرط'' دونوں پر ہوتا ہے۔ مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ ''رُکن'' اُس شئ کی حقیقت کا حصہ ہوتا ہے۔

مثلاً! ایجاب وقبول عقد نکاح کے ''رُکن'' ہیں اور یہ عقد نکاح کی حقیقت کا حصہ ہیں، ''شرط'' اس شئ کی حقیقت سے خارج ہوتی ہے۔ پس ''رُکن'' میں خلل (Flaw) عقد کو باطل (False) کر دیتا ہے۔ جبکہ ''شرط'' میں خلل عقد (نکاح) کو فاسد کرتا ہے باطل نہیں۔ البغايا اللاتي ينكحن انفسهن من غير بينة. (ترمذی)

مثلاً ! عقد میں دو گواہوں کی موجودگی ''شرط'' ہے اس میں خلل (خرابی یا کوتاہی) واقع ہو تو عقد باطل (جھوٹا) نہیں ہوتا بلکہ فاسد (خراب) ہو جاتا ہے۔ **انفسهن من غير بينة**

28-مانع کا بیان

(Interviening Factor)

سوال :53:۔''مانع'' کے لغوی معنی اور اصطلاحی تعریفات بیان کرو اور مانع کی اقسام، اور اُن کی مختلف صورتوں پر روشنی ڈالئے؟

جواب: **لغوی معنی**:۔لغت میں ''مانع'' کا مطلب ''کسی چیز کا دو چیزوں کے درمیان حائل (Intervien) ہونا'' ہے۔ (لسان العرب)

نوٹ:۔''منع'' یہ ضد ہے ''عطا'' کرنے کی۔

اصطلاحی تعریفات:۔

1- المانع هو السبب المقتضى لعلة تنا فى علة مامنع ۔

''مانع ایسا سبب ہے جو کسی ممنوعہ چیز کی علت کے منافی علت کا مقتضی (لازم) ہوتا ہے۔''

(الشاطبی۔الموافقات)

2- هو ما يلزم من وجوده عدم الحكم او بطلان السبب

''مانع وہ سبب ہے جس کے وجود سے عدمِ حکم یا بطلانِ سبب لازم آتا ہے۔''

(زحیلی۔اصول الفقہ)

3- المانع ما يلزم من وجوده العدم ولا يلزم من عدمه وجود ولا عدم لذاته

''مانع وہ حکم ہے جس کے وجود سے حکم کا معدوم (لاگونہ) ہونا لازم آجاتا ہے مگر اس (مانع کے) عدم سے حکم کا موجود ہو جانا' نہ ہونا دونوں لازم نہیں ہوتے۔''

۔دوسرے الفاظ میں ''مانع'' سے مراد یہ ہے کہ مانع کا وجود حکم کے عدم کو مستلزم (لازم) ہوتا ہے مگر مانع کا عدم، حکم کے وجود کو مستلزم نہیں ہوتا۔ (ابن الحمیری۔الحکم الوضعی)

''مانع'' کی اقسام:۔

1- **مانع الحكم**　2- **مانع السبب**

1- **مانع الحکم کی تعریف:۔**

هو الامر الذی يترتب على وجوده عدم ترتب الحكم على سببه مع تحقق السبب۔

''مانع الحکم سے مراد ایسا ''منع'' ہے جس کی موجودگی کے باعث حکم اپنے سبب کے پائے جانے کے باوجود اس پر مترتب (لاگو) نہ ہو سکے۔'' (زحیلی۔الوجیز)

مثلاً! باپ قاتل ہو تو حکمِ قصاص میں اس کی ابوت (باپ ہونا) مانع الحکم ہے۔

اسی طرح اقامتِ حد (سزا کا تعین) کے باب میں شک کا وجود مانع الحکم ہے۔

مانع الحکم کی صورتیں:۔

i- مانع از ابتداء حکم ii- مانع از اتمامِ حکم iii- مانع از دوامِ حکم

i- **مانع از ابتداء حکم:۔** ''ایسا ''مانع'' جس کی وجہ سے حکم سرے سے مرتب ہی نہ ہو سکے۔''

مثلاً:۔ بیع (تجارت) کے معاملے میں خیار (اختیار) شرطِ مانع کے طور پر بیع کے حکم (ملکیت) کے مرتب ہونے کو روکتا ہے۔

ii- **مانع از اتمامِ حکم:۔** ''ایسا مانع جس کے ساتھ حکم مترتب تو ہو مگر کامل نہ ہو۔''

مثلاً! بیع میں خیار رویۃ (دیکھنے کا اختیار)، اس صورت میں بیع پر اس کا حکم یعنی ملکیت تو مرتب ہو جاتی ہے مگر بیع کامل نہیں ہوتی، بلکہ ناقص رہتی ہے۔

iii- **مانع از دوامِ حکم:۔** ''ایسا مانع جس کے ساتھ حکم مرتب اور مکمل تو ہو جائے مگر اس حکم کو لزوم اور دوام حاصل نہ ہو۔''

مثلاً! خیارِ عیب (عیب ہونے) کی صورت میں بیع کا حکم کامل تو ہوتا ہے مگر خیارِ عیب سے بیع کو ختم کر دینے کا حق بھی باقی رہتا ہے یعنی حکم کے لزوم کو دوام حاصل نہیں ہوتا۔

2- **مانع السبب کی تعریف:۔**

هو الامر الذی يلزم من وجوده عدم تحقق السبب

''مانع السبب سے مراد ایسا مانع ہے جس کے پائے جانے سے سبب محقق (ثابت) نہیں ہوتا۔''

(زحیلی۔الوجیز فی اصول الفقہ)

مثلاً! قرضہ (Loan) فرضیتِ زکوٰۃ کے لئے مانع ہے۔، اختلافِ دَین (غیر مسلم ہونا) استحقاقِ

وراثت کے لئے مانع کا درجہ رکھتا ہے۔یعنی متوفی کی اولاد میں سے کوئی غیر مسلم ہوتو وہ مستحقِ وراثت نہیں رہے گا۔

مانع السبب کی صورتیں:۔

i-مانع فی تحقق السبب ii-مانع فی اتمام السبب

i-**مانع فی تحقق السبب**:۔''یہ مانع کی وہ صورت ہے جو سبب کو سبب بننے سے روک دیتی ہے۔ مثلاً! نصاب جو کہ وجوبِ زکوٰۃ کا سبب ہے لیکن اگر نصاب کی مقدار کے برابر قرض ہو تو یہ قرض، نصاب کو نصاب بننے سے ہی روک دے گا۔

ii-**مانع فی اتمام السبب**:۔''ایسا مانع جو سبب کو کامل ہونے سے روکے۔''

مثلاً! نصابِ زکوٰۃ کا سال پورا ہونے سے پہلے ضائع ہو جانا۔

29-صحت (صحیح) کا بیان

(Legal Effectiveness)

سوال:54:۔ صحت یا صحیح کا لغوی معنی اور اصطلاحی تعریفات بیان کیجئے؟

جواب: **لغوی معنی**:۔لغت میں''صحت'' کا مطلب سلامتی اور بیماری سے محفوظ رہنا ہے۔صحت سے مراد صحیح اور درست ہونے کے بھی آتے ہیں!

اصطلاحی تعریفات:۔

i- **وھبۃ الزحیلی**ؒ:۔

هو ما استوفى اركان الشئى و شروطه الشرعية و ترتيب عليه آثاره شرعية۔

''جس چیز کے ارکان اور شرعی شرائط پوری ہوں اور اُس پر شرعی اثرات مرتب ہوں تو وہ''صحیح'' کہلاتی ہے۔''لیکن معاملات اور عبادات میں''صحت'' کے اطلاق میں تھوڑا فرق ہے۔

(زحیلی۔الوجیز فی اصول الفقہ)

ii- **امام بخاری**ؒ صاحبِ کشف الاسرار(عبادات کے صحیح ہونے کے حوالے سے لکھتے ہیں!

الصحة عند الفقها عبارة عن كون الفعل مسقطاً للقضاء بالفعل۔

''فقہاء کے نزدیک صحت سے مراد کسی فعل کا اِس طرح ہونا ہے کہ وہ بالفعل قضا کو ساقط کرنے والا ہو یعنی وہ ہمیشہ''ادا'' ہی ہو۔'' (بخاری۔کشف الاسرار)(آمدی۔الاحکام)

iii- اسی طرح **فقہاء** معاملات کے حوالے سے لکھتے ہیں!

و فی عقود المعاملات معنی الصحة کون العقد سبباً لترتب ثمراتة المطلوبة علیه شرعاً

''معاملات کی عقود (Establishment) میں ''صحت'' کا مطلب یہ ہے کہ ''عقد'' اپنے مطلوبہ شرعی نتائج کے مترتب ہونے کا سبب ہے۔'' (بخاری۔کشف الاسرار)

خلاصہ :۔کسی چیز کی ''صحت'' سے مراد یہ ہے کہ اُس کی تمام شرائط وارکان پائے جائیں اور اُس پر مطلوبہ شرعی نتائج بھی مرتب ہوں البتہ معاملات اور عبادات میں صحیح (صحت) کے اطلاق میں تھوڑا سے فرق ہے جس کو فقہاء نے مذکورہ بیان میں صراحت سے فرمایا ہے۔

30- فاسد و باطل کا بیان

(Invalidity)

سوال:55:۔''فاسد'' اور ''باطل'' کے لغوی معنی اور اصطلاحی تعریفات بیان کیجئے؟

جواب : **فاسد کے لغوی معنی** :۔کسی چیز کا اپنی حالتِ سلیمہ سے بدل جانا اور اعتدال سے خارج ہو جا ''فاسد'' کہلاتا ہے۔یہ ''صالح'' کی ضد بھی ہے۔

''صالح''، میں شرعی مصلحت تمام وکمال پوری ہوتی ہے۔فاسد میں اس کا نقص (Defect) ہو جاتا ہے۔

(ابن منظور۔لسان العرب)

باطل(Invalid):۔

''باطل'' کا لغوی معنی کسی چیز کے حکم کا فساد کی وجہ سے ساقط (Lapse) ہونا ہے۔

(ابن منظور۔لسان العرب)

اصطلاحی تعریف:۔

عند غیر الاحناف:۔غیر احناف کے نزدیک باطل اور فاسد مترادف (برابر) ہیں اور یہ ''صحیح'' کے مقابلے میں آتے ہیں۔خواہ عبادات ہوں یا معاملات ہوں۔ (سبکی۔جمع الجوامع)

عند الاحناف :۔احناف کے نزدیک فاسد اور باطل عبادات میں ایک معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔لیکن معاملات میں اس کا معنی اور اطلاقات مختلف ہیں۔

پس ''باطل'' وہ فعل ہے جو اصل اور وصف (اثر) دونوں اعتبار سے ناجائز ہو اور ''فاسد'' وہ ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے جائز ہو مگر وصف کے اعتبار سے ناجائز۔ (ابن الجسیم۔الاشباہ والنظائر)

فقہائے احناف نے ''فاسد'' اور ''باطل'' کی تعریف یوں بیان کی ہیں!

الفاسد:۔ ھو ما کان مشروعاً باصلہ دون وصفہ۔

''فاسد جو اصل کے اعتبار سے مشروع (جائز) ہو لیکن کسی وصف کی وجہ سے غیر مشروع (ناجائز) ہو۔''

باطل: مالم یشرع باصلہ ولا بوصفہ۔

''جو اپنی اصل اور وصف دونوں کے اعتبار سے ناجائز ہو۔

(ابن نجار۔شرح الکوکب المنیر)

31- عزیمت کا بیان

(Decisive Judgment)

سوال:56:۔''عزیمت'' کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات بیان کیجئے؟

جواب: **لغوی تعریف**:۔

العزم ما عقد علیہ قلبک من امر انک فاعلہ۔

''ایسا معاملہ جس کے کرنے کے لئے آپ کا دل خوب پختہ ہو جائے۔'' (ابن منظور۔لسان العرب)

آیتِ قرآنی بھی ہے! فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا (طٰهٰ - 115)

(پس وہ بھول گیا اور ہم نے ایسا کرنے پر اس کا ارادہ نہ پایا)

اصطلاحی تعریف:۔

1- **عند الاحناف**:۔

i- **امام بزدویؒ**:۔

العزیمۃ فی الاحکام الشرعیہ اسم لما ھو اصل منھا غیر متعلق بالعوارض

''عزیمت احکام شرعی میں سے ایسے احکامِ اصلیہ کا نام ہے جو عوارض سے متعلق نہ ہوں۔ (البزدوی۔الاصول)

ii- **صدر الشرعیہ**:۔

ھی الحکم الاصلی غیر المبنی علی اعذار العباد

ایسا حکمِ اصلی جو بندوں کے عذر پر مبنی نہ ہو ''عزیمت'' کہلاتا ہے۔ (صدر الشریعہ۔التوضیح)

2- **عند غیر الاحناف**:۔

i- **امام غزالیؒ**:۔

العزیمة ما لزم العباد بایجاب الله تعالی ۔ (غزالی۔المستقلی)

''عزیمت سے مراد وہ حکم ہے جو اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے سے بندوں پر لازم ہوتا ہے۔''

ii- **امام شاطبیؒ**:۔

ما شرع من الاحکام الکلیة ابتداءً۔

''وہ کلی احکام جو ابتداء ہی سے شروع ہوں 'عزیمت کہلاتے ہیں۔'' (الشاطبی۔الموافقات)

نوٹ:۔احناف کے ہاں ''عزیمت'' کی چار اقسام ہیں! فرض۔واجب۔سنت۔نفل۔

32-رخصت کا بیان

(Exemptive Permission)

سوال:57:۔''رخصت'' کا لغوی معنی اور اصطلاحی تعریفات معہ حکمِ رخصت بیان کیجئے؟

جواب: **لغوی معنی**:۔

رخصت کے لغوی معنی سہولت اور آسانی کے ہے۔ (لسان العرب)

اصطلاحی تعریف:۔

1- **عند غیر الاحناف**:۔

i-الرخصة ما جاز فعله لعذر مع قیام السبب المحرم۔

''رخصت سے مراد ایسا حکم ہے جو جائز ہو باوجود اس کے کہ اس کے حرام ہونے کا سبب موجود ہو۔''

ii-الحکم ان ثبت علی خلاف الدلیل لعذر فرخصة و الا فعزیمة۔

''حکم اگر کسی عذر کی وجہ سے دلیلِ شرعی کے خلاف ثابت ہو تو ''رخصت'' کہلاتا ہے ورنہ وہ ''عزیمت'' ہے۔''

2- **عند الاحناف**:۔

i- الحکم الثابت علی خلاف الدلیل لمعارض راجح۔

''رخصت سے مراد ایسا حکم ہے جو دلیلِ شرعی کے برعکس ثابت ہومگر کسی قوی عذر (Excuse) کی بناء پر۔'' (بخاری۔کشف الاسرار)

ii- ھی ما تغیر من عسر الی یسر من الاحکام تخفیفاً لعذر

''رخصت سے مراد وہ حکم ہے جو کسی عذر کی وجہ سے احکام میں بطورِ تخفیف تنگی سے آسانی پیدا کرے۔'' (بہاری۔مسلم الثبوت)

حکمِ رخصت:۔

ان حکم الرخصة مطلقاً الا باحة۔

''رخصت کا حکم مطلقاً ''اباحت'' (مباح) ہے۔ (الشاطبی الموافقات)

سوال:58:۔''رخصت'' کی مختلف اقسام وضاحت کے ساتھ بیان کیجئے؟

جواب: رخصت کے اقسام:۔

1- **عند غیر الاحناف:۔**

i- **واجبة** :۔مثلاً مجبور کا ہلاکت کے خوف س حرام کھا کر جان بچانا۔

ii- **مندوبة**:۔مثلاً منگیتر کا شادی سے قبل دیکھنا۔

iii- **مباحة**:۔مثلاً سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ دینے میں عجلت کرنا۔

iv- **خلافِ اولیٰ** :۔انتہائی حالتِ اکراہ میں کلمہ کفر کہنا۔

2- **عند الاحناف**:۔بنیادی دو اقسام ہیں۔جن کے مزید دو دو قسمیں ہیں!

i-**رخصتِ حقیقی**:۔(a) حقیقی اولیٰ (b) حقیقی غیر اولیٰ

ii- **رخصتِ مجازی**:۔ (a) مجازِ اتم (b) مجازِ غیر اتم

(i)۔(a)۔**رخصتِ حقیقی اولیٰ**

ما استبیح مع قیام المحرم و الحرمة لکلمة الکفر مکرھا۔

''وہ امر جو دلیل محرم (جرم پر دلیل) اورحرمت کے پائے جانے کے باوجود مباح قرار دیا گیا ہو۔ (صدرالشریعہ۔التوضیح)

(i)۔(b)۔**رخصت حقیقی غیر اولیٰ**:۔

ما استبیح مع قیام المحرم دون الحرمة کافطار المسافر۔

''وہ امر جو فقط دلیل محرم کے ہوتے ہوئے مباح ہو البتہ حرمت قائم نہ ہو۔''

مثلاً! مسافر کے لئے ''افطار'' مباح (جائز) ہے۔ (صدرالشریعہ۔التوضیح)

ii- ۔(a) **رخصت مجاز اتم**:۔

ما وضع عنا من الامر والاغلال یسمی رخصة مجاز لان الاصل لم یبق مشروعا اصلا۔

''وہ امور جو ہم سے بوجھل اور تکلیف دہ ہونے کی وجہ سے اُٹھا دیئے گئے ہیں' انہیں مجازاً رخصت کہا جاتا ہے' کیوں کہ ان کی مشروعیت (جائز ہونا) کسی کے حق میں باقی نہیں رہتی۔''

مثلاً گزشتہ شریعتوں کے وہ تکلیف دہ احکام جو شریعتِ محمدی ﷺ میں منسوخ کردئے گئے ہیں۔''جیسے مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ نماز کا جائز نہ ہونا۔'' (صدرالشریعہ۔التوضیح)

(ii)۔(b)۔ **رخصت غیر مجاز اتم**:۔

اتم فی المجازبہ او اقرب الی الحقیقة ما سقط مع کونہ مشروعا فی الجملة فمن حیث انه سقط کان مجازا ومن حیث انه مشروع فی الجملة۔

''مجازِ اتم یا اقرب الی حقیقت وہ ''رخصت'' ہے جو جائز ہونے کے باوجود ساقط (ناجائز) ہو چکی ہو۔ساقط ہونے کی حیثیت سے وہ رخصت مجازی ہے اور مشروع (جائز) ہونے کی حیثیت سے رخصتِ حقیقی ہے۔''

(صدرالشریعہ۔التوضیح)

مثلا! بیع سلم (معدوم شئے کی تجارت) جو شریعت میں ''باطل'' ہے لیکن ضرورت و حاجت کی بناء پر شریعت اس کی اجازت دیتی ہے۔مثلاً! آرڈر پر چیزیں تیار کروانا وغیرہ۔

رخصت کی مزید دو اقسام:۔

احناف کے ہاں رخصت کی دو مزید اقسام بیان کی گئی ہیں!

1- **رخصتِ ترفیه** 2- **رخصتِ اسقاط**

1- **رخصتِ ترفیه**:۔ یہ ایسی ''رخصت'' ہے جس میں رخصت کے باوجود عزیمت کا حکم باقی رہے۔۔مثلاً! جان بچانے کے لئے کلمۂ کفر کہنا رخصت ہے لیکن اگر کلمۂ کفر نہ کہے اور قتل ہو جائے تو یہ

عزیمت ہے اِن دونوں صورتوں کو اختیار کرنا جائز ہے مگر بہتر عزیمت ہے۔

2- **رخصتِ اسقاط**:۔ایسی ''رخصت'' ہے جس میں عزیمت کا حکم باقی نہ رہے۔مثلاً شدت بھوک (جان بچانے کی حد تک) مردار کھانا ''رخصت'' ہے،اوراس کو اختیار کرنا ''واجب'' ہے اس میں ''عزیمت'' کی اجازت نہیں۔ (وھبہ الزحیلی۔الوجیز۔فی اصول الفقہ)

خلاصہ:۔امام وھبۃ الزحیلیؒ نے احناف کی بیان کردہ اقسامِ رخصت کی حسبِ ذیل تفصیل بیان فرمائی ہے!

1- ''ضرورت اور حاجت کے وقت حرام فعل کا مباح ہونا۔''

مثلاً! مجبوری کی حالت میں کلمۂ کفر کہنا بشرطیکہ دل اایمان پر مطمئن ہو۔

اُسی طرح حالت مجبوری میں رمضان کے روزے کی قضا،شدید پیاس میں شراب کی اجازت وغیرہ۔جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے!

مَنْ كَفَرَ بِاللهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ. (النحل. 106)

''جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے سوائے اس کے جیسے انتہائی مجبور کردیا گیا مگر اس کا دل (بدستور) ایمان سے مطمئن ہے۔''

2- ''مشقت کی صورت میں ترکِ واجب کی اجازت ہے۔''

مثلاً! مسافر اور بیمار کے لئے رمضان کے روزے کی قضاء کی اِجازت۔آیتِ قرآنی ہے!

''جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں (کے روزوں) سے گنتی پوری کرے۔'' (البقرہ184)

3- ''لوگوں کی حاجت کے پیشِ نظر مقررہ قواعد کے خلاف معاہدات وتصرفات کی اجازت۔''

مثلاً! بیع سلم (معدوم شئے کی بیع) جیسے آرڈر پر چیزیں تیار کروانا۔

4- ''اُن تکلیف دہ احکام کا خاتمہ جو سابقہ شریعتوں میں مشروط ہیں لیکن امت محمدی ﷺ کے لئے تخفیف کردی گئی۔''

مثلاً! (i) سابقہ اُمتوں میں گناہوں کی توبہ کے لئے اپنی جان کو قتل کرنا پڑتا تھا۔

(ii) سابقہ اُمتوں میں ناپاک کپڑے کو پاک کرنے کے لئے نجاست والے حصہ کو کاٹنا پڑتا تھا وغیرہ۔اُمتِ محمدی ﷺ میں یہ احکام تبدیل کردئے گئے۔

محکوم فیہ/محکوم بہ

مقاصدِ اسلامی قانون

(Objective of Islamic Law)

پہلا مقصد:۔ تعینِ افعال	Defining Deeds/Acts
دوسرا مقصد:۔ تعینِ حقوق	Defining Rights.
تیسرا مقصد:۔ تعینِ فرائض وواجبات	Defining Mandatory Obligations.

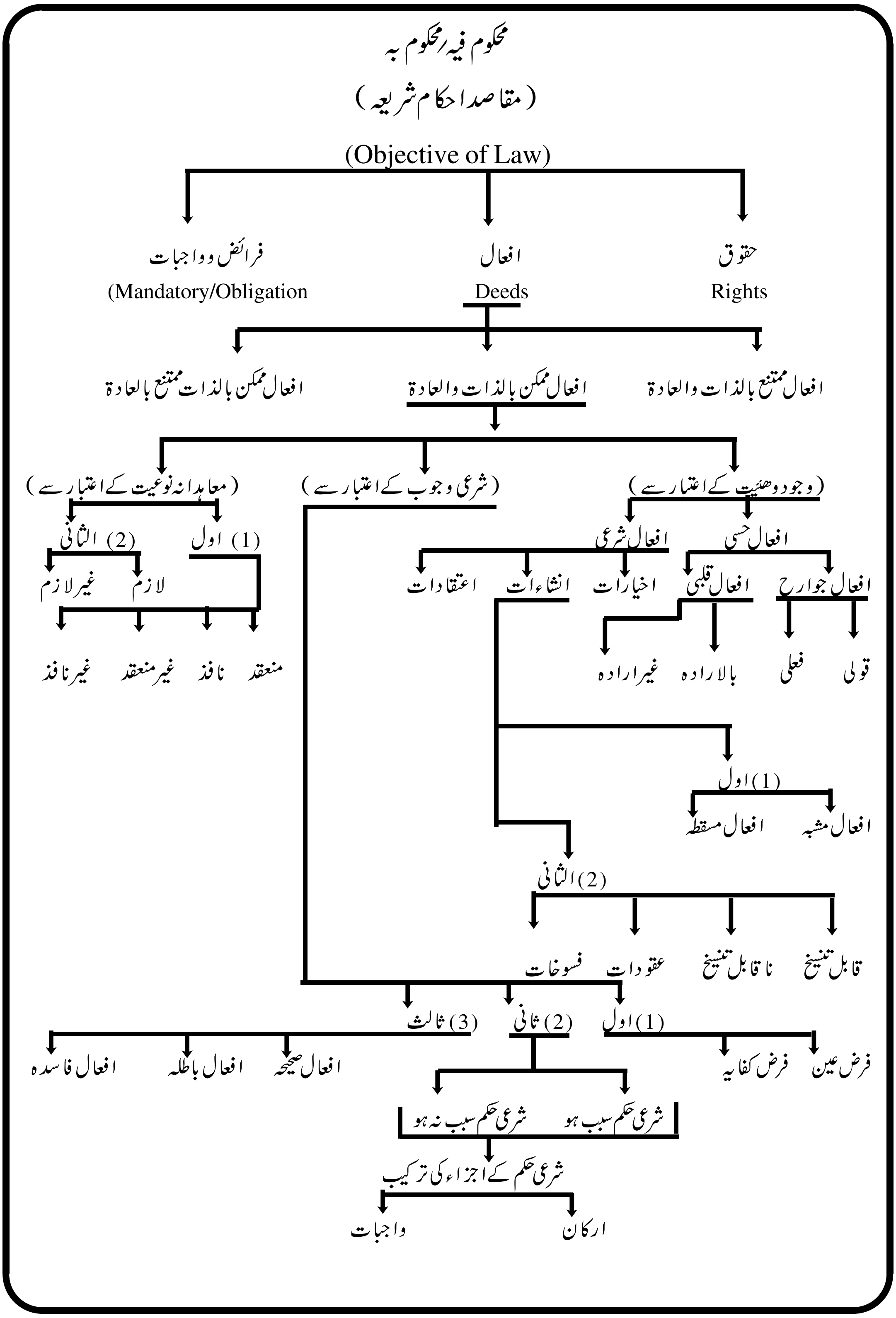
محکوم فیہ/محکوم بہ
(مقاصد احکام شریعہ)
(Objective of Law)
حقوق
Rights
افعال
Deeds
فرائض و واجبات
(Mandatory/Obligation
افعال ممتنع بالذات والعادۃ
افعال ممکن بالذات والعادۃ
افعال ممکن بالذات ممتنع بالعادۃ
(وجود وھیئت کے اعتبار سے)
(شرعی وجوب کے اعتبار سے)
(معاہدانہ نوعیت کے اعتبار سے)
افعال حسی
افعال شرعی
(1) اول
(2) الثانی
افعال جوارح
افعال قلبی
اخیارات
انشاءات
اعتقادات
لازم
غیر لازم
قولی
فعلی
بالارادہ
غیر ارادہ
منعقد
نافذ
غیر منعقد
غیر نافذ
(1) اول
افعال مشبہ
افعال مسقط
(2) الثانی
قابل تنسیخ
نا قابل تنسیخ
عقودات
فسوخات
(1) اول
(2) ثانی
(3) ثالث
فرض عین
فرض کفایہ
افعال صحیحہ
افعال باطلہ
افعال فاسدہ
شرعی حکم سبب ہو
شرعی حکم سبب نہ ہو
شرعی حکم کے اجزاء کی ترکیب
ارکان
واجبات

مقاصدِ اسلامی قانون

33-(1) تعینِ افعال (پہلا مقصد)

(Acts)

سوال:59:۔قانونِ اسلامی میں محکوم فیہ یا محکوم بہ کی تعریف بیان کیجئے ؟

جواب:1-**محکوم بہ**(Objective):۔اصولیین نے محکوم بہ کی تعریف یوں بیان کی ہے !

هو الفعل الذی تعلق به خطاب الشارع۔

''وہ فعل جس کے ساتھ شارع (قرآن وسنت) کا خطاب متعلق ہو۔''

2- **محکوم بہ یا محکوم فیہ** سے مراد ''مقصد'' ہے جس کے لئے احکام نازل ہوتے ہیں۔ چنانچہ اِسلامی احکام وقوانین بنی نوع انسان کو درج ذیل مقاصد (Objectives) عطا کرتے ہیں، جن کے مطابق لوگ زندگی بسر کرنے پر مامور ہوتے ہیں یہی اُن کی آزادئ فکر وعمل کا تعین کرتے ہیں۔

1- افعال 2- حقوق 3- فرائض و واجبات

گویا قانونِ اسلامی کا پہلا مقصد ''تعینِ افعال واحکام'' اور دوسرا مقصد ''تعینِ حقوق واحکام'' اور تیسرا مقصد ''تعینِ فرائض وواجبات واحکام'' ہے۔

1- افعال کی اقسام:۔

سوال:60:۔فقہائے کرام کے مطابق ''افعال'' (Deeds) کی اقسام اور تفصیلات پر روشنی ڈالئے ؟

جواب:۔ فقہائے کرام نے ::افعال'' کی تین اقسام بیان کی ہیں !

i- **افعال ممتنع بالذات والعادۃ**

ii- **افعال ممکن بالذات ممتنع بالعادۃ**

iii- **افعال ممکن بالذات والعادۃ**

i- افعال ممتنع بالذات والعادۃ:۔

ایسے افعال جن کی بجا آوری (Compliance) اصلاً اور عملاً انسان سے ناممکن ہے کیوں کہ وہ انسان کی طاقت سے باہر ہوتے ہیں اور عقلاً، عادۃً یا عرفاً اُن پر عمل کرنا ناممکن ہوتا ہے۔مثلاً !

عقلی طور پر دو متضاد (Opposite) چیزوں کو جمع کرنا۔

عادۃً یا عرفاً پہاڑ کو اُٹھانا یا بغیر ہاتھوں کے لکھنا یا بغیر پاوں کے چلنا وغیرہ۔

افعال کی اِس قسم کو اسلامی قانون میں انسان کیلئے جوابدہی سے مستثنیٰ (Exempted) قرار دیا ہے کیوں کہ یہ افعال انسان کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔

اسی طرح انسان میں فطرتاً کھانے پینے کی حرص اور طلب پائی جاتی ہے فطری وجنسی خواہش میں حرص ناپسندیدہ اور ضررِ انسان ہوسکتی ہے۔ اس کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کرتا کیوں کہ ایسا کرنا انسان کی استطاعت سے باہر ہے لہٰذا انسان اِن افعال کا مکلّف شرعاً نہیں ہے البتہ انسان اپنے نفس کو کنٹرول کرسکتا ہے اور اعتدال پر رکھ سکتا ہے اور حرصِ نفس کو قابو میں لاسکتا ہے۔

ii- افعال ممکن بالذات و ممتنع بالعادۃ:۔

ایسے افعال ہیں جو اصلاً بشری طاقت کے دائرہ میں داخل ہوں لیکن بعض اوقات ان افعال کی بجا آوری میں مشکل ہو اور حالات ناسازگار ہوں تو ان کو کلیتاً بجالانا ناممکن ہو۔قرآن کریم اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعت میں ان افعال کے انسانی دائرے سے خارج ہونے کا اعلان کیا گیا ہے اور انسانوں کے لئے تنگی وتکلیف کے بجائے کشادگی اور سہولت پیدا کی گئی۔مثلاً! عذر شرعی کی بناء پر ''عزیمت'' کے مقابل ''رخصت'' اختیار کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

iii- افعال ممکن بالذات والعادۃ:۔

ایسے افعال ہیں جن پر عمل کرنا اصلاً اور عملاً ممکن ہوتا ہے اور وہ انسانی طاقت و استطاعت کے دائرے میں ہوتے ہیں اس لئے ان افعال کو ''**تکلیفات**'' کہا جاتا ہے اور ان افعال کو سرانجام دینے والے ''**مکلفین**'' کہلاتے ہیں۔

اگرچہ افعالِ تکلیفی کی ادائیگی نفس پر گراں گزرتی ہے لیکن اسے مشقت نہیں کہا جاسکتا۔جیسے انسان سُکھ سے زندگی گزارنے کی خاطر محنت کی مشقت کو بوجھ نہیں سمجھتا اسی طرح شرعی افعالِ تکلیفی پر عمل کرنا دنیا و آخرت دونوں میں سکون اور راحت ونعمت کا باعث ہے۔اس اعلیٰ مقصد کی خاطر شرعی افعالِ تکلیفی کی پابندی گراں نہیں گزرتی۔

افعال ممکن بالذات و العادۃ کی اقسام:۔

فقہائے کرام نے ان افعال کومختلف جہات (Angles) کے اعتبار سے متعدد اقسام بیان کئے ہیں جنہیں تین بنیادی تقسیمات میں سمیٹا جا سکتا ہے!

a- **وجوہ وہیئت کے اعتبار سے**

b- **شرعی وجوب کے اعتبار سے**

c- **معاہدانہ نوعیت کے اعتبار سے**

سوال:61:۔وجوہ وہیت کے اعتبار سے افعال کی تقسیمات اور اُن کی تفصیل بیان کیجئے؟

جواب:(a)**وجوہ و ہیت کے اعتبار سے**:۔

1-**افعالِ حسی و طبعی**

2- **افعالِ شرعی** (صدرالشریعہ۔التوضیح)

1- **افعالِ حسی**:۔تمام فطری افعال طبعی یا ذہنی افعال کہلاتے ہیں۔جو درج ذیل اقسام پر مشتمل ہیں!

i- افعال الجوارح (اعضاء) ، ii- افعال القلوب (دِل)

i- **افعال الجوارح**:۔مثلاً بولنا، کھانا۔ پینا، سونا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا وغیرہ۔

یہ طبعی فعال کہلاتے ہیں۔ان افعال کا ظاہری خاصہ یہ ہے کہ وہ فاعل کے علاوہ دوسرے اشخاص کو بھی محسوس ہوتے ہیں۔

ii- **افعال القلوب**:۔مثلاً نیت، خواہش، ارادہ، اعتقاد، پسند و ناپسند وغیرہ

یہ نا قابل ادراک ہوتے ہیں یعنی باطنی ہوتے ہیں۔یہ ذہنی افعال کہلاتے ہیں۔

نوٹ:۔ واضح ہو کہ ذہنی افعال جب تک طبعی افعال کا روپ نہ لیں قانون کا موضوع نہیں بن سکتے۔مثلاً! کوئی شخص برائی کا ارادہ کر رہا ہے تو جب تک اس کا اظہار عملاً نہیں کرتا قانون کی گرفت سے محفوظ رہے گا۔

طبعی افعال کے مزید اقسام:۔

i- قولی ii- فعلی

i- **قولی**:۔قول (کہنے) میں جو الفاظ زبان سے ادا ہوتے ہیں یا جو اظہارِ ارادہ میں اُن کے قائم مقام ہوسکتے ہیں، افعالِ قولی کہلاتے ہیں۔مثلاً! تحریرات، اشارات وغیرہ۔

ii- **فعلی**:۔جسم یا اعضاء کی تمام حرکات جو کسی عمل کے ادا کرنے کے لئے ہوتے ہیں افعالِ فعلی کہلاتے ہیں۔مثلاً! چلنا،کھانا،بیٹھنا،اُٹھنا وغیرہ۔

ارادی اور غیر ارادی افعال:۔افعال(Deeds) کا شرعی حیثیت کا دارومدار فاعل (عمل کرنے والے) کی نیت پر ہے۔اس اعتبار سے افعال کی دو مزید قسمیں ہیں!

i- **ارادی افعال** ii-**غیر ارادی افعال**

i- **ارادی افعال**:۔ایسے افعال ہوتے ہیں جن کے ارتکاب (بجا آوری) کے وقت ان کی ''نیت'' کا دخل ہو۔

ii-**غیر ارادی افعال**:۔ان افعال سے مراد ایسے افعال ہیں جن کے ارتکاب کے وقت ان کی نیت کا عمل دخل نہ ہو۔

نوٹ:۔ارادی اور غیر ارادی افعال کا تعلق ''قلب'' سے ہوتا ہے۔ان میں ارادی افعال کو ''تصرفات'' (Defalcation) بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ ان افعال کو وجود میں لانے کے لئے قوت اور ارادے کی ضرورت ہوتی ہے۔اس لئے انہیں ''افعالِ شرعی'' بھی کہتے ہیں۔لیکن غیر ارادی طور پر صادر ہونے والے افعال فقہ (شریعت) کا موضوع نہیں بن سکتے۔

2- **افعالِ شرعی**:۔ایسے افعال جو ارادہ کے ساتھ صادر ہوتے ہیں افعالِ شرعی کہلاتے ہیں۔ان کی تین اقسام بیان کی جاتی ہیں!

i- **انشاء ات** ii- **اخبارات** iii- **اعتقادات**

i- **انشاء ات**:۔اس سے مراد وہ افعال ہیں جن پر قانونی (شریعت کے) نتائج مرتب ہوتے ہیں۔مثلاً! بیع (تجارت)، اجارہ (تجارتی معاہدہ۔اجرت پر دینا)' مزارعۃ (زراعتی معاہدہ)' مساقاۃ (منسوخ معاہدہ) اور نکاح وطلاق وغیرہ۔

نوٹ:۔انشاء میں صحیح یا غلط کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔یہ انشاء ات افعال الجوارح ہوتے ہیں۔

ii- **اخبارات**:۔وہ افعال جو کسی واقعہ کے وجود و عدمِ وجود کی اطلاع پر دلالت کرتے ہیں۔مثلاً! چور کا چوری کا اعتراف کرنا،عدالت میں کسی گواہ کا شہادت دینا وغیرہ۔

نوٹ:۔''اخبارات'' پر غلط یا صحیح ہونے کا اطلاق کیا جا سکتا ہے اور یہ افعال الجوارح (اعضاء سے متعلق) ہیں۔

iii- **اعتقادات**:۔اعتقادات افعال القلوب میں داخل ہیں ان کا تعلق انسان کے ذہن اور اس کی فکر سے ہے۔ یہ قانون (شریعت) کے موضوع سے خارج اور ایمانیات کے موضوع میں داخل ہیں۔

افعالِ انشائیہ کی اقسام:۔

تقسیم اول:۔

1- **افعالِ مشتبہ** 2- **افعال مسقطہ**

افعالِ مشتبہ:۔یہ وہ انشائیہ افعال ہیں جو حقوق وفرائض کو ثابت کرتے ہیں۔

مثلاً! بیع، ہبہ (Gift)، نکاح وغیرہ۔جن کو سرانجام دینے میں قانونی (شرعی) حقوق اور ذمہ داریاں جنم لیتی ہیں۔

افعالِ مسقطہ:۔یہ وہ انشائیہ افعال ہیں جو پہلے سے موجود حقوق وفرائض کو ساقط ومنسوخ(Lapsed) کرتے ہیں۔مثلاً! خلع (بیوی کا طلاق کا مطالبہ)۔ (جرجانی۔شرح التوضیح)

تقسیمِ ثانی:۔

1- **قابلِ تنسیخ** 2-**نا قابلِ تنسیخ** 3-**عقودات** 4- **فسوخات**

قابلِ تنسیخ:۔یہ وہ انشائیہ افعال ہوتے ہیں جن کے قانونی اثرات ونتائج کو کالعدم یا زائل (Decline) کیا جا سکتا ہے۔مثلاً طلاق رجعی وغیرہ۔

نا قابلِ تنسیخ:۔یہ وہ انشائیہ افعال ہوتے ہیں جن کے قانونی اثرات ونتائج کو زائل نہیں کیا جا سکتا۔مثلاً! طلاقِ مغلظہ اور یمین وغیرہ۔

عقودات:۔یہ وہ انشائیہ افعال ہیں جو فریقین کے مابین معاہدانہ نوعیت کو زائل کرتے ہیں۔مثلاً خیارِ فسخ اور خیارِ بیع وغیرہ۔

(b) **شرعی وجوب کے اعتبار سے افعال کی تقسیم**:۔

سوال:62:۔شرعی وجوب کے اعتبار سے افعال کی تقسیمات اور اُن کی تفصیلات بیان کیجئے؟

جواب:۔شرعی وجوب کے اعتبار سے افعال کی تین طرح کی تقسیمات ہیں!

تقسیم اول:۔1-**فرضِ عین / سنتِ عین** 2-**فرضِ کفایہ / سنتِ کفایہ**

تقسیم ثانی:۔1- **شرعی حکمِ سبب ہو** 2- **شرعی حکمِ سبب نہ ہو**

تقسیم ثالث:۔1- افعالِ صحیحہ 2- افعالِ باطلہ 3- افعالِ فاسدہ

تقسیمِ اول:۔

1-**فرضِ عین/سنتِ عین** :۔وہ فعل جس کی ادائیگی ہر مکلّف کے لئے ضروری ہے۔مثلاً! نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ

2-**فرضِ کفایہ/سنتِ کفایہ** :۔وہ فعل جس کی بعض افراد کی ادائیگی سے سب کی طرف سے ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے اور کسی ایک کے بھی نہ کرنے سے سارے گناہ گار ہوتے ہیں۔مثلاً !مُردے کو غسل دینا،کفن پہنانا، جنازہ کی نماز پڑھنا،تدفین کرنا، امر بالمعروف اور نہی المنکر (تبلیغ) کرنا،گواہی دینا، فیصلہ کرنا،فتویٰ دینا وغیرہ۔

تقسیمِ ثانی:۔

1- **شرعی حکم سبب ہو**:۔وہ شرعی افعال جن کے متعلق احکام موجود ہیں اس کے ساتھ وہ بعض دوسرے احکام شرعی کا سبب بھی بنتے ہیں۔مثلاً! ''بیع'' کو سرانجام دینے سے مزید شرعی حکم ،مثلاً تبدیلیٔ ملکیت وجود میں آتا ہے۔اسی طرح ''نکاح'' دوسرے شرعی احکام،مثلاً سکنیٰ و نان ونفقہ زوجہ کے لئے فراہم کرنے کا سبب بنتا ہے۔

2- **شرعی حکم سبب نہ ہو**:۔وہ افعالِ شرعی ہیں جو کسی دوسرے شرعی حکم کا سبب نہیں بنتے۔ مثلاً! نماز،روزہ،وغیرہ شرعی افعال ہیں مگر کسی دوسرے شرعی حکم کا سبب نہیں بنتے۔

نوٹ:۔**شرعی فعل کے اجزائے ترکیبی**:۔ 1-**ارکان** 2-**واجبات و شرائط**

1- **ارکان**:۔کسی فعل کے وہ بنیادی اجزاء ہیں جن سے وہ فعل اصلاً ترکیب پاتا ہے اوران اجزاء (ارکان) میں کسی ایک کی غیر موجودگی اس فعل کو بالکل کالعدم اور غیر موثر (ساقط) کر دیتی ہے۔

2- **واجبات و شرائط** :۔کسی فعل کے وہ ضروری عنصر (Factor) ہوتے ہیں جن سے اس فعل کی شرعی حیثیت کی تکمیل ہوتی ہے،اُن میں سے کسی عنصر کی غیر موجودگی سے وہ فعل ناقص (نامکمل) تو رہ جاتا ہے لیکن بالکل کالعدم (ساقط) نہیں ہوتا۔

تقسیمِ ثالث:۔

i-**افعالِ صحیحہ** :۔شرعی طور سے کامل اور دُرست افعال کو''صحیحہ'' کہا جاتا ہے اور چونکہ وہ فعل تمام

ضروری شرائط اوراجزائے ترکیبی پر محیط ہوتا ہے اسی لئے اس پر جملہ شرعی احکام (نتائج) مرتب ہوتے ہیں۔
۔اگراُن افعال کاتعلق عبادات سے ہوتو اس فعل کی ادائیگی کے بعد مکلّف بری الذمہ سمجھا جائے گا اوراس کا یہ فعل ''صحیح'' ہوگا۔

اگر مکلّف کے افعال کاتعلق معاملات سے ہو۔مثلاً! بیع وشراء، اجارہ یا نکاح وغیرہ اور وہ صحیح ہوتو اُن میں سے ہرایک عقد(منعقد ہونے) کے بعد شرعاً احکام (نتائج) مرتب ہوں گے۔

ii- **افعالِ باطلہ** (False):۔ایسے افعال جو اپنی صحت ومشروعیت (جائز ہونے) کے بنیادی تقاضے ہی پورے نہیں کرتے اور کسی ضروری عنصر (Factor) کے فقدان (نہ ہونا) یا مستقل شرعی عارضہ(Disability) کی وجہ سے باطل قرار پاتے ہیں۔مثلاً!

۔نماز میں کسی رکن جیسے''قیام'' یا شرطِ نماز''طہارت'' رہ جائے تو نماز باطل ہوجاتی ہے۔

iii- **افعالِ فاسدہ** (Defective):۔وہ فعل جس میں تمام ارکان وشرائط تو پائے جائیں لیکن شریعت نے جن دیگر اوصاف کا اعتبار کیا ہے وہ نہ پائے جائیں تو ''افعالِ فاسدہ'' کہلاتے ہیں۔یعنی افعالِ فاسدہ کسی لازم شرط کے فقدان یا کسی ''عارضی مانع'' (Inability) کی بناء پر ناقص(Defective) رہ جاتے ہیں۔مثلاً!

خمر (شراب) یا خنزیر(سُور) کی بیع (تجارت) کرنا، نماز میں کسی واجب کے رہ جانے سے نماز فاسد (ناقص) ہوجائے گی جس کا ازالہ''سجدہ سہو'' سے ہوجاتا ہے۔

نوٹ:۔یہ افعال کی تقسیمِ ثالث فقہ حنفی کی رُو سے ہے۔باقی غیر احناف مذاہب افعال کی صرف دو اقسام (افعالِ صحیح اور افعالِ باطل) کے ہی قائل ہیں۔

(c)- معاهدانه نوعیت کے اعتبار سے تقسیم:۔

سوال:63:۔معاہدانہ نوعیت کے اعتبار سے افعال کی تقسیمات اوراُن کی تفصیلات بیان کیجئے؟

جواب: تقسیمِ اول:۔ 1-**منعقد**(stabilished) 2-**نافذ**(Enforced)
3-**غیر منعقد** 4- **غیر نافذ**

1- **منعقد**(stabilished):۔وہ معاملہ جس میں شرعی طور پر تصرف (اختیار) کے تمام اجزاء پائے جائیں''منعقد'' کہلاتا ہے۔مثلاً! ایک فاسد (ناقص) بیع (تجارت) بھی''منعقد'' ہوجاتی ہے کیوں کہ اس میں بیع کی ضروری شرائط پائی جارہی ہیں اگرچہ شرعی طور پر غیر صحیح کے زمرے میں آئے گی۔

2- **نافذ**(Enforced):۔منعقد فعل پر شرعی اثر پائے جانے کو''نافذ'' کہا جاتا ہے۔مثلاً!
کوئی شخص کسی چیز کا مالک ہو تو وہ اس شئے کو فروخت کرسکتا ہے۔اس شئے کو فروخت کرنا بھی''شرعی اثر'' کہلاتا ہے۔

3- **غیر منعقد**:۔وہ معاملہ جس میں متعلقہ ارکان وشرائط نہ پائے جائیں''غیر منعقد'' کہلاتا ہے۔

4- **غیر نافذ**:۔غیر منعقد معاملہ (Dealing) ہونے کی وجہ سے شرعی اثر مرتب نہ ہونا''غیر نافذ'' کہلاتا ہے۔مثلاً!
کوئی شخص ایسی چیز فروخت کرے جس کا وہ مالک ہی نہیں اور نہ ہی مالک نے اس کو فروخت کرنے کی اجازت یا اختیار دیا ہو،ایسی بیع (خرید وفروخت) منعقد نہ ہوگی اور نہ ہی اثر مرتب ہوگا۔

2- **تقسیمِ ثانی**:۔ 1-**لازم** 2- **غیر لازم**

1- **لازم**:۔صاحبِ معاملہ اسکے شرعی اثر کو زائل کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔مثلاً!
وقفِ صحیح (اللہ کے لئے وقف کردینا) وغیرہ۔

2- **غیرِ لازم**:۔صاحبِ معاملہ جس کے شرعی اثر کو زائل کرنے پر قادر ہوتا ہے۔مثلاً!
ہبہ وصیتی (Gift) جس کو موصی (ہبہ کرنے والا) ہر وقت منسوخ کردینے کا مجاز ہوتا ہے۔

(صدرالشریعہ۔التوضیح)

خلاصہ:۔انسانی اعمال میں آزادی کی حدود کا تعین اور اُن کے قانونی (شرعی) نتائج کی نشاندہی وہ **پہلا مقصدِ قانون** ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے قانونِ شریعت نازل فرمایا۔چنانچہ اسلامی قانون کا اولین مقصد یہ ہے کہ اعمال کے بارے میں یہ اذن (اجازت) مہیا کرنا ہے کہ کئے جائیں یا نہ کئے جائیں۔

اُن اعمال کی شرائط، جواز، دائرہائے عمل، ماہیت (حقیقت)،نتائج وعواقب اور حدود وقیود کا بیان اس لئے کیا گیا ہے تاکہ ان کی روشنی میں انسان اپنی عملی زندگی کی حدودِ صحت وعدمِ صحت (صحیح وغلط) کو جان سکے اور مطمئن، پاکیزہ اور خوش حال زندگی گزار سکے۔

قانونِ اسلامی کا دوسرا مقصد

34-(II)- تعینِ حقوق

(Defining Rights)

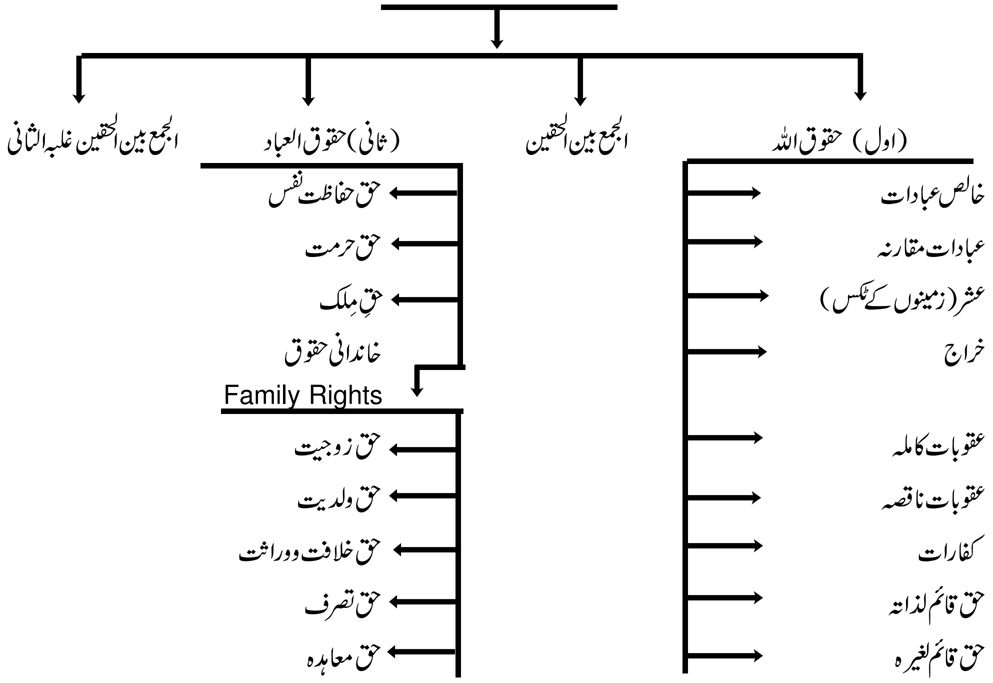

II- **حقوق** (Rights & Privileges):-

سوال:64:-حقوق کی اصطلاحی تعریف بیان کر واور حقوق کے اقسام بیان کیجئے ؟

جواب:-حقوق ،حق کی جمع ہے-اس کی اصطلاحی تعریف درجِ ذیل ہے!

اصطلاحی تعریف:-هو مصلحة ثابتة للفرد او المجتمع او لهما معاً يقررها الشارع الحكيم-

''وہ مصلحت جسے شارع نے فرد،معاشرہ یا دونوں کے لئے ثابت کیا ہو-'' (عوارض الاهلية)

حقوق کی اقسام:- 1-حقوق الله 2-حقوق العباد

3-الجمع بين الحقين (غلبہ اول) 4-الجمع بين الحقين (غلبہ الثانی)

1- **حقوق الله** (Collective Rights) :۔

سوال:65: ۔حقوق اللہ سے مراد کیا ہے اور اس کی اقسام کی وضاحت کیجئے ؟

جواب: حقوق الله: ۔ وہ حقوق جن کا نفع تمام انسانیت کے لئے ہو اور کسی خاص فرد کی منفعت مقصود نہ ہو۔ مثلاً ! ''حرمتِ زنا'' اس کا نفع کسی فرد کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام انسان (نسل) کی حفاظت اور اولاد کو ضیاع (Loss) سے محفوظ کرنا مقصود ہے۔ اس قسم کے حقوق کو تعظیماً ''حقوق اللہ'' کہا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نفع اس سے متعلق ہے۔ وہ تو ان چیزوں سے بالاتر ہے۔

پس' یہ معاشرہ کے حقوق ہیں جو بنی نوع انسان کی عمومی منفعت سے متعلق ہیں۔ ان حقوق کی تنفیذ (نفاذ) اور خلاف ورزی پر تادیب وسزا، اسلامی مملکت کی ایسی ذمہ داری ہے جسے وہ مسلم معاشرے کی طرف سے شرعی نیابت کا حق ادا کرتے ہوئے نبھاتی ہے۔ اس لئے انہیں ''حقوق اللہ'' کہا جاتا ہے۔

حقوق الله کی اقسام:۔

1- خالص عبادات 2- عبادات مقارنہ 3- عشر 4- خراج 5- عقوباتِ کاملہ

6- عقوباتِ ناقصہ 7- کفارات 8- حقِ قائم الذاتہ 9- حقِ قائم لغیرہ

1- **خالص عبادات**: ۔شریعت کی نظر میں ان عبادات سے مراد بھلائی اور نیکی کے وہ کام ہیں جن کا فائدہ بالعموم معاشرہ کو پہنچتا ہے۔ مثلاً ! ایمان اور فروعاتِ ایمان (روزہ، حج، جہاد وغیرہ)۔

2- عبادات مقارنہ: ۔ وہ عبادات جس میں معاونت ہو۔ مثلاً ! بارِکفالت اور نان و نفقہ کی ذمہ داری، صدقہ فطر اور دیگر صدقہ وخیرات۔

3- **موصلات جن میں معنی عبادت ہو**: ۔ جسے ''عُشر'' یعنی زمین کا ٹکس جس کے باعث مالک کی ملکیت برقرار رہتی ہے۔ زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ بطور زکوٰۃ لیا جاتا ہے۔ اور اس کے مصارف بھی زکوٰۃ کی طرح ہیں جن کا تعلق مصالح یعنی عام بھلائی کے کام شامل ہیں۔

4- **موصلات جن میں معنی عقوبت ہو**: ۔ جیسے ''خراج''۔ یہ زمین کا وہ ٹکس ہے جو مفتوحہ علاقوں میں غیر مسلموں سے زمین کا قبضہ رکھنے کے عوض وصول کیا جاتا ہے۔ اور اس حاصل شدہ رقم کو بھی اسلامی سلطنت میں عام بھلائی کے کاموں میں صرف کیا جاتا ہے۔

5- **عقوباتِ کاملہ**: ۔ یہ وہ سزائیں (عقوبات) ہیں جو' حدود' کے ذیل (زمرہ) میں آتی ہیں اور ان کو اللہ کا حق سمجھ کر نافذ کیا جاتا ہے۔ مثلاً ! حدِ زنا، ڈاکہ زنی کی حد' وغیرہ۔ کسی کو اختیار نہیں

کہ ان سزاؤں کو ساقط کرسکے۔

6- **عقوباتِ قاصرہ (ناقصہ)**:۔ان کو ناقص کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مجرم کو جسمانی سزا نہیں دی جاتی۔ یہ ایک منفی نوعیت کی سزا ہے جس میں جرم کے مرتکب کو حق ملکیت سے محروم کردیا جاتا ہے۔ مثلاً! میراثِ مقتول سے قاتل کا محروم ہونا۔

7- **کفارات**:۔اس سے مراد، واجب اُمور کی ادائیگی میں کوتاہی کی صورت میں ''کفارہ'' ادا کرنا ہے۔مثلاً! قسم توڑنے، رمضان میں عمداً روزہ توڑنے، قتلِ خطا کا کفارہ وغیرہ۔

8- **حقِ قائم لذاته**:۔یہ وہ حقوق میں سے ہیں جس کے مقابل ''فرض'' نہ ہو بلکہ ایسا حق ہے جو ازخود قائم ہوجاتا ہے اور مکلّف اللہ کی اطاعت کے طور پر ادا کرتا ہے۔ یہ بلا ذاتہ خالصتاً اللہ کے لئے ہے۔ مثلاً! ''خمس'' یعنی مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ، ''آمدن'' جو کانوں (Mines) اور زمینوں سے حاصل ہوتا ہے۔

سوال:66:۔حقوق العباد سے مراد کیا ہے۔ان کی چند اقسام کو واضح کیجئے؟

جواب:2-**حقوق العباد** (Individual Rights):۔یہ وہ حقوق ہیں جن کا تعلق افراد کی انفرادی حیثیت سے ہوتا ہے۔معاشرہ کی اجتماعی حیثیت سے نہیں۔ مثلاً! مِلک، نکاح، طلاق، ضمان دیت، بدل المغصوب وغیرہ۔ان میں جس شخص کا حق سلب ہوا ہو، اُسے اختیار ہوتا ہے خواہ وہ معاف کرے یا بدلہ لے۔

نوٹ:۔حقِ عہد میں غصب کی ہوئی شئے کو مالک کو لوٹا دینا ''اصل'' ہے اور اُس شئے کی مثل یا قیمت ادا کرنا ''خلف'' ہے۔

اقسامِ حقوق العباد:۔حقوق العباد کی متعدد اقسام ہیں۔ان میں سے چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

1- حقِ حفاظتِ نفس 2- حقِ حُرمت (شوافع اسے نجی حق تسلیم کرتے ہیں)۔

3- حقِ مِلک 4- خاندانی حقوق

خاندانی حقوق:۔ i- حقِ زوجیت ii- حقِ ولدیت iii- حقِ خلافت و وراثت

iv- حقِ تصرف (جائز افعال کے لئے) v- حقِ معاهده

3- **لجمع بین الحقین مع غلبة الاول**:۔

اِن حقوق میں ایک ہی وقت میں معاشرے (حق اللہ) اور فرد (حق العباد) جمع ہوتے ہیں۔اور ان کا اجتماعی پہلو انفرادی پہلو پر فوقیت رکھتا ہے۔مثلاً! حدِ قذف (مرد یا عورت پر زنا کا جھوٹا الزام کی حد)، اس میں حق اللہ غالب ہونے کی وجہ سے خود کوئی سزا نافذ نہیں کرسکتا بلکہ حاکم نافذ کرسکتا ہے۔ یا پھر مقذف معاف کرسکتا ہے یا نہیں، یہ مسئلہ فقہاء کے نزدیک **مختلف فیہ** (اختلاف) ہے۔**احناف** کی تحقیق میں نہیں کرسکتا۔

4- **الجمع بين الحقين مع غلبته الثانی:۔**
ان میں دونوں حق جمع ہیں البتہ حق فرد، کوحقِ معاشرہ پر فوقیت حاصل ہے۔مثلاً ! حقِ قصاص، شبہات (شک) سے ساقط ہونا ''حق اللہ'' ثابت کرتا ہے۔لیکن معاف کر دینا ''حقِّ عبد'' بھی ہے۔

حقوق کی ''اصل اور خلف'' کے اعتبار سے تقسیم:۔

سوال:67:۔حقوق کی مزید تقسیم باعتبار ''اصل''(ادا) اور خلف''(قضاء) کے بارے میں وضاحت کیجئے ؟
جواب:۔حقوق کی مزید تقسیم باعتبار ''اصل'' اور ''خلف'' اس طرح کی گئی ہے!

1-بلحاظ حقوق اللہ 2-بلحاظ حقوق العباد 3-بلحاظ غلبہ اول 4-بلحاظ غلبہ ثانی

1- **بلحاظ حقوق الله**:۔اللہ تعالیٰ کے حقوق نماز، روزہ، حج ہیں اِن کی ادائیگی ''اصل'' اور اِن کی قضاء ''خلف'' ہے۔مثلاً ! کسی چیز،سونا، چاندی وغیرہ کو بنفسہ زکوٰۃ دینا ''اصل'' ہے اور اُن کی قیمت ادا کرنا ''خلف'' ہے۔

حج میں قضاء (خلف) اس طرح ہوگی کہ ایک شخص وقوفِ عرفات سے پہلے اپنی بیوی سے جماع (ہمبستری) کرے تو اس صورت میں اس کا حج فاسد ہوگیا،ااس پر کفارہ کے طور پر بکری کا دَم (قربانی) لازم ہوگیا۔ وہ حج کے باقی ایام اسی طرح گزارے گا جس طرح کوئی شخص حج کو فاسد کئے بغیر ایام گزارتا ہے۔اوراس سے بیوی کوجُدا بھی نہ کیا جائے گا۔اس کا مطلب ہے کہ حج میں بھی قضاء یعنی خلف کا اجراء ہوتا ہے۔

2- **بلحاظ حقوق العباد**:۔حقوق العبادِ انفرادی میں ''اصل'' اور ''خلف'' کے لحاظ سے تقسیم اس طرح ہوگی، جیسے حقِ عبد میں غصب یعنی کسی کی حق تلفی کی گئی ہو غصب کی ہوئی شئے کو جوں کا توں (ویسے ہی) مالک تک لوٹانا ''اصل'' ہے اور اس شئے کی مثل یا قیمت ادا کرنا ''خلف'' ہے۔

3- **بلحاظ غلبہ اول**:۔ایسے حقوق جن میں اجتماعی اور انفرادی حقوق یکجا ہونے کے ساتھ ساتھ انفرادی حق غالب ہو۔اس کی مثال بطورِ قصاص (جان کے بدلے جان لینا) ''اصل'' ہے اور دیت کے طور پر معاوضہ ادا کرنا ''خلف'' ہے۔

4-**بلحاظ غلبہ ثانی**:۔ یہ ایسے حقوق ہیں جس میں اجتماعی اور انفرادی حقوق جمع ہونے کے ساتھ ساتھ اجتماعی حق فائق (غالب) ہوتا ہے۔اس کی تقسیم اصل اور خلف کے اعتبار سے نہیں کی گئی ، بلکہ اس میں اجتماعی بھلائی کو مدنظر رکھتے ہوئے شریعت نے صرف ''اصل'' (ادا) کو جاری کرنے پر ترجیح دی ہے۔مثلاً! حدود قائم کرنا جیسے حدِّ زنا، حدِّ چوری وغیرہ۔ (شرح التوضیح)

اسلامی قانون کا تیسرا مقصد

(3rd Objective)

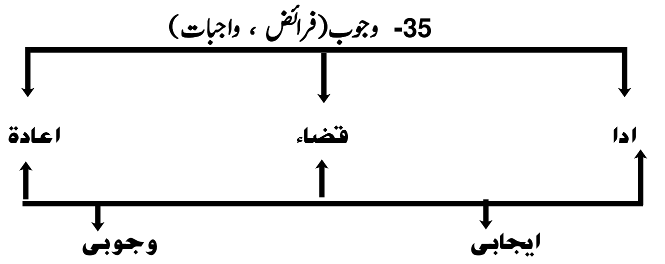

وجوب (فرائض و واجبات):۔

سوال:68:۔شرعی فرائض و واجبات کی ادائیگی کی مختلف صورتوں پر مختصر روشنی ڈالئے؟

جواب :۔حقوق وفرائض کا تعلق دوطرفہ ہوتا ہے۔یعنی یہ باہم ایجابی(Positive) وجوبی (Obligative) طور پر مربوط اور لازم وملزوم (Inseparable) ہوتے ہیں اور منطق (Logic) طور پر اُن (حقوق وفرائض) میں سے ایک دوسرے کے مقتضی(Demanding) بھی ہوتے ہیں۔اُن کے درج ذیل اقسام(Catagories) ہیں!

(a) وہ ذمہ داریاں جن کا وجود میں آنا کسی شرعی قانون کے نفاذ(Enforcement) کا نتیجہ ہوتا ہے،اُن کی مزید دوقسمیں ہیں!

i- اللہ تعالیٰ کی طرف راجع (Concerning) وہ ذمہ داریاں جو تنفیذ (نافذ کرنے) کے اعتبار سے مملکت (حکومت) کی طرف منسوب (Atributed) ہوتی ہیں مثلاً! عبادات (Worship) اور ادائیگی محصولات (Revenue Tax)۔

ii- افراد (Individuals) کی طرف راجع وہ ذمہ داریاں جو خاندانی اور ازدواجی روابط (تعلق) کی بنیاد پر معرضِ وجود میں آتی ہیں۔

(b) وہ ذمہ داریاں جو کسی فرد (شخص) کے قول (کہنے) کے باعث ظہور میں آتی ہیں۔مثلاً! اقرار واعتراف اور وہ معاہدے جو ذمہ داریوں کو جنم دیتے ہیں۔

(c) وہ ذمہ داریاں جو دوسروں کی حق تلفی (Deprival of Rights) پر مبنی انسانی افعال سے جنم لیتی ہیں۔مثلاً! وہ افعال (Deeds) جن سے دوسروں کا حقِ تحفظ ،حقِ ملکیت یا حق قبضہ مجروح

(متاثر) ہوتا ہو۔ اِن حقوق کی خلاف ورزی کرنے والا سزا کا حقدار ہوتا ہے۔

''مذکورہ پہلی دونوں قسم کی ذمہ داریوں کو ''فرائض و واجبات'' اور تیسری قسم کی ذمہ داریوں کو محرمات (ممنوعات (Forbidden) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔''

شرعی فرائض کی ادائیگی کی صورتیں:۔

1- ادا 2- قضاء 3-اعادہ

1-**ادا**(Performance) :۔

ان المکلف اذا ادی الواجب فی وقته بصورة صحیحة کاملة سمی فعله اداء۔

''یہ فریضہ (فرض) ہے جسے مکلّف از روئے شرع مکمل اور صحیح صورت میں بروقت ادا کرے تو اس کا یہ فعل ''ادا'' کہلائے گا۔

2- **قضاء** (Late Performance) :۔ اذا اداه بعدالوقت سمی فعله قضاء

''جب کسی فرض کو اس کا مکلّف وقت کے بعد ادا کرے تو اس کا یہ فعل ''قضاء'' کہلائے گا۔

3- **اعادہ** (Repetition) :۔

اذا فعله فی الوقت المعین نا قصا ثم اعاده کاملا فی هذا الوقت سمی فعله اعادة۔

''کسی فرض فعل کو مکلّف وقتِ مقررہ پر ادا کرنے میں کوئی نقص رہ جائے تو اس کو اسی وقت میں کامل طریق سے دوبارہ ادا کرے تو اس کا ایسا کرنا ''اعادہ'' کہلائے گا۔

نوٹ:۔ مذکورہ بالا مامور بہ (شرعی فرائض) کی ادائیگی کی صورتوں کی گونا تفصیل ''واجبات'' کے بیان میں گزر چکی ہے۔ ملاحظ فرمالیں۔

محکوم علیہ (مکلّف)

(Subjects of Islamic Law)

1- مکلّف	(Accountable of Responsibilty)
2- اہلیتِ شرعی	(Legal Capacity)
3- اہلیتِ وجوب	(Receptive Capacity)
4- اہلیتِ ادا	(Active Capacity)
5- عوارضِ سماویہ	(Natural Disabilities)
6- عوارضِ کسبیہ	(Artificial Inabilities)

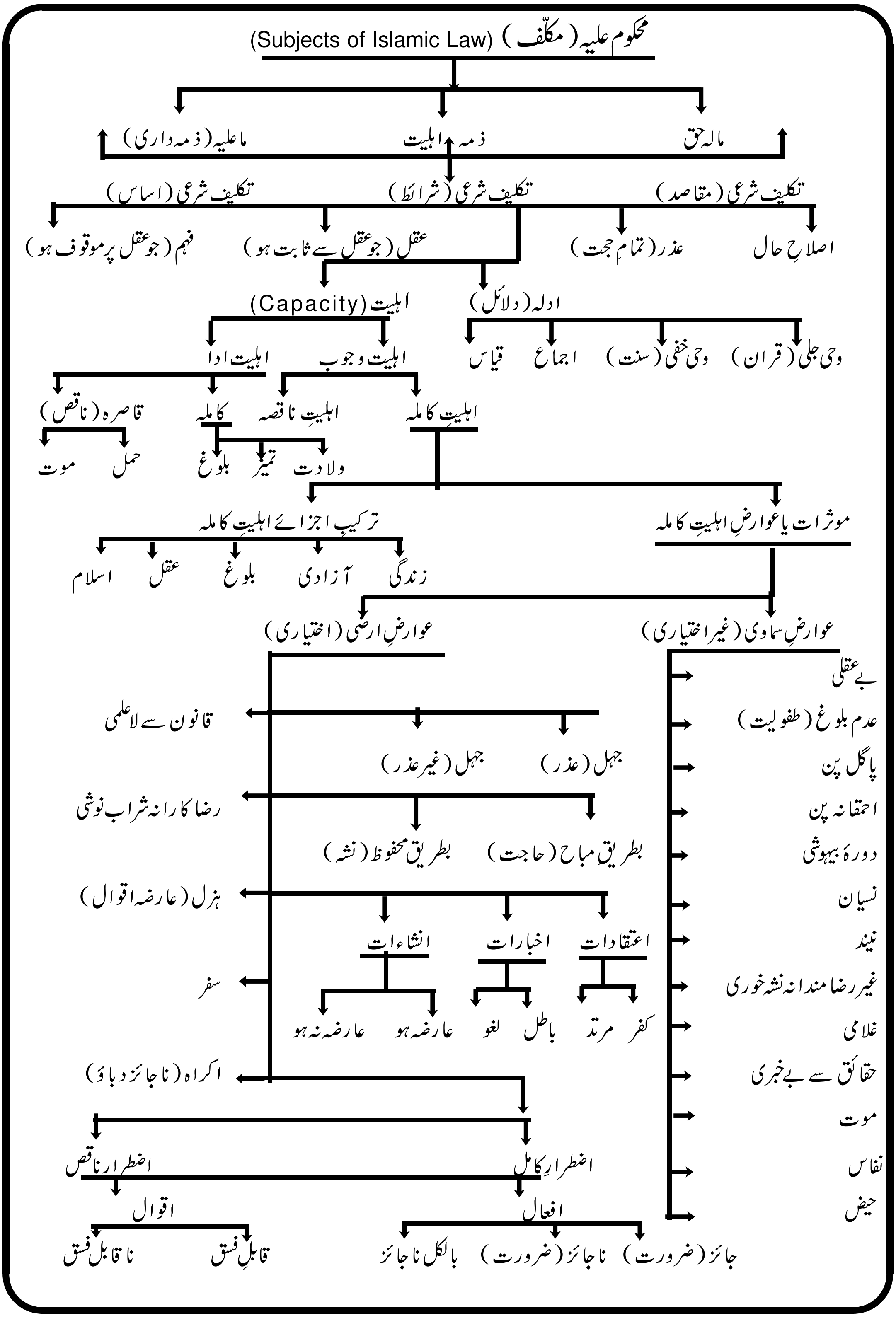
محکوم علیہ (مکلّف) (Subjects of Islamic Law)
مالہ حق
ذمہ اہلیت
ماعلیہ (ذمہ داری)
تکلیف شرعی (مقاصد)
تکلیف شرعی (شرائط)
تکلیف شرعی (اساس)
اصلاحِ حال
عذر (تمام حجت)
عقل (جو عقل سے ثابت ہو)
فہم (جو عقل پر موقوف ہو)
ادلہ (دلائل)
اہلیت (Capacity)
وحی جلی (قران)
وحی خفی (سنت)
اجماع
قیاس
اہلیت وجوب
اہلیت ادا
اہلیتِ کاملہ
اہلیتِ ناقصہ
کاملہ
قاصرہ (ناقص)
ولادت
تمیز
بلوغ
حمل
موت
موثرات یا عوارضِ اہلیتِ کاملہ
ترکیبِ اجزائے اہلیتِ کاملہ
زندگی
آزادی
بلوغ
عقل
اسلام
عوارضِ سماوی (غیراختیاری)
عوارضِ ارضی (اختیاری)
بے عقلی
عدم بلوغ (طفولیت)
پاگل پن
احمقانہ پن
دورۂ بیہوشی
نسیان
نیند
غیر رضامندانہ نشہ خوری
غلامی
حقائق سے بے خبری
موت
نفاس
حیض
قانون سے لاعلمی
جہل (عذر)
جہل (غیر عذر)
رضاکارانہ شراب نوشی
بطریق مباح (حاجت)
بطریق محفوظ (نشہ)
ہزل (عارضہ اقوال)
اعتقادات
اخبارات
انشاءات
کفر
مرتد
باطل
لغو
عارضہ ہو
عارضہ نہ ہو
سفر
اکراہ (ناجائز دباؤ)
اضطرارِ کامل
اضطرار ناقص
افعال
اقوال
جائز (ضرورت)
ناجائز (ضرورت)
بالکل ناجائز
قابلِ فسق
ناقابلِ فسق

36- محکوم علیہ (مکلّف) کا بیان

(Duty & Responsibility)

سوال:69:۔مکلّف (محکوم علیہ) سے مراد کیا ہے واضح بیان کیجئے؟

جواب:۔ **مکلف** (One Putting to Inconvnience) :۔

محکوم علیہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے لئے قانونِ شریعت نازل کیا گیا جنہیں اصطلاح فقہ میں ''مکلّف'' کہا جاتا ہے۔

تعریف:۔

1- **هو الانسان الذى تعلق بفعله خطاب الشارع او حكمه و بسمى المكلف۔**

''محکوم علیہ یا مکلّف سے مراد وہ انسان ہے جس کے فعل سے شارع کا خطاب یا اس کا حکم متعلق ہو۔''

(وھبۃ زحیلی۔الوجیز)

2- **وهو المكلف الذى تعلق الخطاب بفعله و اهليته۔**

''محکوم علیہ سے مراد مکلّف (ذمہ دار ذات) ہے جس کے فعل یا اہلیت سے شارع کا خطاب متعلق ہوتا ہے۔''

(تفتازانی۔التاریخ)

ذمہ (Legal Capacity) :۔

''ذمہ'' وہ خصوصیت ہے جس کی رو سے انسان ان اُمور کا اہل قرار پاتا ہے جن کا وہ حقدار یا ذمہ دار ہوتا ہے۔

(صدرالشریعہ۔التوضیح)

مالہٗ (حقِ عبد) :۔

''اس سے مراد وہ حق ہے جس کا کوئی شخص سزاوار (حقدار) ہو''**مالہٗ**'' کہلاتا ہے۔

ما علیہ (اہلیت):۔

وہ ذمہ داری جو کسی شخص کے ذمے واجب ہوتی ہے''ما علیہٗ'' کہلاتی ہے۔ان دونوں خصوصیات (مالہ اور ما علیہ) کے مجموعہ کو تکلیفِ شرعی یا اہلیت کہتے ہیں۔

مکلف (افراد اہلِ خطاب شارع) :۔

شرعی طور سے اہل اور مکلّف وہ فرد یا افراد ہیں جو زندہ، آزاد، عاقل اور بالغ مسلمان ہو اور جو کسی ایسے

شرعی نقص سے متصف (Described) نہ ہو جس کی وجہ سے اس کی اہلیت، جزوی یا کلی طور پر متاثر ہو جائے۔

سوال:70 :۔تکلیفِ شرعی کے مقاصد، اساس (بنیاد) اور شرائط پر مختصر تبصرہ کیجئے؟

جواب: **مقاصدِ تکلیفِ شرعی**:۔

فقہا کے ہاں تکلیفِ شرعی کے دو مقاصد (Objectives) بیان ہوئے ہیں!

1- **اصلاح حال الانسان فی الدنیا والآخرۃ۔**

''دنیا وآخرت میں انسان کے احوال کی اصلاح کرنا۔''

2- **قطع العذر و دفع الحجۃ۔**

''عذر (حجت) کو دُور کرنا اور اتمام حجت (Argument) کرنا۔

(علی حسب اللہ۔ اصول التشریعی الاسلامی)

اتمامِ حجت کے تعلق سے قرآن مجید میں ارشاد ہے!

رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ. (النسآء 165)

''رسول جو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے (اس لئے بھیجے گئے) تا کہ (ان) پیغمبروں (کے آجانے) کے بعد لوگوں کے لئے اللہ پر کوئی عذر (حجت) باقی نہ رہے۔''

اساسِ تکلیفِ شرعی:۔ تکلیفِ شرعی کی اساس عقل وفہم ہے۔

1- **ھو العقل و الفھم** (تکلیف کی اساس عقل وفہم ہے۔) (ابوزہرہ۔ اصول فقہ)

2- **تکلیفِ شرعی عقل پر موقوف** ہے اس کے بغیر ثابت نہیں ہوتی۔

(صدر الشریعہ۔ التوضیح، تفتازانی۔ التلویح)

تکلیفِ شرعی کے صحیح ہونے کے شرائط :۔

1- دلیل تکلیف کو سمجھنے کی قدرت۔ 2- اہلیت۔

1- **دلیل شرعی کو سمجھنے کی قدرت**:۔

اس کا مطلب تکلیفِ شرعی کو سمجھنے کی قدرت اور استعداد (صلاحیت) ہے خواہ یہ صلاحیت از خود حاصل ہو یا کسی صاحبِ علم (اہلِ ذکر) سے پوچھ کر حاصل ہوئی ہو۔

نوٹ:۔

تکلیفِ شرعی کو سمجھنے کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کیونکہ تکلیفِ شرعی خطاب الٰہی ہے اور اس چیز کو خطاب کرنا جس میں فہم وشعور نہ ہو، محال ہے۔ جو حکم شریعت کو سمجھ ہی نہیں سکتا وہ اس کی تکمیل کیسے کر سکے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مکلّف عاقل و بالغ ہو کیونکہ عقل ہی سمجھنے اور سوچنے کا ذریعہ ہے لیکن یہ عقل ہر ایک میں ایک جیسی نہیں ہوتی۔ اس لئے شریعت نے تکلیفِ شرعی کو محض عقل کی بجائے بلوغت (Puberty) کے ساتھ متعلق قرار دیا۔ بشرطیکہ عاقل و بالغ کے قوائے عقلیہ میں کوئی خلل ظاہر نہ ہو۔ یہی وجہ ہے مجنوں (دیوانہ)' بچہ مکلّف نہیں ہیں کیونکہ وہ دلیلِ تکلیف کو سمجھ نہیں سکتے۔ چنانچہ ارشادِ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے!

رفع القلم عن ثلاثة ، عن النائم حتى يستيقظ و عن الصبى حتى يحتلم و عن المجنون حتى يعقل۔

''تین (قسم کے لوگوں) سے قلم (گناہ لکھنا) اُٹھا لیا گیا ہے، سونے والے، جب تک جاگ نہ جائیں۔ بچہ، جب تک بالغ (Major) نہ ہو جائے اور مجنون، جب تک سمجھدار نہ ہو جائے۔''

(ابوداؤد۔السنن)

1- **اھلیت** (Capacity) :۔

انسانی اہلیت کا مطلب وہ صلاحیت ہے جس کی بناء پر اُس سے فعل کا مطالبہ ہوتا ہے اور وہ حقوق کا ذمہ دار ٹھیرتا ہے۔

آیت قرآنی میں ہے! وَ کَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا (الفتح .26)

''اور وہی اس کے زیادہ مستحق اور اُس کے اہل تھے۔''

37-اہلیت کا بیان

(Legal Capacity)

سوال:71:۔''اہلیت'' کا لغوی معنیٰ اور اصطلاحی تعریف اور اس کے شرعی پہلو کے متعلق وضاحت کے ساتھ بیان کیجئے؟

جواب: لغوی معنیٰ:۔

لغت میں ''اہلیت'' کے معنی صلاحیت (Capacity) ہے۔مثلاً! محاورۂ عرب ہے''فلاں آدمی قضا کا اہل ہے۔یعنی فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اصطلاحی تعریف:۔

هی صلاحیة الانسان لاستحقاق الحقوق و اداء التصرفات ۔

''اہلیت سے مراد وہ انسانی صلاحیت ہے جس کی بناء پر انسان حقوق کا مستحق ٹھیرتا ہے اور افعال و تصرفات (اختیارات) کو بجالاتا ہے۔''

شرعی اهلیت کے پہلو:۔

1-اهلیتِ وجوب (Receptive Capacity) 2-اهلیتِ ادا (Active Capacity)

1- **اهلیة الوجوب**:۔

تعریف :۔ فهی صلاحیة الانسان لوجوب الحقوق المشروعة له و علیه

''اہلیتِ وجوب سے مراد وہ صلاحیت ہے جس سے شرعی حقوق وفرائض ثابت ہوتے ہیں۔'' یعنی یہ لزومِ استحقاق سے عبارت ہے۔ (اصول التشریع الاسلامی)

اهلیتِ وجوب کی اقسام:۔ 1-اهلیتِ کامله 2- اهلیتِ ناقصه

i-**اهلیتِ کامله** :۔اس سے مراد وہ صلاحیت ہے جس سے حقوق وواجبات ثاب ہوں' یہ اہلیت ،انسان کی ولادت سے موت تک ثابت ہوتی ہیں۔

ii- **اهلیتِ ناقصه** :۔اس سے مراد وہ صلاحیت ہے جس سے صرف حقوق کا استحقاق (مستحق ہونا) ثابت ہوتا ہو اور واجبات لازم نہ ٹھیریں۔

2-**اهلية الاداء** :۔

هی صلاحية لصدور الفعل منه علی وجه يعتد به شرعاً ۔

''یہ فعل کے صادر ہونے کی ایسی صلاحیت ہے جس کا مکلّف کو شرعاً اعتبار رہے۔'' یعنی یہ لزوم ادائیگی سے عبارت ہے۔ (تفتازانی ۔ التلویح)

نــوٹ :۔ ''اہلیتِ اداء'' سے مراد مکلّف کی وہ صلاحیت ہے جس کی بناء پر شارع (قرآن وسنت) کے نزدیک اس کے اقوال وافعال معتبر قرار پاتے ہیں اور اس پر شرعی نتائج مرتب ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے اس کی عبادت کی صحت اور بطلان (عدم صحت) کا بھی اعتبار قائم ہوتا ہے۔

اهليتِ اداء کے اقسام :۔ i- کاملہ　ii- ناقصہ

i- **اهليتِ اداء کامله**:۔

(a) اہلیتِ اداء کاملہ مکلّف کی قدرتِ کاملہ سے ثابت ہوتی ہے۔''

(b) اہلیتِ اداء ناقصہ سے مراد بعض افعال کے صدور (ادائیگی) کی صلاحیت رکھنا یا اس کے تمام افعال کے صدور کا معتبر ہونا کسی ایسے شخص کی رائے پر موقوف ہو جو اس سے زیادہ عقل والا ہو یا نفع ونقصان کو زیادہ جاننے والا ہو۔

اهليتِ وجوب اور اهليتِ اداء ميں فرق هے ۔مثلاً!

۔رحم مادر (ماں کے پیٹ میں) موجود بچے کی اہلیت پہلی نوعیت کی ہے اور یہ نوعیت وجوب ناقص ثابت ہوتی ہے۔کیونکہ یہ بچہ وراثت، وصیت اور صحتِ نسب وغیرہ کے متعلق اپنے حقوق تو رکھتا ہے لیکن فرائض یا دوسروں کے حقوق کی ادائیگی پر قدرت نہیں رکھتا۔

۔جبکہ عام عاقل و بالغ شخص قانونی استحقاق (حق) بھی رکھتا ہے اور دوسروں کے حقوق کی ادئیگی کا ذمہ دار بھی ہوتا ہے۔اِس کی اہلیتِ وجوب اور اداء دونوں کامل طور پر ثابت ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ شخص مسلمان ہو۔

خلاصه:۔

اہلیت کے اعتبار سے انسان کی زندگی کے مندرج چار دَور (Periods) ہوا کرتے ہیں۔

دَورِ اول: (**دَور الـجـنـين**):۔ یعنی وہ دَور جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔اُس کی

اہلیتِ وجوب ناقص طور پر ثابت ہوتی ہے اور اس کے صرف حقوق ہوتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ زندہ پیدا ہو۔ لیکن وہ اہلیتِ اداء پر قادر نہیں ہوتا۔

دَورِ ثانی : (**دَور الطفولیت**) :۔ یعنی ولادت سے سِنِ تمیز (7 سال) تک کا دَور۔ اس میں بچے کی اہلیتِ وجوب کامل طور پر ثابت ہوتی ہے۔ اور وہ میراث کا وارث بھی ہوتا ہے اور اُس کا ورثہ تقسیم بھی ہوتا ہے۔ اس عرصے میں اُس کی عقل کے ناقص ہونے کی بناء پر اُس کی اہلیتِ اداء ثابت نہیں ہوتی اس لئے اس سے کسی چیز کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے ولی (Guardian) سے مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

دَورِ ثالث :۔ یہ سِن تمیز سے بلوغیت تک کا دَور ہے یعنی 7 سال سے تقریباً 15 سال تک کا دَور۔ اب بھی اُسکی عقل قاصرہ (ناقص) ہی ہوتی ہے اس لئے اس سے صرف تادیب اور تہذیب (Manners & Discipline) کے طور ہی پر کسی شئے کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اُس کے اقوال اور افعال پر بدنی مواخذہ نہیں ہوتا۔ البتہ بچہ سمجھدار ہو تو عقیدہ اور عبادات میں اُس کے اعمال صحیح سمجھے جائیں گے اور اُس پر شرعی آثار مرتب ہوں گے۔ مثلاً! کافر تھا اور اسلام لے آیا تو اُس کے اسلام کا اعتبار کیا جائے گا۔

دَورِ رابع :۔ یہ دَور بلوغیت (جوانی) سے شروع ہوکر تاحیات (زندگی بھر) جاری رہتا ہے۔ اس میں انسان کے لئے ''اہلیتِ وجوب'' اور ''اہلیتِ اداء'' دونوں کامل طور پر ثابت ہوتے ہیں۔ اور اس کی طرف شارع (قرآن وسنت) کا خطاب متوجہ ہوتا ہے اور شرعی تکالیف کا ''وہ مکلّف'' ہوتا ہے جملہ تصرفات ومعاملات اس کی طرف سے صحیح ہوتے ہیں بشرطیکہ اس میں کوئی عارضہ (Disability) لاحق نہ ہو۔

''لہٰذا اہلیت کے تعلق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فرائض وحقوق کے وجوب واداء کے لئے ''اہلیتِ کاملہ'' ناگزیر ہے۔''

سوال:72 :۔''مکلّف'' کے اہلیتِ کاملہ کے اجزائے ترکیبی یا شرائط بیان کیجئے؟

جواب:۔ **اہلیتِ کاملہ کے اجزائے ترکیبی درج ذیل ہیں!**

1- زندگی (Life) 2- ثقلین (Mankind and Spirits)

3- بلوغ (Puberty) 4- عقل (Sanity) 5- فہم (Intelligence)

6- آزادی (Freedom) 7- اختیار(Capacity) 8-اسلام (Islamic Faith)

1- **زندگی**:۔تکلیفِ شرعی کے لئے مکلّف کا زندہ ہونا ضروری ہے۔میّت پر کوئی شئے لازم نہیں آتی۔

2-**ثقلین** میں سے ہونا:۔مکلّف کا جن وانس میں سے ہونا ضروری ہے۔حیوانات اور جمادات مکلّف نہیں ہیں۔قرآن کریم میں ارشاد ہے!

i- وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ .(الذّٰرِيٰت.55)

''اِنسانوں اور جنات کونہیں پیدا کیا مگر ہماری عبادت کے لئے۔''

ii- فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ .(الرحمٰن.38)

''اِنسان اور جن ہی سے روزِ قیامت اُن کے گناہ کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

3- **بلوغ**:۔واضح ہو کہ بلوغ اہلیتِ وجوب اور اداء کے لئے شرط ہے لیکن وجوب فی الذمۃ (اہلیتِ وجوب) کے لئے شرط نہیں ہے۔

بعض علماء کے نزدیک عقل کے ہوتے ہوئے بلوغ کی ضرورت نہیں لیکن دیگر علماء کی رائے میں عقل کے ساتھ بلوغ کا ذکر بھی ضروری ہے تاکہ صغیر اور مجنون کے احکام میں امتیاز کیا جاسکے۔

4-**عقل**:۔مکلّف کے لئے صاحبِ عقل ہونا ضروری ہے۔مجنوں (دیوانے) کے لئے خطاب شارع متوجہ نہیں ہوتا۔یہ غیر احناف کا قول ہے۔احناف، مجنوں پر قضاء کا لزوم کے قائل ہیں کیونکہ سبب موجود تھا۔مثلاً! وقتِ نماز، ماہِ رمضان۔

5- **فہم**:۔مکلّف کے لئے عقل کے ساتھ ساتھ صاحبِ فہم ہونا ضروری ہے تاکہ عقل اور فہم میں فرق کرتے ہوئے کہا جاسکے کہ عاقل کی ضد (Opposite) مجنوں (دیوانہ) ہے اور فہم کی ضد نائم (نیند)، غافل ویسا ہی مراد ہے۔جس طرح مجنوں بشرط افاقہ اور صبی (بچہ) بشرط بلوغ مامور ہوتا ہے۔اسی طرح نائم غافل اور ساہی بھی بشرط فہم (بیداری اور انتباہ) مامور ہوتا ہے یعنی اہلیتِ وجوب و اداء دونوں پر قادر ہوتا ہے۔

6- **آزادی**:۔مکلّف کا آزاد ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ مجبور پر تکلیفِ شرعی لاحق نہیں ہوتی۔

7- **اختیار**:۔مکلّف کا با اختیار ہونا ضروری ہے کیونکہ مکروہ (کسی کے دباؤ میں ہونا) اور مجبور

مکلّف نہیں ہوتا۔

8- **اسلام**:۔واضح ہو کہ مامور بہ (Objectives of Islam) دوطرح کے ہیں!

i- اصولِ شریعت۔مثلاً! ایمان باللہ، ایمان بالرسالت۔

ii- فروعِ شریعت۔مثلاً! نماز، حج، روزہ، زکوٰۃ۔

پہلی قسم کے اُمور میں کافر بھی مکلّف ہے۔البتہ۔دوسری قسم کے اُمور میں علماء کا اختلاف ہے، مختار رائے یہی ہے کہ کفار فروعات کے بھی مکلّف ہوتے ہیں مگر ادائیگی ان سے صحیح نہیں کیونکہ وہ تو ایمان پر موقوف ہوتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہونا اگرچہ ''اہلیتِ وجوب'' کے لئے ضروری نہیں مگر ''اہلیتِ اداء'' کے لئے ضروری ہے۔

38- عوارضِ اہلیت کا بیان

(Inabilities)

سوال:73:۔عوارضِ اہلیت سے مراد کیا ہے، فقہاء کے نزدیک عوارض کے کتنے اقسام ہیں؟

جواب: عوارضِ اہلیت :۔(تعریف)

''وہ اُمور جن کی وجہ سے انسان کی اہلیتِ اداء زائل یا ناقص ہو یا زائل یا ناقص تو نہ ہو بلکہ احکام میں تاخیر یا تبدیلی کا باعث ہو''عوارضِ اہلیت'' یا ''موثراتِ اہلیت'' کہلاتے ہیں۔

جب انسان بالغ ہوجاتا ہے تو اُسکی اہلیتِ وجوب اور اداء دونوں اپنے کمال کو پہنچ جاتے ہیں مگر بعض اوقات بلوغیت اور عقل کے باوجود مکلّف کو ایسے اُمور لاحق ہوجاتے ہیں جن کی وجہ سے اس کی ''اہلیتِ وجوب'' تو باقی رہتی ہے مگر ''اہلیتِ اداء'' کبھی زائل اور کبھی ناقص ہوجاتی ہے اُن کو عوارض (Inabilities) کہتے ہیں۔فقہاء کے نزدیک عوارض کی دو اقسام ہیں!　(بزدوی۔اصول)

اقسامِ عوارض:۔

1- عوارضِ سماویہ (عوارضِ غیر اختیاری)　2- عوارضِ کسبیہ (عوارضِ اختیاری)

1- **عوارضِ سماویہ** (عوارضِ غیر اختیاری)

ان لم یکن للعبد فیھا اختیار و اکتساب

''ایسے عوارض جن میں انسان کا اختیار یا کسب شامل نہ ہو عوارضِ سماویہ (Natural Disabilities) کہلاتے ہیں۔'' (تفتازانی۔التلویح)

اشیاء **عوارضِ سماویہ** (غیر اختیاری)، کتبِ اصول عوارض سماویہ میں اُن کی تعداد (11) بیان کی ہے لیکن ان میں غور و فکر کیا جائے تو یہ تعداد چودہ تک پہنچ جاتی ہے۔ جو درج ذیل ہیں!

1-صِغر سنی (بے عقلی) 2- عدم بلوغ (طفولیت) 3- پاگل پن 4-احمقانہ پن

5- دورۂ بیہوشی 6- نسیان 7- نیند 8- غلطی (خطاء)

9- غیر رضامندانہ نشہ خوری 10- بیماری 11- حقائق سے بے خبری

12- حیض 13- نفاس 14- موت

2-**عوارضِ کسبیہ** (اختیاری) :۔ وہ عوارض جو انسان کے اپنے پیدا کردہ ہوں اور اُن کا اختیار انسانی دسترس میں ہو۔ عوارضِ کسبیہ (Artificial inabilities) کہلاتے ہیں یہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔

ایک وہ عوارض جو مکلّف کی اپنی ذات کے سبب سے ہوں۔

اور دوسرے جو کسی دوسرے کے سبب سے ہوں۔

اشیاء عوارضِ کسبیہ:۔ان کی تعداد جملہ پانچ (5) ہے!

1- قانون سے لاعلمی 2-رضا کارانہ شراب نوشی 3-ہزل 4- سفر 5-ناجائز دباؤ۔

سوال: 74:۔عوارضِ سماویہ کے بارے میں وضاحت سے تبصرہ کیجئے؟

جواب:۔**عوارضِ سماویہ** (عوارضِ غیر اختیاری) :۔عوارضِ سماویہ انسان کی اہلیت کو اس طرح متاثر کرتے ہیں کہ اگر ان میں سے کسی ایک امر (شئے) کی موجودگی میں انسان سے کوئی غیر قانونی حرکت سرزد ہو جائے تو انسان سے قانونی عقوبتی ذمہ داری (قانونی گرفت) ساقط یا معطل ہو جاتی ہے۔ان اُمور کی تفصیلات درج ذیل ہیں!

1-**صغر سنی یا بے عقلی** (Insanity):۔اس سے مراد سات (7) سال سے کم عمر کا بچہ ہے جو سنِ شعور و تمیز کو ابھی نہ پہنچا ہو اور اس میں اہلیت اداء بالکل نہیں ہوتی البتہ اہلیتِ وجوب کامل طور پر ثابت ہوتی ہے۔

اس بچہ کی طرف سے نیابت (ولی ہونے) کے طور پر زکوٰۃ دی جائے گی، اس کے ظلم و زیادتی

والے افعال کا صرف مالی مواخذہ ہوگا۔

2- **عدم بلوغ (طفولیت)** (Immaturity) :-

وہ بچہ جس کی عمر سات (7) سال سے زیادہ ہو لیکن ابھی بالغ نہ ہوا ہو۔اس وجہ سے اس میں اہلیتِ اداء ناقص پائی جاتی ہے اور اہلیتِ وجوب کامل پائی جاتی ہے۔اس بچہ کی تصرفات (افعال) کی تین صورتیں ہیں!

i- وہ تصرفات جن میں اس کے لئے صرف نفع ہے ضرر نہیں اور اُن میں اُس کے ولی (Guardian) سے اجازت کی ضرورت نہیں۔مثلاً! تحائف وعطیات (Gifts) قبول کرنا وغیرہ۔

ii- وہ تصرفات جن میں صرف ضرر (نقصان) ہو نفع بالکل نہ ہو۔اس سلسلے میں اس کے اقوال و افعال کو لغو تصور کیا جائے گا۔

iii- وہ تصرفات جن میں نفع وضرر دونوں شامل ہوں۔وہ ولی یا قاضی کی اجازت پر موقوف ہوں گے۔

3- **پاگل پن (جنون)** (Lunacy) :-

پاگل پن سے مراد ایسا جنون جس کی وجہ سے عقل میں اس طرح اختلال (Disorder) آ جائے کہ اقوال وافعال میں اعتدال نہ رہے،جس طرح کے ایک ہوش وحواس کی حالت میں ہوتے ہیں۔

اس کی دو قسمیں ہیں!

1- **جنون اصلی**:۔انسان حالتِ جنون میں بالغ ہوا ہو۔

2- **جنونِ عارضی**:۔انسان کو بالغ ہونے کے بعد جنون کا عارضہ (Disease) لاحق ہوا ہو۔

اس عارضہ کی وجہ سے ''اہلیتِ اداء'' بالکل ختم ہو جاتی ہے لیکن اہلیتِ وجوب کامل طور پر باقی رہتی ہے۔گویا مجنوں ایک غیر ممیّز بچے کی مانند ہوتا ہے۔البتہ اگر جنون عارضی (کچھ عرصہ کا) ہو تو دورانِ افاقہ اہلیتِ اداء اور وجوب دونوں ثابت ہوتی ہیں۔

4- **احمقانہ پن** (Idocity) :-

اس کو فتورِ عقل،عتاہت (حواس باختگی) بھی کہتے ہیں۔اس سے مراد عقل کا ایسا نقص (Defect) ہے جس سے آدمی کی فہم وفراست میں کمی آ جاتی ہے۔صاف بات نہیں کرسکتا،انتظامی صلاحیت اور تدبیر کار

ختم ہو جاتی ہے۔ایسے شخص کو ''معتوہ'' بھی کہا جاتا ہے۔احمقانہ پن دو طرح پر ہوتا ہے!

i- فتورِ عقل کی بناء ادراک اور تمیز (سوجھ بوجھ) بھی زائل ہوجاتے ہیں اور آدمی غیر ممیّز (نادان) بچہ کی طرح ہوجائے اس میں اہلیتِ اداء معدوم (ختم) ہوجاتی ہے جبکہ اہلیتِ وجوب کامل طور پر باقی رہتی ہے۔اس کے بھی احکام مجنوں کی طرح کے ہیں۔

ii- فتورِ عقل کے ساتھ ادراک وتمیز باقی رہیں مگر عام ہوشمند لوگوں کے ادراک (سمجھداری) کی طرح نہ ہوں اور وہ ایک ممیّز بچہ کی طرح ہوجاتا ہے۔اس عارضہ کی وجہ سے اس میں اہلیتِ اداء ناقص ہوجاتی ہے اور اہلیتِ کامل طور پر باقی رہتی ہے۔اس پر احکام ممیّز (سوجھ بوجھ) والے بچہ جیسے کے ہیں۔

5- دورۂ بے ہوشی یا اِغماء (Fainting Fits) :-

یہ دورہ نیند کی حالت سے زیادہ شدید ہوتا ہے کیونکہ دورۂ بے ہوشی یا اِغماء کے اثرات کا زائل ہونا اپنی مرضی پر موقوف نہیں، جبکہ حالتِ نینداس کے برعکس ہوتی ہے۔

اسکی دوصورتیں ہیں!

i- بے ہوشی مختصر اور وقتی ہوتو وجوب ساقط (ختم) نہیں ہوگا۔ہوش میں آنے بعد ''اداء'' یا پھر ''قضا'' کے طور پر ادا کرسکتا ہے۔

ii- بے ہوشی طول کھینچے تو وجوب ساقط ہوجائے گا۔ (بخاری۔کشف الاسرار)

6- نسیان (Forgetfulness) :-

نسیان یعنی بھول جانا کا اصطلاحی مطلب ہے کہ ضرورت کے وقت مطلوبہ اَمر ذہن میں نہ آئے۔ اِس عارضہ کی حالت سے حقوق اللہ میں دفعِ حکم موثر (عذر) ہوگا۔مگر حقوق العباد میں (عذر) نہیں سمجھا جائے گا۔حقوق اللہ کے حوالے سے اس عارضہ کی دو جہتیں (Views) ہیں!

i- گناہ گار ہونا۔

اس جہت کے اعتبار سے اِس عارضہ کو عذر مانا جاتا ہے۔جیسا کہ حدیثِ مبارکہ میں ہے!

وضع عن امتی الخطا و النسیان (طبرانی۔المعجم)

''میری اُمت سے خطا اور نسیان (کے بوجھ) کو اُٹھا لیا گیا۔''

ii- اُسکے لئے احکام کا صحیح اور فاسد ہونا۔

اس دوسری جہت کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اور اِس کو جمہور ائمہ نے ''عذر'' مانا ہے جب کہ احناف نے مشروط طور پر موثر (عذر) مانا ہے۔

7- **نیند**(Sleep):۔

نیند وہ طبعی تقاضا ہے جو انسان کو عارض ہوتی ہے اور حالتِ نیند، انسان کے حواس (Senses) اور حرکتِ ارادی کو معطل کر دیتی ہے۔

یہ عارضہ اہلیتِ اداء کے منافی ہے اہلیتِ وجوب کے نہیں۔ لہٰذا سونے والے سے اصل وجوب ساقط نہیں ہوتا بلکہ وہ جاگنے کے بعد اس کو ادا کرلے گا۔

8- **خطاء**(غلطی) (Mistake) :۔

خطاء سے مراد انسان کا وہ قول یا فعل ہے جس میں ارادے کا دخل نہ ہو۔ جیسے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے!

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَانَا (البقرہ 286)

''اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں تو ہماری گرفت نہ فرما۔''

یہ اہلیت کی دونوں قسموں (اہلیتِ اداء اور وجوب) کے منافی نہیں۔ البتہ حقوق اللہ (اجتماعی حقوق) میں اِس کو عذر سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً! اگر کسی سے جہتِ قبلہ (قبلہ کی جانب) کے تعین میں خطا ہو جائے تو صحتِ نماز کے لئے وہ عذر مانا جائے گا۔

9- **غیر رضا مندانہ نشہ** (Unconsented Intoxication):۔

اس عارضہ سے مراد سُکر یا نشہ ہے جو درج ذیل وجوہات کی بناء پر ہو!

i- نشہ والی چیز شربت وغیرہ سمجھ کر خطاءً یا جہالتاً پی لی ہو۔

ii- دھوکے سے کسی نے نشہ والی چیز کھلا دی ہو۔

iii- نشہ پر کسی نے مجبور کیا ہو۔

iv- بطور دوائی کوئی نشہ والی چیز پی لی ہو۔

v- اضطراری (مجبوری کی) حالت میں شدت پیاس یا بھوک سے مر رہا تھا تو نشہ والی چیز استعمال کر لی ہو۔

نوٹ:۔ سُکر یا نشہ سے مراد انسان کی وہ حالت جو کسی نشہ آور چیز کے استعمال کی وجہ سے عارض ہو اور اس

کی عقل تو مکمل طور پر زائل نہ ہو مگر عمل معطل ہو جائے۔ اب اگر سُکر (نشہ) سببِ مباح کی وجہ ہو۔ مثلاً! جہالۃً پیا ہو یا مجبوراً یا بطورِ دوا پیا ہو تو ایسی صورت میں وہ شخص بالاتفاق خطاب شرعی کا مخاطب (مکلّف) نہیں کیونکہ خطاب کے لئے عقل وفہم اور تمیز کا ہونا لازمی ہے۔

لہٰذا ایسے شخص کا ''حکم'' اِغماء (بیہوشی) جیسی ہے، اُس سے بیع وشراء (خرید وفروخت) اور طلاق جیسا تصرف (قول وفعل) معتبر نہیں البتہ اس پر کوئی فرض یا واجب ہو تو افاقہ (نشہ کے اُتر جانے کے بعد) ادا کرے گا اور اگر کسی جان یا مال کو تلف (Destroy) کیا ہو تو اُس سے صرف ضمان (حرجانہ) لیا جائے گا کیونکہ اس فعل میں اس کے ارادہ ونیت کا دخل نہیں ہے۔

10- بیماری (Disease) :۔

بیماری یا مرض سے یہاں مراد، جنون اور بے ہوشی کے علاوہ دیگر امراض (Diseases) ہیں۔ بلکہ بیماری وعارضہ ہے جس کی سبب احکامِ تکلیفی میں تغیر وتخفیف (آسانی وسہولت) ہوتی ہے۔ مثلاً! نماز، روزہ اور حج وغیرہ کے احکام میں تخفیف شامل ہے۔

اسی طرح اگر مرض الموت ہو تو اس کے ایسے تصرفات مالیہ (افعالِ مالی) کو ساقط (ختم) نہیں کردیا جاتا ہے جن سے قرض خواہوں یا وارثوں کو نقصان ہو۔

11- حقائق سے بے خبری (Ignorance of Facts) :۔

حقائق سے بے خبری کا مطلب شرعی حکم سے لاعلمی نہیں بلکہ کسی چیز کی حقیقت کے متعلق فہم اور ادراک (صحیح علم) سے بے خبری ہے۔ مثلاً! لڑکے کو بلوغیت (Puberty) کی علامت ''احتلام'' ہونے اور لڑکی کو ''حیض'' آنے کا ہی علم نہ ہو اور وہ سمجھے کہ یہ کوئی بیماری ہے اور اُن کے بعد غسل نہ کرے تو یہ ان کے حقائق سے بے خبری کہلائے گی اور یہ عذر تسلیم کیا جائے گا۔

12,13- حیض، نفاس:۔

حیض (Menses) سے مراد وہ خون ہے جو کسی بھی عورت کے رحم سے خارج ہو۔ بشرطیکہ وہ کسی بیماری کی وجہ سے نہ ہو۔

نفاس (Discharge of Blood of Childs-birth) سے مراد وہ خون ہے جو کسی عورت کو بچے کی ولادت کے بعد خارج ہوتا ہے۔

یہ دونوں عارضے عورتوں سے متعلق ہیں اور یہ اہلیتِ اداء اور وجوب دونوں کے منافی (خلاف) نہیں بلکہ اُن کی وجہ سے نماز، روزہ کے احکام میں تبدیلی آتی ہے۔ روزے قضا کئے جاتے ہیں جبکہ نماز ساقط ہو جائے گی یعنی نماز کی نہ ادا ہے اور نہ قضاء۔

14- **موت** (Death):۔

عوارضِ سماوی (غیر اختیاری) میں سے آخری عارضہ ''موت'' ہے۔ موت کی حالت میں اہلیتِ اداء مکمل طور پر ختم ہو جاتی ہے لیکن چونکہ اہلیتِ وجوب (ذمہ داری) عہد و پیمان کے ساتھ باقی رہتی ہے، موت کے بعد ذمہ (Legal Capacity) کے حوالے سے تین اقوال ہیں!

پہلا قول:۔ ''ذمہ''، موت کے بعد براہِ راست ختم ہو جاتا ہے چونکہ اس کا تعلق زندگی کے ساتھ تھا اس لئے موت کے ساتھ ''ذمہ'' بھی ساقط ہو گیا۔ اسی بناء پر احناف (حنفی علماء) کہتے ہیں کہ موت کی وجہ سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے۔ میت کے ترکہ سے اس کو ادا کرنا ضروری نہیں۔

دوسرا قول:۔ میت کا ''ذمہ'' ختم نہیں ہوتا بلکہ کمزور پڑ جاتا ہے اس لئے اہلیتِ وجوب ابھی باقی رہتی ہے۔ اس بنیاد پر فقہا شافعیہ کہتے ہیں ''موت'' سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی کیونکہ زکوٰۃ سے مقصود مال ہے نہ کہ مکلّف کا فعل۔ لہٰذا ترکہ سے زکوٰۃ دی جائے گی۔

تیسرا قول:۔ میت کا ''ذمہ'' باقی رہتا ہے ختم نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص قرض (Loan) لے کر فوت ہو گیا ہو تو قرض اس کے ذمہ باقی رہے گا اور ترکہ کے نگران سے اس کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا۔

سوال:75:۔ عوارضِ کسبیہ یا ارضی کے حوالے سے وضاحت کے ساتھ تبصرہ کیجئے؟

جواب:۔ 2- **عوارضِ کسبیہ** (عوارض اختیاری):۔ عوارضِ کسبیہ یا عوارضِ ارضی چونکہ انسان کے اپنے پیدا کردہ یعنی اختیاری ہیں ان کی موجودگی میں انسان کی ذمہ داری مکمل طور پر ساقط (ختم) نہیں ہوتی بلکہ جزوی طور سے متاثر ہوتی ہے۔ ان عوارض کی تفصیلات درج ذیل ہیں!

1- **جہل** (قانون سے لاعلمی) (Ignorance of Law):۔

قانون سے لاعلمی جہل کہلاتی ہے۔ انسان اکتسابِ علم (حصولِ علم) کے ذریعہ اسے دُور کر سکتا ہے۔ جاہل ہونا اہلیتِ وجوب و اداء کے منافی نہیں لیکن بعض حالات میں اس کو عذر سمجھا جاتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

i- **وہ جہل جو عذر شمار ہوتا ھے**:۔

ایسی جہالت جس میں شبہ ہو۔مثلاً! کسی نے ایک عورت سے نکاح کیا اور وہ عورت اُس کی دودھ شریک بہن تھی مگر اُس شخص کو اُس کا علم نہ ہو۔اِس کو ''عذر'' تسلیم کیا جائے گا۔

اسی طرح کوئی دارالحرب (غیر مسلم علاقے) میں مسلمان ہو اور اس کے لئے دارالسلام (مسلم حکومت والے علاقے) کی طرف ہجرت کرنا ممکن نہ ہو تو لاعلمی کی وجہ جو واجبات ادا نہیں کرتا اُن کو ''عذر'' مانا جائے گا کیونکہ دارالحرب میں اسلامی تعلیمات معروف ومشہور نہیں ہوتیں۔

ii- **وہ جہل جو عذر شمار نہیں ہوتا**:۔مثلاً!

ہر وہ شخص جو دارالسلام میں مقیم (رہتا) ہے اُس کے لئے احکام سے لاعلمی عذر شمار نہیں ہوگی۔

نوٹ: ایسی چیز یا امر سے لاعلمی جس پر ظاہر اور واضح دلیل قائم ہو،محض انکار یا تکبر کی وجہ سے لاعلمی شمار کیا جاتا ہو۔مثلاً! خالقِ کائنات،رسولوں کو مبعوث فرمانے یا پھر مخلوق کے مرتبہ خالق تک نہ پہنچ سکنے کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کرنا ''عذر'' نہیں سمجھا جا سکتا۔

2-**رضا کارانہ شراب نوشی** (Consented Intoxication):۔

اس سے مراد،اپنے اختیار سے اور علم سے حرام نشہ (سُکر) کرنا ہے۔جو عقل کو زائل کردے اور دورانِ نشہ اس کے لئے گفتگو میں عقل وتمیز کا ہونا یا نہ ہونا دونوں برابر ہوں۔اُسکی دو صورتیں ہیں!

i- بطریقِ مباح ii- بطریقِ محظور

i- **بطریقِ مباح**:۔مباح (جائز) طریقے سے شراب پینا کا مطلب ہے۔مثلاً!

۔مجبور کا اپنی جان بچانے کے لئے بقدرِ ضرورت شراب پینا بشرطیکہ اس کے علاوہ اور کوئی جائز صورت نہ ہو۔ایسی صورت میں اُس کا حکم بے ہوشی جیسا ہے اور یہ تمام تصرفات (معاملات) کے مانع ہے۔

ii- **شراب نوشی** (سُکر) بطریقِ محظور:۔

اس کا مطلب حرام اور ناجائز طریقے سے شراب پینا۔مثلاً!

بغیر کسی عذر اور مجبوری کے محض نشے یا عیاشی کی خاطر شراب پینا۔اس صورت میں اُس کا حکم یہ ہے کہ بالاتفاق خطاب کے منافی نہیں،شریعت کے تمام احکام اُس پر نافذ ہوں گے اور اُس کی تمام عبارات (تحریر) اور تصرفات (قول وفعل) جیسے طلاق،عتاق،خرید وفروخت اور معاہدات وغیرہ صحیح ہوں گے اور

اگر وہ کسی جرم کا مرتکب ہوگا تو اُسے سزا دی جائے گی، اگر کسی کو قتل کرے گا تو قصاص (جان کے بدلے جان) لیا جائے گا۔ (صدرالشریعہ۔التوضیح) ، وحبۃ الزحیلی۔اصول الفقہ)

نوٹ:۔''امام احمد حنبلیؒ، امام طحاویؒ امام کرخیؒ اور بعض مالکیوں کے نزدیک نشے میں مدہوش شخص کی طلاق واقع نہیں ہوگی خواہ مباح طریقے سے ہو یا محظور طریقے سے، نشہ ارادے اور قصد کو ختم کردیتا ہے اور معاملات و معاہدات کی درستگی قصد (ارادے) کی سلامتی پر موقوف ہے جبکہ نشہ اسے زائل کر دیتا ہے۔ لہٰذا اس کے تصرفات واقع نہیں ہوں گے۔''

یہ رائے جمہور فقہاء کی رائے کے مخالف ہے کیونکہ وہ نشے کی مذکورہ دونوں صورتوں کے درمیان ''سبب'' کی بناء پر فرق کرتے ہیں۔

3- **ھزل** (Jest) :۔

ہزل ضد ہے الجد کی۔''ہزل'' سے مراد اپنی مرضی اور اختیار سے معنی کو سمجھتے ہوئے ایسا غیر مناسب کلام (لفظ) کہنا جس کا نہ تو حقیقی معنی مراد ہو اور نہ ہی مجازی۔ بلکہ ایسا کرنا بطور لہو ولعب ہو۔

یہ عارضہ (ہزل) اہلیتِ وجوب اور اہلیتِ اداء دونوں کے منافی نہیں البتہ یہ بعض تصرفات (افعال) پر اثر انداز ہوتا ہے۔''ہزل'' سے متعلق تصرفات کی تین صورتیں ہیں!

i- اعتقادات ii- اخبارات iii- انشاءات

i- اعتقادات:۔

عقیدہ سے متعلق اگر کوئی مسلمان ''ہزل'' کا مرتکب ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔مثلاً! کوئی مذاق میں کلمۂ کفر کہہ دے تو وہ مرتد ہو جائے گا اگرچہ اس کا مقصد ارتداد نہ تھا۔کیونکہ مذاق میں کفریہ بات کہنے قرآن میں سورۃ توبہ کی آیت 66 کی رُو سے کفر قرار پاتا ہے۔

لہٰذا بطورِ ہزل کلمۂ کفر کہنے والے پر مرتد ہونے کے احکام نافذ ہوں گے۔

ii- اخبارات:۔مثلاً!

اگر کوئی مذاق میں بیع (خرید و فروخت) یا اجارہ (معاہدہ) کے وجود کا اقرار کرتا ہے یا خبر دیتا ہے تو اس کا یہ اقرار باطل اور لغو مانا جائے گا۔

iii- انشاءات:۔

ایسے اقوال جن پر شرعی قانونی نتائج مرتب ہوتے ہوں ''انشاءات'' کہلاتے ہیں۔ان کی دو صورتیں ہیں!

(a) **جن میں ھزل کا عارضہ تسلیم کیا جاتا ھے !**

ان میں بیع ،اجارہ اور وہ سارے تصرفات شامل ہیں جن میں فسخ (ٹوٹنا) کا احتمال (امکان) ہو۔ پس مذاق میں خرید وفروخت اور اجارہ شرعاً دُرست نہیں۔

(b) **جن میں ''ھزل'' کو عارضہ تسلیم نھیں کیا جاتا ھے !**

ان میں نکاح ،طلاق ،عتاق اور رجعت شامل ہیں۔کیونکہ فرمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے!

''تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی اور مذاق (دونوں) سنجیدہ ہی شمار ہوتے ہیں۔

لہٰذا، نکاح، طلاق اور رجعت یا عتاق، اس قسم میں وہ جملہ تصرفات بھی شامل ہیں جن میں فسخ کا احتمال نہیں۔''

4- **سفر**(Journey) :۔

شرعی طور پر ''سفر'' کو عوارض کسبیہ (اختیاری) میں شمار کیا جاتا ہے۔اس کی کم از کم مسافت (فاصلہ) تین دن درمیانی رفتار میں پیدل یا اونٹ پر سفر کرنا کے برابر ہے جو تقریباً 48 میل یا 75 کیلومیٹر بنتی ہے۔اس مقدار کا سفر نہ ہی اہلیتِ وجوب کے اور نہ ہی اہلیتِ اداء کے منافی ہے بلکہ اس سفر کی وجہ سے احکام میں تخفیف (آسانی یا کمی) ہوجاتی ہے۔مثلاً سفر میں نماز (فرض) کی قصر کرنے اور روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

5- **اِکراہ نا جائز دباؤ**(Coercion):۔

انسان کو کسی ایسے امر (کام) کے لئے مجبور کرنا جو اسے طبعًا یا شرعاً ناپسند ہو۔اور اس کو مجبور نہ کیا جاتا تو وہ خود نہ کرتا،''اکراہ'' کہلاتا ہے۔فقہا نے''اکراہ'' کی تین شرائط بیان کی ہیں!

i- مجبور کرنے والا شخص جو دھمکی دے رہا ہے وہ اس کے کر گزرنے پر پوری طاقت رکھتا ہے۔

ii- دھمکی جان، مال یا کسی رشتہ دار کو ہلاک کرنے کی ہو یا وہ دھمکی اس کے لئے بڑے غم کا سبب بنے اور اس کی رضا کے خلاف ہو۔

iii- جس شخص کو مجبور کیا جا رہا ہے وہ اس دھمکی سے خائف ہوجائے کہ اگر وہ اس کا مطالبہ پورا

نہیں کرے گا تو فوری طور پر وہ کام کرگزرے گا جس کی اس نے دھمکی دی ہے۔

نوٹ:۔احناف نے ''اکراہ'' کی دو اقسام بیان کی ہیں! (صدر الشریعہ۔التوضیح)

(a) **اِکراہِ اضطرارِ کامل**:۔

اس سے مراد اکراہ جس میں انسان کی رضا اور اختیار دونوں ختم کر دیئے جائیں۔مثلاً!

کسی کی جان،عضو یا تمام مال تلف (Ruin) کر دینے کی دھمکی۔

(b) **اِکراہ (اضطرارِ) ناقص**:۔

وہ اکراہ جس میں انسان کی رضا تو معدوم ہو مگر اختیار وقدرت باقی رہے۔

مثلاً! مار پیٹ یا قید کرنے کی دھمکی۔

مکروہ علیہ کی اقسام:۔

مکرہ علیہ یعنی جس چیز کے لئے کسی کو مجبور کیا جاتا ہے۔اس کی پھر دو قسمیں ہیں!

i- اقوال ii- افعال

i- **اقوال**:۔مثلاً! کلمۂ کفر کہنے پر مجبور کرنا۔اس کی مزید دو صورتیں ہیں!

a- نا قابل فسخ اقوال،مثلاً! طلاق دے گا تو خواہ اکراہ ہو یا غیر اکراہ،طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

b- قابل فسخ اقوال، جیسے بیع (خرید وفروخت) اور اجارہ (معاہدہ) وغیرہ کرنے پر مجبور کرے تو بیع واجارہ فاسد اور لغو قرار دیا جائے گا خواہ اکراہ (اختیاری) ہو یا غیر اکراہ (غیر اختیاری)۔

ii- **افعال**:۔کسی فعل مثلاً! کسی کو قتل کرنے پر مجبور کیا جانا۔اس کی مزید تین صورتیں ہیں!

a- افعال جو ضرورت کے وقت جائز ہوں مثلاً! شراب نوشی۔مُردار خُوری وغیرہ ان افعال کے لئے اکراہِ اضطراری (شدید) ہو تو ان افعال کا بجالانا نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے۔اگر نہیں بجالائے گا تو گناہ گار ہوگا۔

b- افعال جس میں ضرورت کے وقت رخصت ہو جیسے کلمۂ کفر کہنا جب ایمان پر دل مطمئن ہو۔ان افعال کے لئے اکراہِ اضطراری (شدید) کیا جائے تو بجالانے میں گناہ نہیں۔البتہ بجالانے سے اِنکار کر دے تو اس پر اجر ملے گا۔

c- افعال جو کسی صورت میں جائز نہیں۔مثلاً! قتل یا زنا کرنے پر اکراہ۔ان افعال کے لئے اکراہ

کی صورت میں بجالانے سے اِنکار کردے۔اگر بجالائے گا تو سزا کا مستحق ہوگا۔

سوال:76:۔قانونِ شریعت کا بنیادی تصور کے حوالے سے مختصر مگر جامع گفتگو پر مبنی تذکرہ کیجئے؟

جواب:۔قانونِ شریعت کا بنیادی تصور:۔

یہ وہ چار بنیادی عناصر (Factors) ہیں جن سے اسلامی قانون کا وجود تشکیل پاتا ہے۔

1- قانونِ شریعت بنیادی اعتبار سے وحی الٰہی سے بالواسطہ یا بلاواسطہ ماخوذ وہ قانونی قدر ہے جو انسانی افعال اور حقوق وفرائض سے بحث کرتی ہے اور جس کا منبع (Source) و ماخذ قرآن وسنت یا اجماعِ قطعی ہوتا ہے۔

2- اسلامی قانونِ شریعت کے احکامات جن سے شرعی قدر یا قانونی ضابطے کو اخذ کیا جاتا ہے، بنیادی طور پر اُن افراد کو مخاطب کرتے ہیں جو اہلیت اور تکلیفِ شرعی کے معیار پر پورے اُترتے ہیں۔

3- یہ قانونِ شریعت اپنی ماہیت (Nature) کے اعتبار سے دینی بھی ہوسکتا ہے اور لادینی (Secular) بھی ہوسکتا ہے۔لہٰذا وہ تمام قواعد وضوابط جو قرآن وسنت سے براہِ راست ماخوذ نہ ہو لیکن انہیں قیامِ عدل، مملکتِ اسلامیہ کے منصوبہ جات (Plans) کی تکمیل اور دیگر رفاہی وفلاحی مقاصد (Public welfare & Prosperity objectives) کے حصول کے لئے ریاستی ادارے (Govt.Institutions) مرتب (Formulate) کریں، شریعت کی رُو سے قانون تصور ہوتے ہیں۔ اِن کی صحتِ مشروعیت (مباح) صرف ایک ہی شرط پر منحصر ہوتی ہے کہ یہ (قواعد وضوابط) کسی بھی شرعی حکم سے بالواسطہ یا بلاواسطہ ماخوذ ہونے چاہئیں۔یا پھر شریعت کے کسی عطا کردہ حق اور اختیار کے تحت مرتب کئے گئے ہوں اور مقاصد ومناہج (طریقہ) سے مطابقت رکھتے ہوں۔

4- ایسے تمام عملی ضوابط و قواعد اصطلاحِ شرعی میں ''قانون'' کہلاتے ہیں۔یہ وہ تصور (Concept) ہے جس میں آفاقیت (Universality) بھی ہے اور ہمہ گیریت بھی۔نہ اس قانون میں کسی حذف واضافہ (Omission & Addition) کی گنجائش (Scope) نہ ردوبدل (Reforms) کی ضرورت ہے۔

۔یہی وجہ ہے کہ اسلامی قانون (شریعت) مغربی قانون (Western Law) کے مقابلے میں ہمیشہ دائمی، ابدی (Everlasting) غیرمتبدل (Unalterable) اور ناقابل تنسیخ (Unrevocable) ہے۔

حصہ سوم

احوالِ مجتہدین

(Biographies of Islamic Jurists)

1- تمہید **(Introduction)**

ضرورتِ فقہ **(Needs of Fiqua)**

2- تعریف فقہ، اصولِ فقہ، اجتہاد **(Definations)**

شرائطِ اجتہاد **(Condition of Jurisprudence)**

اوصافِ مجتہد **(Qualities of Jurist)**

3- تعارفِ فقہاء عہدِ رسالت ﷺ وصحابہ کرامؓ **(Biography)**

4- تعارفِ مجتہدین، تابعین تا تبع تابعین **(Biography)**

5- تعارفِ فقہائے برصغیر ھند و پاک **(Biography)**

6- فن فقہ وکلیاتِ فقہ **(Science of Fiqua & Principles of Fiqua**

1- لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ (البقرہ:256)

ترجمہ:۔ دین میں کوئی زبردستی نہیں۔

2-لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ:286)

ترجمہ:۔اللہ کسی جان کواس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔

3- وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِىْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط

(الاعراف:157)

ترجمہ:۔(اورآپؐ کی شان ہے کہ) سب چیزیں اُن کے لئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کواُن پرحرام کرتے ہیں اوراُن پر سے اُن کے بوجھ اوروہ طوق (سابقہ مذہبی دشواریاں اور قیود) جواُن پر (نافرمانیوں کے باعث) ڈالے گئے تھے اُتار دیتے ہیں۔''

(39)1- تمہید

(Introduction)

سوال :77:۔اُن اکابر صحابہ کرامؓ، تابعینؒ وائمہ کرام اور علمائے عظام عاشقانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا تذکرہ کیجئے جنہوں نے شرح صدر محمدی ﷺ سے ضیاء پاکر نقشِ قدمِ رسول پر گامزن رہتے ہوئے روایتِ (حدیث وفقہ) کی خدمت کی ہے اور طالبانِ حق کی رہنمائی فرمائی ہے؟

جواب:۔اِس اہم و عظیم سوال کے جواب میں مرشدی و مولائی شمس المفسرین، علامہ بحرالعلوم حضرت محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؔ علیہ الرحمۃ کے مقالہ سے متعلقہ اقتباسات پیشِ خدمت ہے جو آپؒ نے اپنی تفسیر صدیقی کے مقدمہ میں بعنوانِ تمہید تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو !

شرح صدرِ محمدیؐ کے بیان میں فقیر محمد عبدالقدیر صدیقیؒ کے خیال میں ایک مثال، مرئی ونمایاں ہو رہی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ معارف گنجینہ سے ایک عظیم الشان، زُوردار آبشار (Cataract) نکل رہا ہے۔ یہ آبشار کہیں آواز بن کر قاریوں کے گلے سے قرآن کی صورت میں نکلتا ہے، کہیں برق (Musketeer) بن کر عاشقوں کے دلوں پر گرتا ہے، کہیں حرارت بن کر اُن کے دلوں کو سوخت (Grieved) کر دیتا ہے اور اُن کی آہ و بکا کا باعث بھی ہوتا ہے۔ کہیں حرکت (Gesture) بن کر جاں نثارانِ محمدیؐ کے زُور وقوت میں ہویدا ہوتا ہے، اور اُنہیں جانبازی پر انگیختہ (Instigation) کرتا ہے اور اعمالِ شاقّہ (کٹھن مہمات) کو آسان کر دیتا ہے اور نہایت لطیف حرکت و افعال، آواز میں محبوبانہ اور دلربائی و دلکشیِ معشوقانہ بنتا ہے اور لوگوں کے دِلوں کو مسخر (Overcome) کر لیتا ہے۔

یہی آبشار روشنی بن کر نمایاں ہوتا ہے اور اہلِ علم کے دلوں کو منوّر کر دیتا ہے اور کہیں حیاتِ جاودانی بن کر باقی باللہ افراد کو زندۂ جاوید (ہمیشہ رہنا) کر دیتا ہے۔ کہیں بُردِ یقین ونورِ سکینہ اور اطمینانِ قلب بن کر بندگانِ خاص کے لئے باعثِ تسکینِ خاطر ہوتا ہے اور کہیں عامۃ المسلمین کے لئے سرمایۂ طہارت ولطافت ہوتا ہے۔

اُس آبشار کا پانی ایک بحیرہ ساگر (سمندر) میں جمع ہوتا ہے۔ اُس کے ایک جانب بند (Fetters) باندھا گیا ہے جس میں کئی دروازے یا دَر ہیں جو قیامت تک کبھی بند نہ ہونے والے ہیں۔ ہر ایک دروازہ پر کتبے (Plaque) لکھے ہوئے ہیں جن کی تفصیل درجِ ذیل ہے!

1- دَرِ محدثین :-

ایک در پر یہ کتبہ ہے۔

مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا. (الحشر- 7)

ترجمہ:۔ رسول ﷺ جو تمہیں دے اُسے لےلو اور جن سے منع فرمائے اس سے اجتناب کرو (بچو)۔

اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَیَّنُوْا ۔(الحجرات-6)

ترجمہ:۔اگر کوئی شریر نا قابل اعتبار شخص کوئی خبر لائے تو تم (اس کی) تحقیق کرو۔

یہ دَرمحدثین کا ہے یہاں سیکڑوں ہزاروں چھوٹے بڑے تخت بچھے ہیں۔اُن میں سے چند تخت نشینوں کے نام یہ ہیں!
ایک تخت پر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ،ایک پر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں جو آنحضرت ﷺ ہی کے زمانے میں احادیث کو جمع کرنا شروع کر چکے تھے۔ایک پر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔اور ایک حجرہ ہے جس پر پردہ چُھوٹا ہوا ہے،اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ایک تخت پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ایک پر حضرت امام مالک بن انسؒ ہیں اور آپ کے ہاتھ میں ''موطا شریف'' ہے۔ایک پر حضرت امام محمد ابن الحسنؒ ہیں اور اُن کے ہاتھ میں اُن کی ''موطا'' ہے۔ایک پر حضرت امام احمد بن حنبلؒ تشریف رکھتے ہیں، اُن کے ہاتھ مین ''مسند احمد'' ہے۔ایک پر حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ ہیں جنھوں نے صحیح احادیث کا انتخاب کر کے ''صحیح بخاری'' میں جمع کیا ہے۔اُن ہی کے پاس '' تاریخ بخاری'' بھی ہے جس میں تمام راویانِ حدیث کے حالات جمع کر دیئے ہیں۔ایک تخت پر حضرت امام مسلمؒ ابن حجاج ہیں اور اُن کے ہاتھ میں اُن کی ''صحیح مسلم'' ہے۔ایک پر حضرت عبداللہ بن یزید ابن ماجہؒ ہیں اور اُن کے ہاتھ میں ''سنن ابن ماجہ'' ہے۔ایک پر حضرت ابو عبدالرحمٰن احمد نسائیؒ ہیں اور اُن کے ہاتھ میں ''سنن نسائی'' ہے۔اور ایک تخت پر حضرت امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ ہیں اور اُن کے ہاتھ میں ''ترمذی شریف'' ہے۔ایک پر حضرت سلیمان بن اشعث ابو داوٗدؒ ہیں اور اُن کے ہاتھ میں ''سنن ابی داوٗد'' ہے۔ ایک تخت پر حضرت سیدنا شہاب الدینؒ ہیں جن کے پاس ''مواہب لدنیہ'' ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و سیرت کی احادیث ہیں۔اور ایک چھوٹے سے تخت پر حضرت علی متقیؒ ہیں اور اُن کے پاس اُن کی کتاب ''کنز العمال'' ہے جو احادیثِ نبویؐ کے ''دائرۃ المعارف'' کا حکم رکھتی ہے۔وہیں ایک جانب حضرت احمد حجر عسقلانیؒ بیٹھے ہیں اور اُن کے پاس ''تہذیب التہذیب'' ہے جس میں اسمائے رجال ہیں۔ایک تخت پر حضرت شمس الدین ذہبیؒ ہیں اور اُن کے پاس ''تذکرۃ الحفاظ'' ہے جس میں حافظانِ حدیث کا ذکر ہے۔واضح ہو کہ محدثین اُس شخص کو حافظ کہتے

ہیں جس کو کم از کم ایک لاکھ حدیثیں یاد ہوں۔

2- دَرِ فُقہاء :۔ایک دَر پر یہ کتبہ ہے!

فَسْئَلُوآ اَھْلَ الذِّکْرَ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل۔43)

ترجمہ:۔اے لوگو! اہل علم سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ (الحشر-2)

ترجمہ:۔اے آنکھ والو کچھ تو عبرت پکڑو۔

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُو ا فِیْنَا لَنَھْدِ یَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔(العنکبوت-69)

ترجمہ:۔جو ہمارے متعلق جدو جہد کرتے ہیں تو ضرور ہم اُن کو راستوں کی ہدایت کرتے ہیں۔

یہ دَر فقہا کا ہے۔اس دَر کے پاس کے تختوں میں سے ایک پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ،اور ایک تخت پر حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ،حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں۔اور ایک حجرہ میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ایک تخت پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ،ایک پر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ،اور ایک پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں اُن ہی تختوں کے پاس حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی علیہ الرحمۃ بیٹھے ہوئے ہیں،اُنہوں نے قرآن وحدیث سے استنباطِ مسائل کیا۔امام ابو حنیفہؒ کی مجلسِ فقہا میں امام ابو یوسفؒ،امام محمد ابن الحسنؒ وغیرہ چالیس (40) محدث وفقیہ ایک گول میز کے اطراف بیٹھے ہیں۔

حضرت امام محمد ابن الحسنؒ کے پاس ''سیر کبیر'' اور دیگر فقہ کی کتابوں کا انبار ہے۔ایک جدا تخت پر امام مالک بن انسؒ (93-179ھ) مع ''موطا'' کے تشریف فرما ہیں۔''موطا'' تمام کُتبِ حدیث کی ماں ہے۔ایک اور تخت پر امام محمد بن ادریس شافعیؒ ہیں اُن کے پاس ''کتاب الام'' ہے۔امام ابن الحسنؒ اور امام محمد بن ادریس شافعیؒ کے باہمی مباحثات اور مذاکرات سے اصولِ فقہ اور اصولِ حدیث کی بنا پڑی۔یہ وہ زمانہ تھا کہ رومن لا کا نام ونشان بھی کوئی نہ جانتا تھا۔یاد رکھو کہ قرآن وحدیث ہی فقہ الاسلام کا ماخذ ہیں۔وہ شخص ہر گز فقیہ نہیں ہوسکتا جو بغیر قرآن و حدیث کے ماخذ کے ذاتی رائے رکھتا ہو،جس نے بلا ماخذ کوئی حُکم دیا ہو وہ اس پر رَد ہے،اس پر بے حد کد ہے۔ایک تخت پر حضرت امام احمد بن حنبلؒ ہیں،جن کے پاس ''مسند احمد'' ہے،یہ حدیث شریف کا بڑا ذخیرہ ہے۔امام احمد بن حنبلؒ ضعیف کے مقابل قیاس سے کام نہیں لیتے۔دوسری کرسیوں پر مجتہد فی المذہب' اصحابِ ترجیح،مجتہد فی المسئلہ بیٹھے

ہوئے ہیں جو ہر زمانہ کے اقتضاء کے موافق قرآن وحدیث سے استنباطِ مسائل کرتے ہیں۔ ہر زمانے میں چند افراد کو استنباطِ مسائل کی کرسی مل ہی جاتی ہے۔

3- **دَرِ متکلمین** :۔ ایک اور دَر پر یہ کتبہ ہے!

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَ جَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (النحل-125)

ترجمہ:۔تم طریق حق کی تبلیغ کرو (کس طرح ؟) حکمت سے اور پند ونصیحت سے اور (پیغمبر!) اُن سے بحث کرو تو بہترین طریقہ سے بحث کرو۔

یہ دَرِ متکلمین (Scholastics) کا ہے۔اس دَر کے پاس بھی بہت سے تخت بچھے ہیں، جن میں سے ایک تخت پر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے خوارج (Dissenter) سے مناظرہ کیا کیونکہ اُس زمانے میں فرقہ خوارج و فرقہ روافض (شیعہ) پیدا ہو چکے تھے۔اُس دَور میں مذہبی اختلافات کا فوری فیصلہ تلوار کردیتی تھی۔ یہ یاد رکھو کہ بعض لوگ بزرگوں کو مانتے ہیں اور بعض بالکل نہیں مانتے اعتدال پر رہنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ بزرگوں کو ماننے والوں کی انتہا شخصیت پرستی اور بُت پرستی ہوتی ہے۔اور خود پسندوں کی انتہا دہریت اور لادینی پر ہے۔

ایک تخت پر حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی ؒ ہیں اور اُن کے ہاتھ میں ''فقہ اکبر'' ہے۔امام اعظم حضرت ابوحنیفہ ؒ کو خوارج سے ہروقت مناظرکرنے پڑتے تھے۔

ایک اور تخت پر حضرت ابوالحسن اشعریؒ ہیں جو فرقہ معتزلہ کے رَد میں سرگرم ہیں۔معتزلہ کے پاس اُن کی عقل کے خلاف کوئی چیز اسلام میں نہیں ہے۔اصل میں یہ ایک غلطی میں گرفتار ہیں کہ'' جو چیز میں نہیں جانتا میرے پاس ثابت نہیں وہ واقع ہی نہیں''۔

ایک اور تخت پر حضرت امام محمد غزالی ؒ تشریف فرما ہیں اور اُن کے ہاتھ میں ''تہافتہ الفلاسفہ'' وغیرہ علمِ کلام کی کتابیں ہیں۔حضرت امام غزالی ؒ کے زمانے میں پہلے عربی میں مختلف فلاسفر اُن کی کتابوں سے عقائد، تصوف، تہذیبِ اخلاق وغیرہ سب کا افادہ ہوتا رہا ہے۔فلسفہ کی کتابیں تیار کروانے میں خلیفہ مہدی اور ہارون رشید بہت پیش پیش رہے ہیں۔

ایک اور تخت پر حضرت امام فخر الدین رازیؒ ہیں جنہوں نے فلسفہ قدیم کے پرخچے اڑا دیئے، اُن کے ہاتھ میں مباحثِ مشرقیہ، معالم وغیرہ بیسیوں علمِ کلام کی کتابیں ہیں۔ایک اور تخت پر قاضی عضد الملۃ وَالدّین حضرت عبدالرحمٰن بن احمدؒ بھی بیٹھے ہیں اور اُن کے ہاتھ میں ''مواقف'' ہے۔جن کے حسنِ تعلیم سے لاکھوں چنگیز خانی اشخاص مشرف بہ

اسلام ہوگئے۔ دوسری کرسیوں اور چوکیوں پر ہزاروں خادمانِ دین متمکن ہیں جو ہمیشہ مخالفانِ اسلام کی تردید میں سرگرم ومستعدر ہے ہیں۔

4- دَرِ علماء مَدَنِیات (اصلاح و ترقی،تمدن،حفظِ امن اورحفاظتِ اقتدارِاعلیٰ) :۔

ایک اوردَر پر یہ کتبہ ہے!

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا .

ترجمہ:۔اورتم سب مل کر اللہ کی رسی کومضبوط پکڑلواور(پھوٹ میں نہ پڑو)فرقہ بندی میں مبتلا نہ ہو

وَ تَذۡهَبَ رِيۡحُكُمۡ (الانفال-46)

ترجمہ:۔اورتمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

اَلۡمُسۡلِمُوۡنَ كَالۡبُنۡيَانِ يَشُدُّ بَعۡضُهٗ بَعۡضًا (حديث)

ترجمہ:۔مسلمان عمارتوں کے مانند ہیں کہ اُس کی ایک اینٹ دوسری کومضبوطی دیتی ہے۔

یہ دَر مدنیات،اصلاح و ترقی،تمدن،حفظِ امن اور حفاظتِ اقتدارِاعلیٰ کا ہے۔

اِس کے پاس ایک بڑا تخت ہے جس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جلوہ فگن ہیں،جنہوں نے مانعینِ زکوٰۃ (زکوٰۃ دینے سے پھر جانے والوں) سے جنگ کی اور مرتدین سے جہاد کرکے شیرازۂ اسلام (تنظیمِ اسلام) کومنتشر ہونے سے بچالیا۔اجنادین کی فتح بھی اُن ہی کے زمانے کی ہے۔علماء نے اِس کے متعلق کہا ہے ''وَلَقَدۡ قَامَ مَقَامَ نَبِيٌّ''۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام اصحاب سے لےکر ایک جگہ مکتوباتِ قرآنی کوجمع کردیا اور اس طرح حَبۡلُ الله کی حفاظت ہوئی۔پاس ہی ایک دوسرا تخت ہے،جس پر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں جن کے زمانے میں نہ صرف غیرمعمولی فتوحات حاصل ہوئیں بلکہ زمین کی پیمائش ہوئی،مقطعوں (Blocks) کا انتظام ہوا بلحاظِ ضرورت مختلف قوانین (Laws) نافذ ہوئے اور طرح طرح کے محصول (Revenue) رعایا (لوگوں)پر عائد کئے گئے۔

ایک اورتخت پر حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ (تابعی وخلیفہ) ہیں جنہوں نے آزاد تمدن (Free Urbanization) کو اسلامی تمدن (Islamic Culture) میں تبدیل کرنے کی کوشش کی اوراس میں اپنی جان دے دی۔ایک اورتخت پر شاگردِ حضرت امام مالکؒ ،ہارون رشید (خلیفہ) ہے جس کے زمانے میں امن وامان اورعِلم و دولت دونوں انتہائی عروج پر تھے۔ایک چھوٹے تخت پر جلال الدین خلجی ہے جس کے ایک گوشے پرعلاءالدین خلجی بھی بیٹھا ہے جس

کے زمانے میں فتوحات بھی ہوئیں اور ترقی تمدن بھی۔ایک چھوٹے تخت پر شیر شاہ سوری بھی ہے جس کے زمانے میں شہروں میں تنظیم راستوں کا انتظام، مسافروں کے لئے سہولت اور مالگذاری کا ہر طرح سے انتظام تھا۔اس دَر کے ایک جانب علمائے مدنیات اپنے اپنے تختوں پر متمکن ہیں!

ایک تخت پر حضرت ابو حامد غزالیؒ ہیں جن کے پاس اُن کی اعلیٰ اور کثیر تصانیف ہیں۔اُن کی کتاب ''احیاء العلوم'' میں اسلام وتمدن سے کافی بحث کی گئی ہے۔

ایک اور تخت پر حضرت شیخ احمد بن عبدالاحد فاروقیؒ المعروف شیخ احمد سر ہندیؒ ہیں۔آپ اکبر اور جہانگیر (مغل بادشاہوں) کے ہم زمانہ تھے۔اُن کے زمانے میں تصوف، الحاد میں مبدل ہوگیا تھا۔خود پرستی، شاہ پرستی کا زُور تھا۔حضرت شیخ احمد سر ہندیؒ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور یہ یادگار فاروق اعظمؓ نہایت پامردی سے حمایتِ دین پر قائم رہے۔آپؒ کے فیضِ تربیت سے لاکھوں آدمی اب تک سیراب ہو رہے ہیں۔آپؒ کے پاس مکتوب شریف کی تین جلدیں ہیں۔ایک چھوٹے سے تخت پر حضرت ابن خلدونؒ ہے جن کے پاس ''تاریخ اسلام'' اور ''مقدمہ'' رکھے ہوئے ہیں۔مقدمہ میں ''اصول تمدن اور فلسفہ تاریخ'' پر کافی بحث موجود ہے۔اور ایک چھوٹے تخت پر احمد بن عبدالرحیم المعروف شاہ ولی اللہ دہلویؒ بیٹھے ہیں، جن کے پاس ''حجة الله البالغة'' ہے۔یہ کتاب فلسفہ اسلام سے بھری ہے۔اُن ہی کے پاس'' ازالة الخفاء عن احوال الخلفاء'' بھی ہے جو ہے تو تاریخ مگر اس سے تمدنِ اسلام پر بھی خوب روشنی پڑتی ہے۔

اسی طرح دیگر اور بھی در ہیں جن پر کتبہ ہیں جن میں درِ قرآن ۔ درِ مفسرین، درِ تہذیبِ نفس، درِ موحدین، درِ عاشقان (عشق ومحبت) اور درِ عبدیت جن کے اکابرین صحابہ وائمہ اور علماء کی تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''نقشِ قدمِ رسول'' باب اول میں ملاحظہ فرمائیں۔

40- فقہ اور اجتہاد

(Islamic Jurisprudence)

سوال:78:۔فقہ اور اجتہاد کی تعریفات اور ان کے مختلف پہلوؤں پر مختصر و جامع تبصرہ کیجئے ؟

جواب : (تعریف فقہ):''الفقہ'' سے مراد صرف لفظ کا معنی سمجھ لینا نہیں بلکہ اُس کی روح کو پانا ''فقہ'' ہے ۔یعنی ''فقہ'' کے مفہوم میں دقتِ فہم یا باریک بینی ومعرفت' غرض مطالب شارح (اللہ ورسول) ہے ۔

چنانچہ اصولیین (علمائے اصول) نے فقہ کی اصطلاحی تعریف یوں کی !

فقہ سے مراد' احکامِ شرعیہ کا وہ علم جو دلائل تفصیلیہ سے حاصل ہو۔

دلائل تفصیلیہ دوطرح کی ہوتی ہیں ۔1- دلیلِ کلی (اجمالی) 2- دلیلِ جزئی (تفصیلی)۔

دلائل تفصیلیہ کے ماخذ (Source) جو اصول فقہ میں بیان کئے گئے ہیں وہ چار(4) ہیں ۔

1- کتاب اللہ (قرآن مجید) 2- سنتِ رسول (حدیث) 3- اجماعِ امت 4- قیاسِ مجتہد

نوٹ :۔احکام شرعیہ کے اثبات (ثبوت) میں کتاب وسنت ہی معتبر ہیں ۔نیز مجتہدین کا قیاس اور اس پر علمائے امت کا اجماع بھی مثبت (Positing) احکام میں داخل ہے ۔ان چار ادلہ شرعیہ کے علاوہ کوئی دلیل بھی شرعی احکام کی مثبت (ثابت)نہیں ہے ۔ (مکتوبات شرعیہ' شاہ محمد اسحاق دہلوی ؒ)

مجتہد (تعریف):۔''مجتہد'' دلائل سے استنباطِ احکام میں اپنی خواہش سے کام نہیں لیتا بلکہ اُن قوائد کے تابع ہوتا ہے جو''اجتہاد'' کے لئے وضع کئے گئے ہیں ۔

اوصافِ مجتہد:۔مجتہد کا اطلاق اُس طبقہ علمائے حق سے ہوتا ہے جو اعتدال پسند، افراط پسند نہ تفریط ، نہ عقل سے محروم ، نہ عقل کے بندے بلکہ اصولِ الٰہی کی پابندی کے ساتھ عقل کی کاوش کرنے والے' احکام اصول کی اطاعت کے ساتھ''اجتہاد'' کرنے والے ہوتے ہیں ۔ان کو''فقہا'' بھی کہا جاتا ہے''فقہا'' کو محدث ہونا ضرور ہے مگر''محدث'' کوفقیہ ہونا ضرورنہیں ۔

جن کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تفقہ نصیب کرتا ہے وہ ''فقیہ'' ہوتا ہے اور ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں ۔پھر مجتہدین کے درجہ اور طبقات بھی ہیں ۔1- مجتہد مطلق 2- مجتہد فی المذہب 3- مجتہد فی مسئلہ

4- اصحاب استنباط 5- اصحاب ترجیح 6- مفتی وغیرہ۔ان کی تفصیل ''مقدمہ'' میں گزر چکی ہے۔
اِن میں پہلے تین درجے کے علمائے اجتہاد کہلاتے ہیں اور باقی تین درجے کے علمائے تقلید کے زمرہ میں آتے ہیں۔

شرائط اجتہاد (قیاس):۔علمِ اجتہاد یا قیاس وہ علم ہے جس کے ذریعہ کسی بات (مسئلہ) پر کوئی حکم قرآن وحدیث اور اجماعِ امت میں نہ مل سکے تو اس حکم کو قرآن وحدیث (سنت) سے قیاس واستنباط (Infer & Conclude) کر کے نکالا جاتا ہے۔

قیاس کے شرائط کے لئے ضروری ہے کہ مجتہد کو قرآن و حدیث سے متعلقہ متعدد علوم میں مہارتِ کلیہ و استدراکِ خاصہ (Excellent perfection) حاصل ہو۔

قرآن وحدیث سے متعلق علوم کی تفصیل حسب ذیل ہے!

1- علمِ ناسخ ومنسوخ 2- علمِ مجمل۔مفسر، خاص وعام 3- علم، محکم، متشابہ کراہت، تحریم
4- علمِ اباحت ندب اور وجوب 5- عربی ادب کی بہرحال ضرورت ہے۔عربی کے لئے لغت، مہارت، نحو وصرف معانی و بیان سے واقفیت کی حاجت ہے۔ 6- قرآن سے استنباط کے لئے تفسیر اور اصولِ تفسیر کی احتیاج ہے۔ 7- حدیث سے استنباط کے لئے اصولِ حدیث، اسماء رجال کا علم نہایت ضروری ہے۔ 8- فقہ کے لئے اصولِ فقہ، منطق، اجمالی مسائل و اختلافِ ائمہ سمجھے بغیر چارہ نہیں۔
9- زمانے کے نئے نئے مسائل سے وقفیت، اسرار مقاصد دین، عرف عامۃ البلوٰی غرض بیسیوں اُمور کے جاننے کے بعد اصول وقواعد اجماع وقیاس کے مطابق کہیں ایک حکمِ شرعی معلوم کیا جاسکتا ہے۔

1- جس شخص میں مذکورہ بالا تمام علوم جمع ہوں اور وہ شخص ہوائے نفس اور نفسانی خواہشات سے دُور اور بدعات وخرافات سے نفور وکنارہ کش ہو تقویٰ اور احسان کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو۔صبر وتسلیم اُس کا شعار ہو تو ایسے شخص کو ہی جائز ہے کہ وہ شرع میں اپنے اجتہاد وفتویٰ کے موافق حکم کرے اور جس میں یہ شرائط جمع نہ ہوں اس کو واجب ہے کہ وہ مجتہد کی تقلید کرے۔اُس کو چاہئے کہ ارشادِ ربانی!

فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْن (انبیاء۔7)

ترجمہ: اگر تم کو علم نہیں تو اہلِ ذکر (علمائے حق) سے پوچھو۔

یعنی جو علم وتحقیق میں ماہر نہ ہوں اُن کو اہل علم (علماء) سے ناواقف اُمور میں رجوع کرنا لازم وضروری ہے۔اسی کو ''تقلید'' کہتے ہیں۔

مزید ارشادِ باری تعالیٰ ہے!

وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۔(السجدہ۔24)

ترجمہ: اور ہم نے لوگوں میں پیشوا (ائمہ) بھی بنائے جو ہمارے حکم سے راہ چلاتے (ہدایت کرتے) رہے جب وہ صبر کرتے رہے اور ہماری آیات (باتوں) پر یقین بھی کرتے رہے۔

نیز ارشاد حق تعالیٰ ہے!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۔(النساء۔59)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولوالامر کی اطاعت کرو۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ جہاں اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کو واجب قرار دیا وہیں ''اولوالامر'' کی اطاعت کو بھی واجب قرار دیا۔''اولوالامر'' سے مراد اہل علم' علماء فقہائے کرام ہیں۔

تقلید کے اثبات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک بھی ہے!

عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهدين الذين عضّوا عليها بالنواجذ (مشكوٰة المصابيح)

ترجمہ:۔ تمہارے لئے یہ لازم اور ضروری ہے کہ میری سنتوں کو اپناؤ۔اسی طرح میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنتوں پر چلو کیونکہ انہوں نے میری سنتوں کو بڑی مضبوطی سے پکڑا ہے۔

فقہاء کی فضیلت:۔

سوال: 79:۔ فقہا کی فضیلت اور رائے وقیاس کے بارے میں مختصراً واضح بیان کیجئے؟

جواب:۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ فرمایا آقا ومولی صلی اللہ علیہ وسلم نے!

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهَ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اُسے دین کی سمجھ (تفقہ) عطا فرماتا ہے۔

علمِ روایت میں دو چیزیں بنیادی اہمیت کی ہیں۔اول: حدیث کی سند اور متنِ روایت، دوم: حدیث کے معنی ودرایت (فہم)

حدیث کی سند و متنِ روایت کی حفاظت اُمت کے محدثین کرام نے کی ہے جبکہ حدیث کے معنی ودرایت

کا فریضہ امت کے جید فقہائے عظام نے انجام دیا ہے۔ یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ فقہائے کرام کو علم الحدیث پر کامل دسترس ہوتی ہے، وہ زیادہ تر اُن احادیث سے غرض رکھتے ہیں جن سے کوئی نہ کوئی شرعی حکم مستنبط ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابوبکر بن عبدانؒ سے پوچھا گیا، درایت اور حفظ میں کیا فرق ہے؟ آپؒ نے فرمایا !

''الدرایۃ فوق الحفظ'' درایت حفظ سے اوپر ہے یعنی حدیث کی سمجھ بوجھ اسے یاد رکھنے سے اعلیٰ ہے۔

(تاریخ بغداد)

حضرت امام اعمشؒ جو معروف تابعی محدث ہیں ایک دفعہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے مختلف سوالات کرتے جاتے تھے اور آپؒ اُن کے جوابات دیتے جاتے۔ امام اعمشؒ نے تعجب سے پوچھا، آپؒ کو اس قدر علوم کہاں سے حاصل ہوئے؟ آپؒ نے فرمایا! ''اُن ہی احادیث سے جو آپ نے روایت کی ہیں۔ پھر آپ نے اُن کی روایت کردہ احادیث سنا دیں۔ امام اعمشؒ نے برملا فرمایا! فقہا! تم طبیب (Doctor) ہو اور ہم محدثین عطار (Chemist) ہیں۔ (مناقب الموفق)

یعنی جس طرح ایک کیمسٹ (عطار) مختلف قسم کی دوائیاں اپنی دوکان میں رکھتے ہیں مگر وہ نہیں جانتے کونسی دوا کس مرض کے لئے مفید ہوتی ہے۔ یہ سب باتیں ڈاکٹر یا حکیم (طبیب) ہی جانتے ہیں۔ اسی طرح محدثین کرام سینکڑوں احادیث جمع کرتے ہیں مگر اُن سے مسائل کا حل اخذ کرنے پر قادر نہیں ہوتے جبکہ فقہائے کرام کو حدیثوں کا علم بھی ہوتا ہے اور وہ ان سے مسائل کے استنباط سے بھی آگاہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کے مقابل میں فقہاء کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا !

''فَقِیهٌ'' ''وَاحِدٌ'' اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٌ''

ترجمہ:۔ ایک فقیہ، شیطان پر ہزار عابدوں سے بھی زیادہ بھاری ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

رائے اور قیاس(Analogy):۔

''رائے'' کا لغوی معنی دل کی نظر اور بصیرت کے ہیں۔ اس کا اصطلاحی مفہوم بقول علامہ ابن اخیر الجزری شافعیؒ کے ! ''محدثین' اصحاب قیاس کو اصحاب رائے کہتے ہیں۔ اُس کا معنی یہ ہے کہ وہ مشکل احادیث کو اپنی رائے اور سمجھ بوجھ سے حل کرتے ہیں یا ایسے موقع پر وہ اپنے اجتہاد اور قیاس سے کام لیتے ہیں جہاں کوئی حدیث موجود نہیں ہوتی۔'' (نہایہ۔ طبع مصر)

کیا دل کی بصیرت اور رائے کے بغیر بھی احادیث کا صحیح فہم ممکن ہے؟ ہر گز نہیں۔ چنانچہ حضرت ابن حجر شافعیؒ فرماتے ہیں! محققین نے فرمایا کہ رائے کا ستعمال کئے بغیر حدیث پر عمل نہیں کرنا چاہئے کیونکہ رائے (عقل وفہم) ہی سے حدیث کے معانی سمجھ میں آتے ہیں جس پر احکام کا دارومدار ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نہ تو احادیث سے بے نیاز ہو کر محض رائے وقیاس پر عمل کرنا درست ہے اور نہ فہم کے بغیر احادیث کا صحیح مدعا سمجھا جا سکتا ہے۔

واضح ہو کہ اجتہاد اور قیاس کی تعلیم تو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو دی اور صحابہ کرام اُس پر عمل پیرا رہے۔

''سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم مقرر فرما کر روانہ فرمایا تو اُن سے دریافت فرمایا۔'' اے معاذ! اگر تمہیں کوئی مسئلہ قرآن وسنت میں نہ ملے تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا! میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اُس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کروں گا۔ ارشاد فرمایا '' اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے رسول کے قاصد (معاذؓ) کو اس بات کی توفیق دی جس پر اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہے''۔ (ترمذی، ابوداؤد)

شیخ الاسلام علامہ ابن عبدالبر المالکیؒ نے فرمایا ''حضرت معاذؓ کی یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے۔ اس کو عادل ائمہ نے روایت کیا اور یہ اجتہاد اور قیاس علی الاصول کی اصل ہے۔''

(جامع البیان العلم وفضلہ)

نوٹ:۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگر مجتہد (عالم) نے کوشش کی مگر حق پر نہیں پہنچا' اپنی کوشش میں ناکام رہا تو یہ ''خطاءِ اجتہادی'' ہے۔ اُس کو ایک ثواب (اجر) ہے کیونکہ اس نے اپنی کوشش میں کوتاہی نہیں کی۔ اور جو عالم (مجتہد) صحیح' صواب اور درست کام کرتا ہے تو اس کو دوگنا ثواب (اجر) ہے۔ بعض دفعہ کئی امام کسی مسئلہ کے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اُن میں سے ایک کا خیال (قیاس) اور اُس کی رائے ایک نقطہ پر پہنچتی ہے اور دوسرے امام کی دوسرے نقطہ پر۔ ایسی صورت میں بعض علماء کا خیال ہے کہ اُن میں سے ایک کی رائے (قیاس) صواب (درست) ہے اور دوسرے کی ''خطاءِ اجتہادی'' ہے۔ لیکن اکثر علماء کا خیال ہے کہ اُن میں سے ہر ایک رائے صواب (درست) ہے مسئلہ مجمل (Implicit) تھا اور اُس کی تفصیل (حل) دریافت کرنے میں ہر ایک نے کوشش کی اور کوئی کوتاہی سے کام نہیں لیا۔

2(41)- ضرورتِ فقہ
(Need of Fiqua)

سوال:80:۔حقیقتِ فقہ،ضرورتِ فقہ،فقہا واجتہاد پر غائرانہ نظر کے ساتھ خلاصہ پیش کیجئے ؟

جواب:۔ یہ بات تو ہر کوئی جانتا ہے کہ انسان جسم وروح کا مجموعہ ہے۔حق تعالیٰ نے انسان کوایک اعتبار سے ابدی (Forever) بنایا یعنی اِس عالم کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہے گا۔اس طرح کہ انسان موت کے بعد دوسرے عالم میں منتقل ہو جاتا ہے۔اسلئے کہ موت صرف جسم کو آتی ہے روح کونہیں بلکہ روح جس عالم میں رہتی ہے اس کو اس عالم کے لحاظ سے جسم مل جاتا ہے۔پھر حساب کتاب اعمال اور جزا وسزا ایک ابدی زندگی رکھتا ہے۔

اس عالم میں انسان کو جو جسم دیا گیا ہے وہ دوحصوں میں منقسم ہے''ظاہری''اور''باطنی''اور ہر حصہ میں متعدد اعضاء متعدد کاموں کے لئے بنا کر باطن کا پورا حصہ حق تعالیٰ نے خاص اپنے تصرف (اختیار) میں رکھا۔اور ظاہری حصہ کے اعضاء افعال (کام) کرنے کے لئے کسی قدر انسان کے تصرف میں دے گئے۔پھر انسان کو پیدا کرنے کا مقصود بیان فرمایا!

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔(الذّٰرِیٰتِ۔56)۔

ترجمہ:۔ہم نے جن وانس کو فقط اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

مگر حق تعالیٰ نے اس کے ساتھ ہی کسب معیشت (Lively hood) اور نکاح وغیرہ جتنے کام بقائے شخصی اور بقائے نوع انسان سے متعلق ہیں اُن میں قطعی حکم دیا کہ وہ سب کام بھی کئے جائیں اور ساتھ ہی ساتھ ترغیب بھی دی کہ اگر وہ کام عمدگی سے ادا کئے جائیں تو اُس کے صلہ میں اعلیٰ درجہ کی نعمتیں آخرت میں ابدالآباد کے لئے دی جائیں گی۔ اُن کاموں کے کرنے کے طریقے بتلا دئے گئے اور اگر اُن طریقوں سے انحراف ہوا اور خدا اور رسول ﷺ کے حکم کے خلاف ہو تو اُس کی باز پرس بلکہ سزائے ابدی ہوگی۔اس سے ظاہر ہے کہ انسان کا اپنی ذاتی ضرورتوں میں مشغول ہونا بھی عبادت الٰہی ہی ہے جو اس کا مقصود حیات ہے۔بشرطیکہ''شریعت''کے مطابق ہو۔ معلوم ہوا کہ کام تو سب کرتے ہیں مگر مسلمانوں کے کام (افعال) اُس طریقے پر ہوتے ہیں جن کی تعلیم خدا اور رسول ﷺ نے دی ہے اس طرح سب کام بطور عبادت کرتے ہیں جس کے معاوضہ میں جنّت دی گئی۔

سب کاموں (افعال واعمال) کے طریقے قرآنِ حکیم وحدیث (سنت) میں مذکور ہیں۔یہ بات بھی پوشیدہ

نہیں کہ قرآن حکیم فصاحت و بلاغت (Eloquence & Rhetoric) کے اعلیٰ درجہ میں واقع ہے جس کو مخالفین نے بھی تسلیم کیا۔

فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوْ شُهَدَآءَ كُمْ مِنْ دُوْنِ اللهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (البقرہ۔23)

ترجمہ:۔قرآن جیسی ایک سورۃ تو لاؤ (ماہرین فن کو) اپنے یاروں' اور مددگاروں کو بلاؤ (اِن سے مدد چاہو اپنے دیوتاؤں کو بھی پکارو سب مل کر ایک سورۃ تو بناؤ) اگر تمہارا شک بجا ہے اور اپنے اِنکار میں تم سچے ہو)۔

مگر کسی سے بھی نہ ہو سکا کہ قرآن کی بلاغت وفصاحت کے جواب میں ایک یا دو سطر لکھ کر پیش کر سکیں اس سے قرآن کریم کا معجزہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس کلام کا خاصہ ہے کہ باوجود یہ عام فہم ہونے کہ اکثر مضامین ایسے ہیں کہ اس پر خاص خاص لوگ ہی مطلع ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نکتہ رس اور سخن شناس علماء نے غور و فکر کر کے ایک آیت کے کئی کئی معنی بیان کئے پھر جس طرح عبارتِ قرآن سے مسائل سمجھے جاتے ہیں۔ دلالت اور اشارات اور اقتضاء سے بھی سمجھے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ نظم و معانی (Discipline) سے اتنے مباحث متعلق ہیں کہ اُن کے بیان میں خاص ایک فن ''اصولِ فقہ'' (Islamic Law) مدون ہو گیا ہے غرض ہر کسی کا کام نہ تھا کہ ان مباحث پر مطلع ہو کر قرآن سے مسائل نکال سکتے۔

اسی قسم کی دقتیں احادیث کے سمجھنے میں بھی پیش آئیں۔ کیونکہ جس طرح قرآن میں ناسخ ومنسوخ (Abrogation) آیتیں ہیں وہ احادیث میں بھی ہیں' جن کا قرائین (Conjecture) سے معین کرنا ہر کسی کا کام نہیں کہ کونسا لفظ حقیقی معنی میں مستعمل ہے اور کون سا مجازی معنی میں۔ پھر مقصود شارع (اللہ ورسول ﷺ) یہ ہے کہ ہر کلام کے سمجھنے کے لئے قرائن سے مدد لی جائے گو الفاظ مساعدت نہ کریں یعنی ظاہر الفاظ سے جو مضمون سمجھا جاتا ہے ہمیشہ وہی مقصود نہیں ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ''اُوْتِيْتُ جَوَامِعُ الْكَلِمْ ''اس سے ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث کی عبارتوں میں کئی پہلو ہوا کرتے ہیں جن سے مسائل کا استنباط (Inference) مختلف طور پر ہو سکتا ہے۔ پھر احکام میں ''علتیں'' ملحوظ ہوا کرتی ہیں جن سے مقصود ہوتا ہے کہ جہاں وہ علت پائی جائے ''قیاس'' (Analogy) سے حکم ثابت کیا جائے۔ علت کا معین کرنا نہایت مشکل کام ہے۔ اس قسم کے مختلف اسباب سے ایسے علماء کی ضرورت ہوئی جو علاوہ آیات واحادیث یاد رکھنے یعنی مفسر، محدث ہونے کے ایسی طبیعت کے حامل ہوں جو اعتدال پسند ہو، نہ افراط پسند نہ تفریط، یہ عقل سے محروم نہ عقل کے بندے بلکہ اصول الٰہی کی پابندی کے ساتھ عقل کی کاوش کرنے والے، احکامِ رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ

''اجتہاد'' کرنے والے ہوں ،اُنہیں ،''فقیہ'' اور''مجتہد'' (Muslim Jurist) کہتے ہیں ۔اس قسم کے علماء تعداد میں بہت کم ہوتے ہیں ۔فقیہ اور مجتہد کا کام ہے کہ ہر مسئلہ میں تمام آیات و احادیث کو پیشِ نظر رکھ کر اپنی طبیعت وقار سے کام لیتا ہے اور اُن میں غور وفکر کر کے شارع کی مرضی معلوم کرے ۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دو خصلتیں منافق (Hypocrite) میں جمع نہیں ہوتیں ،اہل خیر کا طریقہ اختیار کرنا اور فقہ فی الدین یعنی دین کے مسائل میں سمجھ ۔نیز ارشادِ رسولِ مکرم ﷺ ہے کہ عبادتوں میں افضل ''فقہ'' ہے ۔

''محدثین'' کا کام صرف احادیث کی حفاظت ہے کہ صحیح حدیثیں تلف نہ ہوں اور کسی دوسرے کا کلام حدیث نہ بن جائے اور''فقہا'' کا کام ان احادیثِ محفوظہ میں خوص وفکر کرنا اور مفید مضامین اور ضروریات دین کے مسائل دریافت کرنا ہے ۔غرض ان دونوں نے اپنے فرائضِ منصبی جس خوبی اور عمدگی سے ادا کئے اُس کی نظیر نہ کسی اُمت میں ملی ہے نہ اسلام کے کسی دوسرے فرقہ میں ملی ہے سوائے اہل سنت و جماعت کے ۔

ہر چند کے چودہ سو برسوں میں ہر ملک اور قوم میں بڑے بڑے انقلاب واقع ہوئے ۔ملاحدہ اور زنادقہ (Atheist & Heretic) نے بہت کچھ کوششیں کیں کہ دینِ اسلام محفوظ نہ رہے اور عموماً مسلمانوں کے احوال میں تغیر آ گیا اور ہر زمانے میں ان حضرات (علمائے حق) کو دھمکیاں دی گئیں' توہین وتذلیل کی گئی مگر انہوں نے اپنے استقلال کو نہ چھوڑا اور قرآن و حدیث میں تحریف کا خیال تک نہ آنے دیا ۔الحمد للہ بحرمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

سوال:81: ۔علمِ فقہ کی بنیاد اور اس کی ابتداء کے بارے میں واضح تذکرہ کیجئے ؟

جواب : ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں اسلامی قانون کے دو بنیادی اور غیر تبدیل پذیر ماخذ (Source) ' قرآن و حدیث مکمل ہو جاتے ہیں ۔اب قانونی نکتہ نظر سے کوئی نئی گتھی پیدا ہوتی تو اُسے سلجھانے کے لئے مسلمان سب سے پہلے قرآن پھر حدیث سے رجوع کرتے ہیں اور اگر اُن دونوں میں کوئی حل نہ ملتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ عظیم الشان اصول یعنی اجتہاد پر عمل کرتے ۔ یہ اصول مسلمانوں کے بہت کام آیا ورنہ اسلامی قانون منجمد ہو کر رہ جاتا اور مسلمان اسے ناکافی پا کر شاید غیر اسلامی قوانین اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ۔اجتہاد کے ذریعے سے ہر نئی چیز کے بارے میں قانون بنانے کا طریقہ اسلامی قانون (فقہ اسلامی) کو دنیا کے تمام اقوام کے قانون پر نہ صرف فوقیت ہی عطا کیا بلکہ دوسرے قوانینِ عالم اپنے ارتقاء (Development) کے لئے اسلامی قانون کے مرہونِ منت ثابت

ہوئے۔ فقہ اسلامی کی ابتداء کے سلسلے میں درج ذیل اُمور قابل ذکر ہیں!

1- حضرت امام مالک بن انسؒ۔ حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ اور حضرت امام ابن الحسن نے باہمی مباحث سے اصولِ فقہ اور اصولِ حدیث کی بنا ڈالی۔

2- حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام سفیان ثوریؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور حضرت امام اوزاعیؒ اور دیگر مجتہدین حضرات بھی صاحب الرائے وقیاس ہیں لیکن فقہ' اجتہاد اور قیاس ورائے میں جو بلند مقام امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کو ملا وہ کسی اور کو نہ مل سکا۔

3- احناف کے اصولِ فقہ کا مشہور کلیہ (Formula) ہے کہ قرآن اور حدیث میں تعارض (Confrontation) ہو تو پہلے تطبیق (Comparison) کی کوشش کیجائے۔ تطبیق ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ بدرجۂ مجبوری کتاب اللہ کے مقابلہ میں خبرِ احاد وحدیث متروک Abondoned) ہوں گی۔

جب احادیث میں تعارض (Inconsistency) ہوتا ہے تو فقہا و مجتہد کرام اپنے اجتہاد کی بناء پر ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔ چنانچہ امام اہل سنت حضرت احمد رضا خان محدث بریلویؒ فرماتے ہیں! حضرات عالیہ صحابہ کرامؓ سے ائمہ مجتہدین تک کوئی مجتہد ایسا نہیں کہ جس نے بعض احادیثِ صحیحہ کو ماؤل یا مرجوح ہونے یا کسی نہ کسی وجہ سے متروک العمل (Obsolete) نہ ٹھرایا ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی بھی ہے کہ **"میری اُمت کا اختلاف باعثِ رحمت ہے۔"** اس کے باوجود بعض جہلا (نادان) خود کو اہل حدیث اور ائمہ اربعہ مجتہدین کو اہل رائے قرار دیتے ہیں اور عوام کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ مجتہدین احادیث کے بجائے اپنی رائے پر عمل پیرا ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر غلط اور بہتان ہے۔

4- چنانچہ حضرت ابوحنیفہؒ نے تدوینِ فقہ کے عظیم کام کے لئے اپنے شاگردوں میں چالیس (40) نامور افراد کا انتخاب کر کے ایک دستوری کمیٹی تشکیل دی۔ یہ سب ائمہ حضرات ارکانِ کمیٹی درجۂ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ اُن میں حضرت امام یوسفؒ۔ حضرت امام داؤد طائیؒ، حضرت یحییٰ بن ابی زائدہؒ، حضرت فضیل بن عیاضؒ، حضرت امام عبداللہ بن مبارکؒ کو روایتِ حدیث اور آثار میں خاص کمال حاصل تھا۔ حضرت قاسم بن معینؒ اور امام محمدؒ عربیت (عربی زبان) اور ادب میں مہارت رکھتے تھے، جبکہ امام زفرؒ قوتِ استنباط میں مشہور تھے۔

5- ان صاحبینِ ارکان میں دس یا بارہ ائمہ کی ایک خصوصی مجلس بھی تھی، جن میں خود امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ شامل تھے۔ یہ مجلس فیصلہ کو حتمی شکل دیتی تھی پھر اُسے تحریر (Record) کر دیا جاتا تھا۔

6- دستورِ اسلامی کا یہ کام 121 ہجری میں شروع ہوا اور کئی سال جاری رہا اور حضرت ابوحنیفہؒ کی حیات

کے بعد بھی چلتا رہا۔ جتنے اجزاء (حصے) تیار ہو جاتے ساتھ ہی ساتھ انہیں شائع (Published) کر دیا جاتا۔ یہ ''مجموعہ کتبِ فقہ ابی حنیفہؒ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس میں جملہ تراسی ہزار (83000) مسائل طے ہوئے، اُن میں اڑتیس ہزار (38000) ''عبادات'' سے متعلق اور دیگر پینتالیس ہزار (45000) ''معاملات'' سے متعلق ہیں جو فقہ کی بنیاد بھی ہیں۔

7- امام اعظم ابو حنیفہؒ کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ آپؒ نے مسائل کے استنباط کے قواعد وضع کئے جس کی وجہ سے فقہ جو ابتداء میں جزئیاتِ مسائل کا نام تھا۔ ایک مستقل فن بن گیا، بعد میں امام اعظمؒ کے تلامذہ (شاگردوں) نے مرتب، منظّم اور کتابی شکل میں علمِ فقہ کی اشاعت کی۔

سوال:82:۔ فقہی احکام (احکام شرعیہ) کے اقسام اور اُن کی ابتداء اور ضرورت پر روشنی ڈالئے؟

جواب:۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی لکھتے ہیں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد (زمانے) میں احکام کی قسمیں نہیں پیدا ہوئی تھیں۔ صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر طریقہ وضو، نماز وغیرہ سیکھتے اور عمل پیرا ہوتے، یعنی صحابہؓ فرض، واجب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق نہیں کیا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے!

''میں نے کسی قوم کو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے بہتر نہیں دیکھا لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تیرہ (13) مسئلوں سے زیادہ نہیں پوچھے۔ جو سب کے سب قرآن میں موجود ہیں۔ البتہ جو واقعات معمولی طور پر پیش آتے اُن میں لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اِستفتاء (دریافت) کرتے اور آنحضرت ﷺ جواب مرحمت فرماتے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ لوگوں نے کوئی کام کیا اور آپ ﷺ نے اس پر تحسین (رضامندی) ظاہر کی یا اس سے نارضامندی ظاہر کی۔ اس قسم کے فتویٰ عام مجمعوں (مجالس) میں ہوتے تھے اور لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو ملحوظ رکھتے تھے۔ گویا عہدِ نبویؐ مسلمانوں کا دورِ قانون سازی تھا۔ آنحضرت ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد فتوحات کو بہت وسعت ہوئی اور تمدن (Civilisation) کا دائرہ بھی وسیع ہوتا گیا۔ بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ آپ ﷺ کے عہد (حیات ظاہری) میں اُنکا عین واثر بھی پایا نہیں گیا تھا۔ صحابہ کرامؓ کو ایسی صورتوں میں استنباط، تفریع، حمل النظیر اور قیاس سے کام لینا پڑا۔ ان اصولوں کے طریقے یکساں نہ تھے، غرض کے صحابہؓ کے زمانے میں ہی احکام اور مسائل کا ایک دفتر بن گیا اور جدا جدا طریقے قائم ہوگئے۔ اس طرح شیعہ سنی فقہی مکاتب

رونما ہوئے: (سیرۃ النعمان)

رسالت مآب ﷺ (وصال ۔۱۱ ہجری)

حضرت ابن مسعودؓ (وصال ۔32ھ)	حضرت ابن عمرؓ (وصال ۔73ھ)	حضرت علی مرتضیٰ (وصال ۔40ھ)
حضرت علقمہ نخعیؒ (وصال ۔62ھ)	حضرت نافعؒ (وصال ۔117ھ)	حضرت امام حسینؓ (وصال ۔61ھ)
حضرت ابراہیم نخعیؒ (وصال ۔95ھ)	حضرت امام مالکؒ (وصال ۔179ھ)	حضرت زین العابدینؒ (وصال ۔94ھ)
حضرت حمادؒ (مولیٰ اشعریؒ) (وصال ۔120ھ)	حضرت امام شافعیؒ (وصال ۔204ھ)	حضرت زیدؒ (وصال۔112ھ) حضرت امام باقرؒ (وصال۔114ھ)
حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ (وصال ۔150ھ)	حضرت امام احمد بن حنبلؒ (وصال ۔231ھ)	حضرت امام جعفر صادق (وصال ۔148ھ)

جب تک یہ مختلف فقہی مکاتب تعصّبات کا شکار نہ ہوئے، باہم افادہ اور استفادہ جاری رہا اور فراخ دلی اور آزادخیالی کا ملاپ اُنکا مسلک تھا یعنی ہر بڑا عالم بیسیوں باہم مکاتبِ اساتذہ کے درس میں شریک رہا اور اُنکی تربیت سے فیض یاب ہوا۔مثلاً امام ابوحنیفہؒ کے اساتذہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔

اب اس پس منظر میں دیکھو تو حنفی شافعی ہی نہیں بلکہ سنی شیعہ فقہ بھی مخصوص فرقہ وارفقہ نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کی مشترکہ فقہ ہےاور خاص کرابتدائی صدیوں میں فرقہ واراساتذہ اپنے فرقہ تک محدودنہیں رہتے تھے۔لیکن بعد میں ایسے زمانے آ گئے کہ شیعوں اورسنیوں میں اختلاف و جھگڑے ہونے لگےجسکی بڑی وجہ شیعہ مزیدکئی فرقوں میں بٹ گئےاورزیادہ ترحنفی فقہ پرعمل ہوتا رہا۔

بہرحال عصرِصحابہؓمیں مجتہدصحابہ کرامؓ اپنے فتاویٰ اوراجتہادات کوجمع نہیں کرتے تھےلیکن بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے پیشِ نظرتابعینؒ کے دور میں علمائے فقہ نے احادیثِ نبوی اورفقہ وفتاویٰ کی تدوین (Compilation) کا کام شروع کیا۔

حضرت شیخ ابوزہرہ مصریؒ لکھتے ہیں! ''مدینہ منورہ کے فقہا، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ اوران کے بعد کے تابعین کے فتاویٰ جمع کرنے لگے۔ اسی طرح عراق کے فقہا، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علی ابن طالبؓ کے فتاویٰ اور قاضی شریحؒ وغیرہ دیگر قاضیوں کے فیصلوں کو جمع کرتے تھے۔ راویوں کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ نے بھی فتاویٰ کو ایک مجموعہ میں جمع کیا تھا۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے استاد امام حمادؒ کا بھی ایک مجموعہ تھا۔ تاہم یہ مجموعے کتاب کی حیثیت نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کی حیثیت ایک ذاتی ڈائری کی تھی کہ مجتہد ضرورت کے وقت اُس کی طرف رجوع کرتا تھا۔'' (حیات امام ابوحنیفہؒ)

فقہی احکام کے اقسام:۔ مفتی محمد شریف الحق امجدیؒ کے قول کے مطابق روایت کی قلت وکثرت کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں!

1- متواتر 2- مشہور 3- خبر واحد یا خبرآحاد

یہ بات ظاہر ہے کہ پورا قرآن متواتر ہونے کے سبب اس کی ہر آیت کا ثبوت یقینی اور قطعی ہے کہ اس میں کسی شبہہ کی گنجائش نہیں۔ کچھ یہی حال حدیثِ متواتر کا ہے۔ حدثِ مشہور کا ثبوت بھی یقینی ہے مگر متواتر کی طرح نہیں۔ اور خبر واحد میں یہ یقین اور کم درجہ کا ہوجاتا ہے۔ گویا، فقہ کی بنیاد جن روایات پر تھی وہ سب ایک درجہ کے نہیں ہیں، اس لئے ضروری ہوا کہ ان کے ثابت ہونے والے اُمور (احکام) بھی ایک درجہ کے نہ ہوں بلکہ اُن میں بھی مختلف مدارج ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ احناف کے پاس احکام شرعی کی ابتدائی تین قسمیں ہوئیں! **1-مامور بہ 2- منھی عنہ 3- مباح**

1- پھر **مامور بہ** کی چھ (6) قسمیں ہیں!

1-فرضِ اعتقادی 2- فرضِ عملی 3-واجب عملی

4- سنت موکدہ 5- سنت غیر موکدہ 6- مستحب۔

2- ''**منھی عنہ**'' کی بھی پانچ (5) قسمیں ہوئیں!

1- حرام قطعی 2- مکروہ تحریمی 3- اساءت 4- مکروہ تنزیھی 5- خلاف اولی

3- مباح یعنی اباحت (جائز)۔ یہ سب اقسام اس لئے ہیں کہ قرآن کی عظمت اور قطعیت اپنی جگہ رہے اور حدیث کی عظمت اپنی جگہ۔ اور ثابت ہونے والے احکام کی، اُن کے ثبوت کی نوعیت کے اعتبار سے حیثیت اپنی جگہ رہے۔ احکام کے اِن فرقِ مراتب کے موجد حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ ہیں۔ اِن فرقِ مراتب کو سب ہی مجتہدین نے قبول کیا۔

42-تعارف فقہا در عہد رسالت ﷺ و عصر صحابہؓ

(Biographies)

سوال:83 :۔عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم وعصرِ صحابہؓ میں طرزِ اجتہاد کے چند نظائر پر مختصر تبصرہ کیجئے ؟

جواب :۔ یہ بات اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ''اجتہاد'' ایک مشکل کام ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب عقد الجید میں لکھا ہے کہ ''اجتہاد'' کے لئے بہت سے امور میں مہارت کی ضرورت ہے۔ مثلاً علم تفسیر وحدیث، اقوالِ علمائے سلف، علمِ ناسخ ومنسوخ، علمِ لغت، طریقہ استنباط وغیرہ۔ اِنہی امور کے مباحث میں ایک بڑا فن اصولِ فقہ مدون ہے۔ ان امور میں کامل دسترس حاصل کرنا ہر کسی کا کام نہیں۔ یہی وجہ ہیکہ صحابہ کرامؓ میں سے صرف دس صحابہ ''فقہا'' ہوئے، جن سے فتوے پوچھے جاتے تھے۔ ان ہی صحابہؓ کے طریقۂ اجتہاد کو دیکھ کر بعد کے مجتہدین نے اجتہاد کے طریقے مدوّن (Compile) کئے اور اپنی طبیعتِ خداداد (تفقہ وحکمت) کی صلاحیت سے اجتہاد کیئے۔

نظائر اجتہاد صحابہؓ (Precedents):۔

1- بخاری شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ''ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ماں نے حج کرنے کی نذر کی تھی۔ اور بغیر ایفائے نذر کے (حج کئے بغیر) مرگئی، کیا میں اُس کی طرف سے حج ادا کروں؟ فرمایا! ''ہاں'' ''اگر تیری ماں پر کسی کا قرض ہوتا تو کیا اُس کو ادا کرتی؟۔ خدائے تعالیٰ کے حق کو ادا کرو۔ وہ زیادہ تر اِس کا مستحق ہے کہ اُس کے حقوق ادا کئے جائیں''۔
(رواہ البخاری)

دیکھو! اِس مذکورہ حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''نذر'' ''قرضہ'' پر قیاس فرما کر مجتہدین کو اجتہاد کا طریقہ واضح فرمایا ورنہ نظیر پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جب کہ فرمادیا تھا ''ہاں''۔

2-**منتقی الاخبار** میں حضرت ابن تیمیہؒ نے روایت کیا کہ حضرت عمر بن عاصؓ فرماتے ہیں: ''جب غزوۂ ذات السلاسل میں لشکر بھیجا گیا تو ایک رات مجھے احتلام (Wetdream) ہوا۔ چونکہ سردی نہایت شدید تھی اور غسل کرنے سے ہلاک ہونے کا خوف تھا، اس لئے میں نے تیمّم کرلیا۔ نماز فجر میں اپنے رفقا (صحابہ) کی امامت کی۔ جب ہم واپس آئے تو لوگوں نے یہ واقعہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں پیش کیا۔حضور علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا کہ اے عمر’’تم نے جنابت کی حالت میں امامت کی؟‘‘ میں نے عرض کیا کہ’’ مجھے خدا تعالیٰ کا یہ کلام یاد آیا وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا یعنی ’’مت قتل کرو تم اپنی جانوں کو، اللہ کا تم پر رحم ہے‘‘۔اس لئے میں نے تیمّم کر کے نماز ادا کی۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا (مسکرائے) اور کچھ نہ فرمایا۔

(رواہ احمد' ابوداؤد)

دیکھو! اس واقعہ میں صحابہؓ کی شکایت دربارِ نبویﷺ میں پیش ہوئی تو کس قدر سختی سے آنحضرتﷺ نے سوال فرمایا: اُس وقت انہوں نے جواب میں اپنا اجتہاد پیش کیا گو صراحتاً ایسے موقعہ پر تیمّم کی اجازت نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔ ہاں مگر پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کی اجازت ہے۔اس لئے حضرت عمر بن عاصؓ نے خوفِ ہلاک کی صورت کو اُسی پر قیاس کر کے تیمّم کر لیا۔اور اجتہاد و قیاس پر اعتماد کے ساتھ نماز میں امامت بھی فرمائی۔اور پھر استقلال کے ساتھ اُسی اجتہاد کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کیا۔جس کو کمال خوشنودی سے حضورﷺ نے منظور فرمایا۔اس امر سے مجتہدین کے حوصلے بڑھے اور معلوم ہو گیا کہ اہل رائے کا اجتہاد اور قیاس بھی دین میں ایک باوقعت چیز ہے۔

3- بخاری ومسلم کی روایت ہے جس کا حاصل مضمون یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک ہوا تو بعض دیہاتی عرب نے زکوٰۃ دینے کا انکار کیا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ اول نے اُن سے جہاد (جنگ) کرنا چاہا۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا’’اِن کے ساتھ جہاد کیونکر جائز ہو گا وہ تو لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’جو شخص کلمہ طیبہ کا قائل ہو گا اس نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچا لیا اور اندرونی (باطنی) معاملہ اور محاسبہ اُس کا خدا کے ساتھ ہے‘‘۔اِس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا،’’اُن لوگوں سے جہاد کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ وہ نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتے ہیں۔حالانکہ دونوں حقوق اللہ میں (فرض) ہیں۔یہ بات حضرت عمرؓ کے بھی سمجھ میں آ گئی کہ جو اقامتِ صلوٰۃ کے منکر ہیں اُن سے جہاد کیا جا سکتا تو زکوٰۃ کو صلوٰۃ (نماز) پر قیاس کر کے اجتہاد درست ہے۔چنانچہ اسی پر فیصلہ ہوا اور کل صحابہؓ نے اس کو مان لیا۔ (بخاری)

دیکھو! مانع زکوٰۃ سے جہاد کرنا نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے بلکہ ظاہر حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ درست نہیں۔مگر اجتہادِ حضرت ابوبکرؓ سے یہ مسئلہ ثابت ہوا اور کل صحابہؓ کے مان لینے سے جوازِ اجتہاد پر صحابہؓ کا اجماع بھی ثابت ہو گیا۔یہیں سے اجماع کی بنیاد بھی پڑی۔

4- کنز العمال کی کتاب الطہارت میں روایت ہے کہ حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ ایک روز میں اور حضرت عطاؒ اور حضرت عکرمہؒ (تینوں تابعین) بیٹھے تھے اور حضرت ابن عباسؓ (صحابیؓ) نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص آ کر پوچھا کہ ''جب میں پیشاب (Urine) کرتا ہوں تو پیشاب کے بعد منی (Semen) نکلتی ہے کیا اس سے غسل واجب ہوتا ہے''۔ ہم نے کہا ''کیا وہی منی نکلتی ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے؟ کہا ''ہاں''۔ ہم نے کہا ''جب تو غسل واجب ہے''۔ وہ شخص اِنَّا لِلّٰہ پڑھتا ہوا چلا گیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے جلد نماز سے فارغ ہو کر حضرت عکرمہؒ سے فرمایا ''اُس شخص کو بلاؤ''۔ چنانچہ وہ آیا۔ پھر حضرت ابن عباسؓ نے ہم سے پوچھا، ''کیا تم نے قرآن سے فتویٰ دیا؟'' ہم نے کہا نہیں''۔ فرمایا ''حدیث سے'' ہم نے کہا ''نہیں''۔ فرمایا ''صحابہ کے قول سے''؟ ہم نے کہا ''نہیں''۔ پھر فرمایا ''کس کے قول سے فتویٰ دیا؟ ہم نے کہا اپنی رائے سے''۔ یہ سن کر فرمایا ''اسی وجہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ تر سخت ہے''۔ پھر اُس سائل (شخص) سے دریافت فرمایا کہ پیشاب (Urine) کے بعد جو چیز نکلتی ہے، کیا اُس کے نکلنے کے وقت تمہارے دل میں شہوت (عورت کی خواہش) ہوتی ہے؟ کہا ''نہیں'' فرمایا کیا اعضاء میں استرخاء (موٹا پن) اور ڈھیلا پن پیدا ہوتا ہے؟ کہا ''نہیں'' فرمایا ''اس صورت میں صرف وضو تمہارے لئے کافی ہے۔

دیکھو! حضرت ابن عباسؓ نے جب دیکھا کہ ''منی جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے''۔ اِس عربی جملہ میں (مــــاء دافِــق) کے لفظ سے ان تینوں تابعین نے دھوکا کھایا اور علتِ غسل پر غور نہیں کیا تو سمجھ گئے کہ اُن میں کوئی فقیہ نہیں۔ پھر جب دیکھا کہ علتِ غسل یعنی ''خروجِ منی'' کے لوازم نہیں پائے جاتے اس لئے فتویٰ دیا کہ وہ ''منی'' ہی نہیں، اس لئے غسل واجب نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ فقیہ کو اعلیٰ درجہ کی سمجھ (تفقہ) درکار ہے۔ اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ''مجتہد'' علت تلاش کرنے کا مجاز (Authorised) ہے۔

خــلاصــہ:۔ یہ کہ اہل علم (علمائے حق) جانتے ہیں کہ اگر تمام صحابہؓ وتابعینؒ وتبع تابعینؒ کے ''اجتہاد'' لکھے جائیں تو ایک مستقل کتاب ہو جائے گی۔ غرض اجتہاد کے باب میں احادیث وروایات وارد ہیں جو بکثرت ہیں۔ ہر چند کے ''اجتہاد'' کا مفہوم ایسا وسیع ہے کہ قیاسِ مجتہدین بھی اُس میں داخل ہے۔ مگر قیاس کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں ''اول مـن قيـاس ابـليـس'' یعنی سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا، اس لحاظ سے قیاس ناجائز ہے۔ بعض لوگ قیاس میں حد سے تجاوز کرتے ہیں۔

دراصل جو بات قرآن و حدیث سے صراحتاً ثابت نہ ہو اس کے ابطال (خلاف) کی غرض سے ''قیاس'' کی مذمت کی گئی ہے جو درست نہیں اور جو قیاس قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہو بلکہ موافقت میں ہو یعنی قران و حدیث کے تحت کیا گیا ہو وہ نہ صرف درست و جائز ہے بلکہ شارع (اللہ و رسول ﷺ) کی مرضی معلوم کرنے کی نہایت احسن سعی ہے۔ اگر اجتہاد صحیح ہو تو مجتہد دو اجر کا مستحق ہے اور اجتہاد میں خطا ہو تو اب بھی ایک اجر کا مستحق ہوگا کیونکہ اُس نے اجتہاد میں کوئی کوتاہی سے کام نہیں لیا۔

سوال :84:۔ اگر کوئی شخص حدیث کے ظاہری حکم کو کسی علت کی بناء پر یا کسی اور حدیث کی وجہ سے قبول نہ کرے تو کیا اس کو کوئی الزام دینا جائز ہے؟

جواب:۔اس کے جواب میں عہد رسالت ﷺ وعہد صحابہؓ کے چند نظائر ملاحظہ ہوں!

1- صحیح مسلم میں حضرت علی رضی للہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک لونڈی نے زنا کیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ جا کر اُسے کوڑے ماروں۔ جب میں گیا تو میں نے دیکھا کہ اُس کے ہاں بچہ پیدا ہوا مجھے یہ خوف ہوا کہ اگر میں نے اُس کو سزا دی تو کہیں وہ مر ہی نہ جائے۔ چنانچہ میں بغیر سزا دیئے واپس بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور سارا معاملہ عرض کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! '' اَحْسَنْتَ یعنی تو نے اچھا کیا''۔

مذکورہ بالا حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ سرکار دو عالم ﷺ کا ظاہری حکم مشروط اور مقید نہ تھا لیکن حضرت علیؓ نے اپنی فقہی بصیرت اور اجتہاد و رائے سے یہ سمجھا کہ آپ ﷺ کا حکم مشروط و مقید ہے۔ زچگی کی حالت میں سزا دینا اس لونڈی کی ہلاکت کا باعث ہوسکتا ہے۔اس لئے حضور ﷺ کے ظاہری حکم کی تعمیل نہ کی۔سرکار دو عالم ﷺ نے '' اَحْسَنْتَ '' فرما کر آپؓ کے اس ''اجتہاد'' کی تائید و تحسین فرمائی۔

2- حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہم عورتوں کو جنازہ میں شریک ہونے سے منع کیا گیا ہے لیکن ہم پر اس کی تاکید نہیں کی گئی۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث کی شرح میں امام نوویؒ فرماتے ہیں ''حضرت اُمّ عطیہؓ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازوں میں شریک ہونے سے منع فرمایا ہے لیکن یہ ممانعت'' تنزیہی کے درجہ کی ہے۔ یہ ممانعت تاکیدی اور تحریمی درجہ کی نہیں ہے۔ (شرح مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت اُمّ عطیہؓ اپنی فقہی بصیرت سے اور اجتہاد سے اس ممانعت کا درجہ متعین

کیا کہ یہ ممانعت تحریمی کے درجہ کی ''نہیں'' بلکہ تنزیہی ہے۔ حالانکہ حدیث میں صرف ممانعت کا حکم ہے۔ حضور ﷺ کے فرمائے ہوئے اوامر ونواہی کی حقیقت اور اُن کا درجہ سمجھنا نہایت اہم ہے اور اسی حقیقت کو پالینے کا نام ''فقه فی الدین'' ہے۔

3- یہ بھی غور کیجئے کہ خلفائے راشدین سے بڑھ کر کون احکام شریعت کا نکتہ شناس اور صاحبِ بصیرتِ اجتہاد ہوسکتا ہے انہوں نے کیا کیا؟

۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آغاز خلافت تک امہاتِ اولاد یعنی وہ لونڈیاں جن سے اولاد ہو چکی ہو عموماً خریدی، بیچی جاتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اس رواج کو بالکل روک دیا۔

۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کے سفر میں غیر مذہبوں پر جو جزیہ (رقم حفاظت) مقرر کیا تھا وہ فی کس ایک دینار تھا۔ حضرت عمرؓ نے ایران میں 6'12'48 دینار جزیہ کے حساب سے شرحیں مقرر کیں۔

۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے بلکہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد تک ''تین طلاقیں'' ایک سمجھی جاتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے منادی (اعلان) کروادیا کہ تین طلاقیں تین ہی سمجھی جائیں گی۔

4- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں شراب پینے کی سزا میں کوئی حد مقرر نہیں کی گئی تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی حد 40 درّے مقرر فرمائی۔ پھر حضرت عمرؓ نے بسبب اس کے کہ ان کے دور میں شراب نوشی کا زیادہ رواج ہو چلا تھا، 40 سے 80 درّے کردئے۔

نوٹ:۔ یہ وہ واقعات ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ لیکن کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ خلفاء راشدین کسی حکم کو آنحضرتﷺ کا تشریعی حکم سمجھ کر اس کی مخالفت کرتے تھے؟ ہرگز نہیں! بلکہ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ رات دن حضورﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر رہتے اور فیضِ صحبت کی وجہ سے شریعت کے اداشناس ہوگئے تھے۔ چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ ایسے موقعوں پر صحابہؓ ہی کو دلیل راہ بنایا۔ اور اس قسم کے مسائل میں امام اعظم کی رائے عموماً خلفائے راشدین کے طرز عمل کے موافق ہے لیکن جن لوگوں کی نگاہ اس نکتہ تک نہیں پہنچتی وہ حضرت ابو حنیفہؒ بلکہ صحابہؓ کو تک موردِ الزام ٹھیراتے ہیں۔

بحیثیت فقیہ

تعارف فقہا صحابہ کرامؓ

سوال:85:۔ صحابہ کرامؓ میں مشہور فقہا کے اسم گرامی کا ذکر کیجئے ؟

جواب:۔ صحابہ کرامؓ میں فقہاء کی تعداد محدثین کی تعداد سے بہت کم تھی کیونکہ فقہاء سے دو کام متعلق ہوتے تھے۔ایک قرآن و احادیث کا ذخیرہ ہر مسئلہ میں فراہم کرنا۔دوسرا اُس میں غور و اجتہاد کر کے مسلمانوں کو ایسی بات بتلانی جو قابل عمل اور شارع کی مرضی کے مطابق ہو۔ظاہر ہے کہ ہر محدث میں اجتہاد کی صلاحیت نہیں ہوتی۔یہی وجہ ہے کہ تمام صحابہؓ فتویٰ نہیں دیتے تھے بلکہ چند صحابہ جن کی تعداد بہت قلیل تھی اس کام کے لئے مخصوص تھے اُن صحابہ کرام میں درجہ ذیل صحابہ مشہور فقیہ گزرے ہیں!

1- حضرت ابوبکر صدیقؓ 2- حضرت عمر بن خطابؓ 3- حضرت عثمان بن عفانؓ
4- حضرت علی ابن ابی طالبؓ 5- حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ 6- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
7- حضرت عبداللہ بن عباسؓ 8- حضرت زید بن ثابتؓ 9- حضرت عبداللہ بن عمرؓ
10- حضرت معاذ بن جبلؓ 11- حضرت زید بن ثابتؓ 12- حضرت ابی بن کعبؓ
13- حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ

سوال:86:۔ خلفائے راشدین میں خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' کی ذاتِ گرامی بحیثیت فقیہ' آپؓ کے فضائل اور اسلام کی اشاعت کے بارے میں جامع تذکرہ کیجئے ؟

1-امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

جواب:۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ اول ہیں۔

نام ونسب: آپ کا اسمِ گرامی **عبداللہ**، کنیت **ابوبکر**، لقب **صدیق**، **عتیق** ہے۔آپؓ کے والد محترم کا نام **عثمان** اور کنیت **ابوقحافہؓ** ہے۔والدہ محترمہ کا نام **سلمہؓ** اور کنیت **ام الخیر** ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں حضرت مرہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی والدہ کو ابتداء ہی میں حلقہ بگوش اسلام (اسلام میں داخل) ہونے کا شرف حاصل ہوا۔جبکہ اُن سے پہلے (39) انتالیس اصحاب مسلمان ہوئے تھے۔لیکن آپؓ کے والد

ابوقحافہؓ فتح مکہ کے بعد ضعیفی کی عمر میں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی شفقت سے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور کلمہ طیبہ تلقین فرما کر مشرف بہ اسلام فرمایا۔حضرت ابوقحافہؓ نے حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں بعمر 97 سال 14ھ میں وصال فرمایا۔آپؓ کی والدہ ام الخیر سلمیٰؓ نے بھی طویل عمر پائی اور خلافتِ حضرت ابوبکرؓ میں وصال ہوا۔

قبل اسلام:۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اسلام قبول کرنے سے قبل نہایت خلیق تاجر تھے اور آپؓ دیانت دار، راستباز اور امانت دار مشہور تھے۔آپؓ کو شروع ہی سے شراب سے ویسی ہی نفرت تھی جیسے زمانہ اسلام میں تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بچپن ہی سے خاص اُنس وخلوص رکھتے تھے، اکثر تجارت کے سفروں میں بھی ہمراہی کا شرف حاصل تھا۔آپؓ کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے جو شام ویمن تک وسعت رکھتی تھی۔

مشرف بہ اسلام:۔

محققین نے مختلف احادیث وآثار میں تطبیق کی اور فرمایا! ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا عورتوں میں، حضرت علی رضی اللہ عنہ بچوں میں، حضرت زید بن حارثہؓ غلاموں میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آزاد اور بالغ مردوں میں سب سے پہلے بیعت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہاتھ بڑھایا اور مشرف باسلام ہوئے۔

اشاعتِ اسلام:۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دینِ حنیف (اسلام) کی نشر واشاعت (Spreading and propogation of Islam) کے لئے ابتداء ہی سے جان ومال کی پروا کئے بغیر کوئی کسر نہیں چھوڑی۔دین اسلام کی اشاعت میں کوشش اور جدوجہد کا نتیجہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ صرف آپؓ کی دعوتِ اسلام پر حضرت عثمان بن عفانؓ ،حضرت زبیر بن العوامؓ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت طلحہؓ بن عبداللہ جو اسلام کے اکابر اور تاباں ودرخشاں جواہر ثابت ہوئے ہیں، مشرف بہ اسلام ہوئے۔ان اصحاب کے علاوہ حضرت عثمان بن مظعونؓ ، حضرت ابوعبیدہؓ ، حضرت ابوسلمہؓ اور حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص بھی آپؓ کی ہدایت پر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔علانیہ دعوتِ اسلام کے علاوہ آپؓ کا روحانی اثر جس کو تائید رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حاصل تھی، مخاطب دعوت حضرات

کی سعید روحوں کو اسلام کی طرف مائل کرتی تھی۔ چنانچہ اپنے مکان کے صحن میں ایک چھوٹی سی مسجد بنا رکھی تھی اور اُس میں نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت میں مشغول رہتے۔ آپؓ نہایت رقیق القلب (نرم دل) تھے یہی وجہ ہے کہ آپؓ جب بھی قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور لوگ آپؓ کی گریہ وبکا (گڑگڑانے) کو دیکھ کر جمع ہو جاتے اور اُس پُر اثر منظر سے نہایت متاثر ہوتے۔
(البخاری باب ہجرۃ النبیؐ واصحابہؓ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد (13) تیرہ برس تک مکہ میں تبلیغ و دعوت کا سلسلہ باوجود کفار کی انتہائی ایذا رسانی کے جاری رکھا۔ اُس دوران حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی جان و مال، رائے ومشورہ غرض ہر حیثیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو کی طرح رنج وراحت میں شریک رہے۔ قبائلِ عرب اور عام مجموعوں میں تبلیغ و ہدایت کے لئے جاتے تو ہر وقت ہمرکابِ رسول ﷺ (ساتھ) ہوا کرتے اور نسب دانی (لوگوں کے نسب کے علم) سے واقف ہونے کی وجہ سے لوگوں سے کثرت سے ملاقات کے باعث اُن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کراتے۔ (کنز العمال)

ابتداً مکہ میں غلاموں اور لونڈیوں کی کثیر تعداد نے اسلام کو لبیک کہا۔ لیکن وہ اپنے منکر آقاؤں کے پنجۂ ظلم وستم میں گرفتار تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُن کو خرید کر آزاد کر دیا جن میں قابل ذکر حضرت بلالؓ، عامرؓ بن فہیرہ، نذیرہؓ، نہدیہؓ، جاریہؓ، بنی مؤملؓ اور بنت نہدیہؓ کے اسماء گرامی شامل ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں رشتۂ مصاہرت مکی زندگی میں ہی قائم ہوا یعنی آپؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ لیکن رخصتی، ہجرت کے دو سال بعد بعمر نو (9) سال ہوئی۔

ہجرت مدینہ:۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر ہجرت مدینہ میں رفیق رہنے کا اعزاز حاصل ہے۔ قرآن مجید میں آپؓ کا صاحبِ رسول (یار غار ثور) کے الفاظ سے ذکر کیا گیا جو آپؓ پر افضالِ وانعاماتِ خاص کی دلیل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد 1ھ سے فتح مکہ 8ھ تک کفار مکہ کی بار بار سازشوں نے مدینہ میں آپ ﷺ کو چین سے رہنے نہ دینے کے خلاف تمام مدافعتی غزوات

(Defensive Battles) میں حضرت صدیق اکبرؓ ایک رفیق ومشیر و جانثار کی طرح حضور سرورِ کائینات ﷺ کی رفاقت سے مشرف رہے۔غزوۂ بدر اور بعد کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محافظت کی گراں بار ذمہ داری نہایت شجاعت کے ساتھ نبھائی۔آقائے نامدار سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، ''کیا تم پہلے شخص نہیں ہو جو میری امت سے جنت میں داخل ہوں گے، تم حوض کوثر پر میرے رفیق (دوست۔ساتھی) ہو اور غار (ثور) میں بھی میرے رفیق رہے''۔

معراج کے واقعہ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کچھ شک نہیں ہوا اور ابوجہل کو کچھ یقین نہیں آیا۔اس طرح ارشاد نبوی ﷺ کی قلبی تصدیق آپ ﷺ سے وابستگی کا روح پرور اور ایمان افروز مظاہرہ کر کے ''صدیق'' کے لقب سے شایانِ شان ہونا ثابت کر دکھایا جو خود حضور ﷺ نے عطا فرمایا۔حضرت صدیق اکبرؓ کے مناقب وفضائل کثرت سے ہیں، جس سے آپؓ کی فضیلت کا اندازہ ہوسکتا ہے! ان میں چند کا ذکر ذیل میں ملاحظہ فرمائیں!

1- آپؓ بیعت رضوان میں شریک رہے۔سنہ 9ھ ہجری میں مسلمانوں کے پہلے حج کے موقع پر ''امیر الحجاج'' بنائے گئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی علالت کے زمانے میں آپؓ کو نماز کی امامت کا حکم فرمایا اور تین دن تک صحابہ کی امامت کرتے رہے۔

2- حضور پُر نور رحمتِ عالم سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک پر باوجود غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑنے کے نہایت ضبط واستقلال سے مسلمانوں کو سنبھالا۔پھر مقام سقیفہ بنوساعدہ میں صحابہؓ نے آپؓ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی۔خلیفۂ اول کی عظیم ترین ذمہ داری اور فرائضِ منصبی کو کماحقہٗ پورا فرمایا اور بعمر 63 سال ماہ جمادی الآخر سنہ 13ھ میں پندرہ دن علیل رہ کر وصال فرمایا۔اس طرح جانثارِ نبیؐ نے اپنی وفات میں بھی نبی کریم ﷺ، اپنے محسن آقا کی پیروی پسند فرمایا اور آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے (بازو) اقدس میں دائماً آسودہ ہوئے (آرام فرما رہے ہیں)۔

خلافت حضرت ابو بکر صدیقؓ :۔

2- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک سے قبل یمن اور نجد میں فتنوں نے سر اُٹھایا تھا جس کا فوراً تدارک کر دیا گیا۔حضور ﷺ کے وصال کے بعد ایک طرف مرتدوں نے اور دوسری طرف جھوٹے مدعیانِ نبوت نے سر اُٹھایا۔ساتھ ہی منکرینِ زکوٰۃ کا فتنہ پیدا ہوا۔پورے جزیرہ نما عرب میں ہلچل سی تھی۔

ایسی صورتِ حال کے پیش نظر حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ رسول کا ہر قدم دُور رس نتائج کا حامل رہا۔ اور اُسکا سارے جزیرہ نما عرب میں حالات پر نہایت خوشگوار اثر مرتب ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے ''اجتہادِ شرعی'' سے منکرینِ زکوٰۃ سے جنگ کرنے کا فیصلہ فرمایا جس کو حضرت عمرؓ اور تمام صحابہؓ کی تائید حاصل رہی۔ ایک طرح سے ''اجماعِ امت'' کی بنیاد یہیں سے ہوئی۔ اور منکرینِ زکوٰۃ اور مرتدین پوری طرح سے مغلوب ہو گئے۔

1- آپؓ نے خلافت سنبھالتے ہی سب سے پہلے لشکرِ اُسامہؓ کو ملکِ شام کی طرف رومیوں سے مقابلہ کے لئے کوچ کرنے کا حکم دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی وجہ سے رُک گیا تھا۔ اس پر سب لوگ دنگ و حیرت میں تھے لیکن آپؓ کی دُور اندیشی اور بصیرت کے باعث اُس لشکر کی روانگی اور رومیوں سے مقابلہ اور کامیابی نے ملک کے جملہ قبائل عرب کو مسلمانوں کی قوت و طاقت کا احساس دلا دیا اور یہی کامیابی آئندہ فتوحات اور حدودِ خلافت کی توسیع کا مقدمہ بن گئی۔ عہد صدیقیؓ میں خلافت اسلامی کے حدود شام' ایران' عراق کے دُور دراز علاقوں تک پہنچ گئیں اور اِس طرح آپؓ نے اپنا پیغامِ حق و صداقت لوگوں کے قلوب تک پہنچا دیا۔ جملہ دو سال تین ماہ کے مختصر دَورِ خلافتِ صدیقؓ میں غیر معمولی حالات کے پیدا ہونے کے باوجود استحکام اور حدودِ خلافت میں توسیع یقیناً عالمی تاریخ میں حیرت انگیز مثال ثابت ہوئی۔

2- حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپؓ نے قرآن شریف کو جو متفرق اجزاء میں تھا ایک کتاب کی صورت میں جمع کروا کر محفوظ فرما دیا۔ آپؓ کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت میں بھی یہ محفوظ رہا یہاں تک کہ حضرت عثمان بن عفانؓ خلیفہ سوم نے اپنے عہد میں اس کے متعدد نسخے (Copies) بنا کر مختلف شہروں میں روانہ فرمایا جو آج تک بھی محفوظ ہیں۔

امامت اور اجتهاد :۔

''خلافت'' گو ''نبوت'' ہی کا پَرتو (وارثِ نبوت ہونا) ہے مگر دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اس فرق کو حضرت ابوبکر صدیقؓ خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہی جمہور مسلمانوں پر واضح فرما دیا اور اپنے خطبہ خلافت میں فرمایا '' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں، نیز خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ''وحی'' (Revelation) سے ممتاز فرمایا۔ میں ''ایک معمولی انسان ہوں یعنی غیر معصوم ہوں۔ اس لئے مجھے راہِ راست پر دیکھو تو اتباع کرو ورنہ اگر کج راہ ہو جاؤں تو اتباع مت کرو''۔ آپؓ نے عملاً کبھی انبیاء

کے مخصوص اختیارات وحقوق سے کام نہیں لیا۔حتیٰ کہ اگر کسی نے ''خلیفۃ اللہ'' کہہ کر مخاطب کیا' تو فرمایا،'' مجھے خلیفۃ اللہ نہ کہو میں نائب خدا نہیں بلکہ'' نائب رسول'' (خلیفہ رسول ﷺ) ہوں۔ یہ آپؓ کا بڑا احسان ہے کہ آپؓ نے قیامت تک کے لئے خلافت اور نبوت کی سرحدیں الگ کردیں۔

فقہ و اجتہاد: ۔حضرت ابوبکرؓ کی عدالت میں جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو پہلے قرآن کی طرف رجوع کرتے، اگر اُس میں کوئی حکم ہوتا تو اُس کے مطابق فیصلہ فرماتے ورنہ سنتِ رسول کی طرف رجوع کرتے اور جب اس میں بھی مطلب برائی نہ ہوتی تو مسلمانوں سے سوال کرتے''۔یعنی مشورہ کرکے مسئلہ کا حل دریافت فرماتے۔ (مسند دارمی)

۔ چنانچہ آپؓ کے زمانہ خلافت میں نئے نئے قسم کے جرائم پیش آئے جن کی قرآن وحدیث میں کوئی سزا مقرر نہیں تھی۔آپؓ نے صحابہؓ سے مشورہ کرکے ان جرائم کی سزائیں مقرر کردیں۔

۔آپؓ نے مسائل فقہ کی تحقیق وتقید اور عوام کی سہولت کے لئے باضابطہ''محکمہ افتاء'' قائم کیا جس کے ارکان، حضرت عمر بن خطابؓ ، حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت علی ابن طالبؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت ابی کعبؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت جیسے فقہا صحابہ کو مامور فرمایا۔اُن کے علاوہ کسی اور کوفتویٰ دینے کی اجازت نہیں تھی۔

۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صلاحیتِ استنباط واجتہاد کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت مآب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو مدینہ میں قاضی مقرر فرمایا تھا اور لوگ آپؓ سے اپنے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔

۔''**قیاس**'' اور رائے شرعیہ کے تعلق سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اجتہاد میں،'' دادا کی وراثت کا مسئلہ'' مشہور ہے۔قرآن کی سورۃ النساء کی آیت۔24 میں'' **کلالہ**'' کی صورت میں باپ کی کوئی تصریح نہیں ہے۔تاہم سب صحابہ کا اتفاق تھا کہ کلالہ کی صورت میں باپ کا نہ ہونا ضروری ہے۔لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دادا کا نہ ہونا بھی ضروری قرار دیا اور سورۃ النساء کی آیت-24 پر قیاس کرکے استدلال کیا جس میں علاّتی بھائی بہن کی وراثت کا تذکرہ ہے اور یہاں'' **کلالہ**'' کے یہ معنی ہیں کہ میت کے اصول وفرع میں کوئی نہ ہو یعنی میت کا دادا موجود ہوگا تو وہ'' **کلالہ**'' نہ ہوگا اور علاّتی بھائی بہن مجوبِ وراثت ہوں گے۔صحیح بخاری میں باب میراث الجد میں اس مسئلہ کی تفصیل موجود ہے۔

اخلاق و عادات :۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نہایت اخلاقِ حمیدہ سے متصف تھے۔ رحم دلی، راست بازی اور دیانت داری آپؓ کے مخصوص اوصاف ہیں۔ فیاضی، قرابت داروں کا خیال، مہمان نوازی، مصیبت زدوں کی اعانت غرض تمام محاسن ومحامد آپؓ میں شروع ہی سے موجود تھے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور توجہ نے آپؓ کو خدا اور مخلوق کی نظر میں عظیم مقام عطا فرمایا۔

زہد کا یہ عالم تھا کہ آپؓ نے اپنی تمام دولت راہِ خدا میں لٹا دی۔ عجز وتواضع کی انتہا یہ تھی کہ لوگ جانشینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے تعظیم وتوقیر کرتے تو آپؓ فرماتے ''اے خدا تو میرا حال مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو اِن کے حُسنِ ظن سے مجھے بہتر ثابت کر۔ میرے گناہوں کو بخش دے اور لوگوں کی بے جا تعریف کا مجھ سے مواخذہ (حساب) نہ کر''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ ارشاد فرمایا ''انه ليس من الناس احدا من علی فی نفسه وما له من ابی بكر'' (جان ومال کے لحاظ سے مجھ پر ابو بکرؓ سے زیادہ کسی کا احسان نہیں) تو حضرت ابو بکرؓ نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جان ومال تو سب حضور ﷺ کے لئے ہی تو ہے''۔

حضرت ابو بکرؓ پوری رات نماز میں گزارتے اور دن کو اکثر روزے رکھتے۔ خشوع خضوع کا یہ عالم کہ نماز میں لکڑی کی طرح بے حس وحرکت نظر آتے۔ رقّت طاری ہو جاتی تو روتے روتے ہچکی بندھ جاتی۔ تلاوتِ قرآن فرماتے تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔

آپؓ نے زندگی نہایت سادہ گزاری۔ لباس سادہ ہوتا اور دسترخوان پُر تکلف نہ ہوتا۔ خلافت کے ساتھ سادگی اور ترقی کر گئی۔ چنانچہ وصال کے وقت حضرت عائشہؓ سے فرمایا ''جب سے خلافت کا بار میرے سر پر آیا، میں نے معمولی سے معمولی غذا اور لباس پر قناعت کی ہے۔ مسلمانوں کے مال میں میرے پاس ایک حبشی غلام، ایک اونٹ اور اِس پرانی چادر کے سوا کچھ نہیں ہے۔ میرے بعد تمام چیزیں عمر بن خطابؓ کو واپس دے کر ان سے بری ہو جانا''۔ (طبقات ابن سعد)

شمائل مبارک :۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نہایت نحیف اندام تھے' چہرہ مبارک بھرا بھرا اور رنگ گندم گوں' پیشانی مبارک بلند وفراخ اور آنکھیں گہری وچھوٹی' بالوں میں مہندی کا خضاب لگایا کرتے تھے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی حیاتِ مبارکہ، مقدس شب و روز، اعمالِ حسنہ کا ہر پہلو، ایمان و یقین، تسلیم و رضا، عشق الٰہی و رسول ﷺ پاک، توکل و قناعت، حلم، مروت و مودت، عزم و استقلال، صدق و صفا کے انوار آج بھی نئی شان کے ساتھ اہل ایمان کے لئے مشعلِ راہ وہدایت بنے ہوئے ہے۔

2- امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی الله عنه (وصال 23ھ)

سوال :87:۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی بحیثیت فقیہ، آپؓ کے فضائل اور اشاعتِ اسلام کے بارے میں جامع تذکرہ کیجئے؟

جواب :۔ نام و نسب:۔ آپ کا اسمِ گرامی **عمر**، کنیت **ابوحفص**، لقب **فاروق** ہے۔ والد ماجد کا نام **خطاب** اور والدہ محترمہ کا نام **ختمہ** ہے۔ حضرت عمرؓ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں حضرت عدی کے بھائی پر رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم سے جا ملتا ہے۔

ایام جہالت میں آپؓ کا خاندان نہایت معزز مانا جاتا تھا۔ آپؓ کے جد اعلیٰ حضرت عدی عرب کے باہمی تنازعات میں ثالث (Arbitator) کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپؓ کی والدہ حضرت ختمہ، ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی تھیں۔ جب بھی قریش کے کسی قبیلہ سے نبرد آزمائی (لڑائی) کی جاتی تو فوج کا اہتمام مغیرہ سے متعلق ہوتا تھا۔

حضرت عمرؓ کی ولادت ہجرتِ نبویؐ سے 40 برس پہلے ہوئی۔ نسب دانی، سپہ گری، خطابت میں آپؓ مہارت رکھتے تھے۔ جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اُن میں آپؓ کا شمار تھا۔ آپؓ کی عمر 27 سال ہوئی تھی کہ عرب پر آفتابِ اسلام پَر تو فگن ہوا اور توحید کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے لئے یہ آواز نہایت نامانوس (عجیب) تھی اس لئے سخت برہم ہوئے اور مسلمانوں کے دشمن بن گئے۔ اس طرح قریش کے سربرآوردہ دو اشخاص ابوجہل اور عمر بن خطاب دونوں اسلام اور حضور ﷺ کی دشمنی میں سرگرم ہو گئے تھے۔

قبول اسلام :۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ''اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَحَدَا الُرجُلَیْنِ اَمَا اِبْنِ ھِشَّامِ اَو اِمَا عُمَرَبْنِ خَطَّابِ''۔ (جامع ترمذی)

''خدایا اسلام کو ابوجہل یا عمر بن الخطاب سے معزز کر''۔ اسلام کی یہ دولت حضرت عمرؓ بن خطاب کے قسمت میں ثابت ہوئی اور ابوجہل محروم ہی رہا۔ کچھ ہی دنوں میں حضرت عمرؓ کا دامن دولتِ اسلام سے بھر گیا۔

ہوا یوں کہ حضرت عمر ن خطاب اپنی انتہائی سخت روش کے باوجود کسی کو بھی اسلام سے بد دل نہ کر سکے تو آخر کار خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل (نعوذ باللہ) کے ارادے سے نکل پڑے۔ راستے میں اپنی بہن کے مکان پر تلاوت قرآن کی آواز سنی (جو ایمان لا چکی تھیں) تو قرآن کریم نے اپنا اثر دکھایا۔ کفر، ایمان سے مبدل ہوا اور آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ حضرت ارقمؓ کے مکان کوہ صفا پر جلوہ افروز تھے۔ حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر آپؓ کے سینہ پر ہاتھ مارا، پھر کیا تھا، سینہ عمرؓ ایمان کے نور سے منور ہو گیا۔ الحمد للہ۔ حضرت عمرؓ نے نہایت خضوع (دل) سے کہا میں ایمان لایا اور کلمہ طیبہ پڑھا۔ اللہ اکبر! (دار قطنی، حاکم، بیہقی)

مورخین نے حضرت عمرؓ کے مشرف بہ اسلام ہونے کا زمانہ 7ھ نبوی لکھا ہے کہ آپ چالیسویں (40th) مسلمان ہیں جو ایمان سے مشرف ہوئے۔

حضرت عمرؓ نے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد مشرکین کو جمع کر کے بآواز بلند اپنے ایمان قبول کرنے کا اعلان فرمایا۔ حق، باطل کے مقابلہ میں سر بلند ہوا اور حضور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو ''فاروق'' کا لقب مرحمت فرمایا۔ اب مسلمانوں کی جماعت کعبہ میں جا کر حضرت عمرؓ کے ساتھ نماز ادا کرنے لگی جو پہلے مخفی طور سے پڑھا کرتی تھی۔

ہجرت مدینہ:۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت عمرؓ 7ھ نبوی سے 13ھ نبوی تقریباً 6 یا 7 سال تک مکہ میں قریش کے مظالم برداشت کرتے رہے۔ جب مدینہ منورہ کو ہجرت کی اجازت ملی تو بڑی شان سے مسلح ہو کر (ہتھیار لگا کر) نہایت اطمینان کے ساتھ خانہ کعبہ میں نماز پڑھی اور مشرکین کو مخاطب کر کے فرمایا ''جس کو مقابلہ کرنا ہو وہ مکہ سے باہر نکل کر مجھ سے مقابلہ کرے'' مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ حضرت عمرؓ مکہ سے روانہ ہوئے اور مدینہ پہنچ کر مقام قبا میں حضرت رفاعہ بن عبدالمنذرؓ کے مہمان ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے بعد اکثر صحابہؓ نے بھی ہجرت کی حتیٰ کہ 632ء م 13ھ نبوی خود آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ یہیں سے سنہ ہجری کا آغاز ہوتا ہے۔

مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین (مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے) صحابہ کرامؓ میں اور انصار (مدینہ کے رہنے والے) صحابہ میں برادری قائم کر دی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے برادرِ

اسلامی حضرت عتبہؓ بن مالک قرار پائے۔ انصار صحابہ کرام نے عدیم النظیر ایثار سے کام لے کر اپنے مہاجر بھائیوں کو مال واسباب میں نصف (آدھے) کا شریک بنالیا۔

اب، مدینہ میں مسلمانوں کے لئے آزادی اور اطمینان کا دَور تھا۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے بلانے کا طریقہ حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق (اذان) پسند فرمایا گیا اور حضرت بلالؓ کو موذن (اذان دینے والا) مقرر فرمایا۔ اس طرح اسلام کا ایک شعائر اعظم یعنی ''اذان'' حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قائم ہوا۔

غزوات و فتوحات :۔

مدینہ میں پہلا معرکہِ (جنگ) بدر پیش آیا۔ اس معرکہ میں حضرت عمرؓ اپنے حقیقی ماموں عاص ابن ہشام ابن مغیرہ کو داخل جہنم کر دیا۔ یہ حضرت عمرؓ کی خصوصیت رہی کہ آپؓ اسلام کے مقابلہ میں قرابت و محبت کے تعلقات سے متاثر نہیں ہوتے تھے۔ بدر کی جنگ میں ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور ولید بن مغیرہ اور دوسرے کافروں کے سردار تقریباً 70 آدمی مارے گئے اور اُتنے ہی قیدی بنائے گئے جن میں قریش کے اکثر معزز سردار تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے رائے دی کہ قیدیوں کو فدیہ (جرمانہ) لے کر چھوڑ دیا جائے۔لیکن حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا اور کہا کہ اُن کو قتل کر دینا چاہئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے پسند فرمائی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید میں وحی نازل ہوئی۔ ''کسی پیغمبر کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ خونریزی نہ کرلے (سورہ انفال۔9)۔ (صحیح مسلم)

غزوہ احد کے بعد 3ھ میں حضرت عمرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپؓ کی صاحبزادی' بی بی حفصہؓ حضور ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ حضرت عمرؓ کو تمام غزوات (لڑائیوں) میں شریک ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ آپؓ ان معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی رائے جانبازی اور پامردی کے لحاظ سے دست و بازو بنے رہے۔ مقامِ حدیبیہ میں بیعت رضوان میں شریک تھے۔ فتح مکہ 8ھ کے بعد 9ھ میں قیصرِ روم حملہ آور ہونا چاہتا تھا۔ اُس موقع پر حضور ﷺ نے تمام صحابہؓ کو جنگ کی تیاری کا حکم فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے تمام مال واملاک کا آدھا حصہ لاکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔حضور ﷺ کے دریافت کرنے پر عرض کیا ''آدھا مال اپنے گھر والوں کے لئے چھوڑ آیا

ہوں۔حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنا تمام مال پیش کیا اور حضورﷺ کے پوچھنے پر عرض کیا ’’میں اللہ اور اس کے رسولﷺ کو اپنے گھر والوں کے لئے چھوڑ آیا ہوں‘‘۔اس پر حضرت عمرؓ نے کہا ’’میں حضرت صدیق اکبرؓ سے نیکی میں آگے نہیں بڑھ سکتا‘‘۔ 11ھ 11 ربیع الاول کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ اول چن لیا گیا اور سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی پھر دوسرے صحابہ نے بھی بیعت کر لی۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے وصال سے قبل اکابر صحابہ کے مشورہ سے حضرت عمرؓ کو اپنے بعد خلیفہ دوم نامزد فرمایا اور ضروری نصیحتیں بھی فرمائیں جو حضرت عمرؓ کے لئے نہایت عمدہ دستور العمل ثابت ہوئیں۔

خلافت حضرت عمرؓ اور فتوحات:۔

خلافتِ عمرؓ کے زمانے میں اسلامی سلطنت کی سرحدیں روم، ایران (فارس) قسطنطین وغیرہ دُور دُور تک وسیع ہوگئی۔آپؓ نے اس وسیع اسلامی سلطنت کی بنیاد نہایت عدل، انصاف اور مساوات پر قائم کی جو آج چودہ سو برس بعد بھی وہ علاقہ اُن کے جانشینوں کے قبضہ واقتدار میں موجود ہے۔حضرت عمرؓ کا نظامِ خلافت جمہوری طرز پر مجلس شوریٰ (Parliament) کے تحت قائم تھا جس میں مہاجرین اور انصار کے منتخب اکابر اہل الرائے صحابہ شریک تھے۔بحث ومباحث کے بعد اتفاقِ رائے سے تمام اُمورِ حکومت کے فیصلے ہوتے تھے۔

مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے علاوہ ایک مجلس عام (پارلیمنٹری کمیٹی) بھی تھی جس میں مہاجرین و انصار کے علاوہ تمام سردارانِ قبائل شریک تھے مجلس عام نہایت اہم امور کے پیش آنے پر طلب کی جاتی تھی۔آج کی جمہوری حکومت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنی رائے کو علانیہ اظہار کرنے کا موقع دیا جائے۔حاکم کے اختیارات محدود ہوں اور اس کے طرزِ عمل پر ہر شخص کو نکتہ چینی کرنے کا حق ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی نظامِ خلافت اِن تمام جمہوری امور کی جامع (Comprehensive) نمونہ تھی۔آپؓ نے اپنی خلافت میں جو اصلاحات اور نظام حکومت کی بنیاد اِس دُور اندیشی اور حکمت وفراست سے قائم کی کہ اُس کو آج بھی ساری دنیا میں قدر کی نگاہ سے نہ صرف دیکھا جاتا ہے بلکہ آج تک تمام حکومتیں اُن قوانین واصلاحات کو شامل کرتی ہیں۔

نظامِ حکومت:۔

اسلام میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اسلامی ممالک کو صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم فرمایا اور جملہ

دس صوبوں پر تقسیم ہوئے جن میں مدینہ' شام' جزیرہ' بصرہ' مصر' فلسطین' خراسان' آذربائیجان' فارس شامل ہیں۔ ہر صوبہ کا ایک عامل (گورنر)' کاتب (منشی)' کاتبِ دیوان (محکمہ فوج کا مشیر)' صاحب الخراج (کلکٹر)' قاضی (جج) مقرر فرمایا۔

حضرت عمرؓ بحیثیت خلیفۂ وقت احکام کی نگرانی اور عوام کے اخلاق و عادات کی حفاظت کا فریضہ بخوبی انجام دیا کرتے تھے۔ اپنے ہر عامل (صوبہ دار) سے عہد (Pledge) لیتے کہ تُرکی گھوڑے (قیمتی سواری) پر سوار نہ ہوگا باریک کپڑے نہ پہنے گا۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازہ (اجلاس) پر دربان نہ رکھے گا۔ اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ ہر صوبہ دار (عامل) کے مال کی فہرست تیار کر کے محفوظ رکھتے اور عامل کے املاک (Assets) میں غیر معمولی اضافہ نہ ہونے دیتے تھے۔ یہ اعلان عام تھا کہ جس کسی کو عامل (صوبہ دار) سے شکایت ہو تو دربارِ خلافت میں پیش کرے۔ (تاریخ طبرای)

غور کریں حضرت عمرؓ کی حکومت کے اصلاحات آج بھی کتنی اہمیت اور افادیت رکھتے ہیں کہ ملک میں مردم شماری (Census)' اضلاع میں عدالتیں' محکمہ قضا (دیوانی) کے لئے اصول و قواعد' قاضیوں (ججوں) کی بھاری تنخواہیں تاکہ رشوت ستانی نہ ہو یہ سب حضرت عمرؓ کے دور کے انتظامات کی دین ہے۔

قرآن و حدیث کی خدمت:۔

عہد صدیق اکبرؓ میں قرآن کے اجزاء جمع کر کے محفوظ کر دیے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے قرآن کے درس و تعلیم کا رواج دیا۔ معلمین' حفاظ کی تنخواہیں مقرر کیں۔ احادیثِ نبوی کو نقل کر کے حکام (صوبہ دار و عامل) کے پاس روانہ کیا کہ عام طور پر حدیث کی اشاعت ہو سکے۔ مشاہیر صحابہؓ کو کوفہ' بصرہ اور شام روانہ کیا تاکہ وہاں کے لوگوں کے مسائل کے حل کے لئے فقہ (Islamic Lw) کی درس گاہیں قائم ہوں۔ حضرت عمرؓ خود بالمشافہ بحیثیت فقیہ اپنے خطبوں میں اور تقریروں میں مسائلِ فقہ بیان فرماتے' اور دُور دراز علاقوں کے حکام کو فقہی مسائل تحریر کر کے روانہ فرماتے۔ اہم مسائل کو صحابہ کے مجمع میں پیش کر کے طے فرماتے۔ تمام ممالک (صوبوں) میں فقہا (Jurists) مقرر فرمایا اور اُن کی تنخوہیں مقرر فرمائیں۔ مساجد تعمیر کروائیں۔ حرم اور مسجد نبوی کو وسعت دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرامین (Charters) خطوط' خطبے اب تک کتابوں میں محفوظ ہیں اور اُس سے دنیا استفادہ کرتی ہے۔

علم و فضل :۔

حضرت عمرؓ نہایت ذہین ٗطبّاع (keen and Intelligent) اورصاحب الرائے مجتہد تھے۔ صاحب الرائے ہونے کی اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ آپؓ کی بہت سی رائیں (Anologies) مذہبی احکام بن گئیں۔مثلاً طریقہ اذان ٗ شراب کی حرمت ٗ ازواجِ مطہرات کیلئے پردہ ٗ مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانا وغیرہ کے متعلق حضرت عمرؓ نے وحی الٰہی سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عرض پیش کی تھی۔

آپؓ کو بارگاہِ نبوت میں خاص تقرب کی بناء پر شرعی احکام اورعقائد سے واقف ہونے کا موقع ملا۔آپؓ کی طبیعت نکتہ رس (دُور اندیش) تھی اس لئے آپ نے آئندہ نسلوں کے لئے استنباط اوراجتہاد کے لئے وسیع شاہراہ قائم کردی۔

آپؓ قرآن مجید سے استدلال میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔محدث کا سب سے بڑا فرض روایات کی تحقیق وتنقیداور جرح وتعدیل(Critical Examination) ہے۔اگر چہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی اپنے عہد میں روایات قبول کرنے میں ثبوت اور شہادت کا لحاظ رکھا لیکن حضرت عمرؓ اس کام میں زیادہ محتاط (Careful) رہے۔روایت اور درایت دونوں حیثیت سے اس کا ثبوت نہ پہنچتا تو قبول نہ کرتے۔جہاں تک فقہ (شرعی احکام) کا تعلق ہے حضرت عمرؓ سے اتنے فقہی مسائل منقول ہیں کہ ان کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔مختلف فیہ مسائل کے طے کرنے کے لئے اجماعِ صحابہؓ (Consensus) جس کثرت سے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ہوا اُس کی مثال نہیں ملتی۔ (تذکرۃ الحفاظ ٗ تذکرہ عمرؓ)

تواضع و فضائل:۔

حضرت عمرؓ کی عظمت ورعب وادب کا ایک طرف تو یہ عالَم ہوا کرتا کہ محض نام سے قیصر وکسریٰ کے ایوانِ حکومت میں لرزہ پیدا ہوجاتا تھا دوسری طرف تواضع (Hospitality) اور خاکساری کا یہ عالَم تھا کہ اپنے کاندھے مبارک پر پانی کی مشک اُٹھاتے ٗ بیوہ عورتوں کے لئے پانی بھرتے ٗ بازار سے سودا سلف لاکر دیتے اورتھک کر مسجد کے گوشہ میں فرش خاک (زمین) پر لیٹ جاتے تھے۔سفر میں ہوتے تو درخت کا سایہ شامیانہ ہوتا اورفرش خاک بستر ہوتا تھا۔ایک دفعہ سفرِ شام کے موقع پر مسلمانوں نے سواری کے لئے تُرکی گھوڑا اور پہننے کے لئے قیمتی لباس پیش کیا تو آپؓ نے فرمایا ''**خدا نے ہم کو جوعزت دی ہے وہ اسلام سے**

ہے اور ہمارے لئے یہ کافی ہے‘‘۔ ایک دفعہ آپؓ اونٹ کے جسم پر تیل مل رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا ’’یہ کام کسی غلام سے لیا ہوتا‘‘۔ آپؓ نے فرمایا ’’مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہوسکتا ہے؟ جو مسلمانوں کا والی (خلیفہ) ہوتا ہے وہ اُن کا غلام (خادم) بھی ہے۔ (کنز العمال)

حضرت عمر بن خطابؓ کی کوشش ہر وقت یہ ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات اور اداؤں کی بھی پیروی کریں چنانچہ ذوالحلیفہ (مقام) سے جب بھی گزرتے دو رکعت نماز ادا کرتے اور فرماتے ’’یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تھا‘‘۔ (صحیح بخاری)

حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقرب خاص ہونے اور سچے شیدائی ہونے کی وجہ حضرت عمرؓ محاسن و محامد (Best Qualities) کی مجسم تصویر بن چکے تھے۔ اخلاص، رجوع الی اللہ، دنیا سے اجتناب، حفظِ لسان، حق پرستی، راست گوئی، تواضع، سادگی سب سے زیادہ نمایاں تھیں۔ اور جو بھی آپؓ کی صحبتِ بابرکت میں آتا وہ بھی اُن اوصاف سے سرفراز ہوجاتا تھا۔

آپؓ میں خوفِ الٰہی حد درجہ راسخ تھا۔ آپؓ رات بھر نماز میں خشوع وخضوع کے ساتھ مشغول رہتے اور نماز میں رقّت اور رونے سے ہچکی بندھ جاتی۔

حضرت عمرؓ کی نسبت ارشادِ رسالت مآب ﷺ ہوا کہ ’’گزشتہ امتوں میں محدث ہوتے تھے اگر میری امت میں کوئی محدث ہوگا تو وہ عمرؓ ہوں گے‘‘۔ نیز ارشادِ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ ’’میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اگر ہوتا تو عمرؓ ہوتے‘‘۔ اور فرمایا ’’عمرؓ کی ایک نیکی سب کی تمام نیکیوں کے برابر ہے‘‘۔ اس پر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ’’ابوبکرؓ کی ایک نیکی عمرؓ کی تمام نیکیوں کے برابر ہے‘‘۔ ماشاء اللہ۔ ارشادِ رسول ﷺ ہے ’’میری اور میرے خلفائے راشدین کی اتباع و پیروی کرنے والے ہی جنتی لوگ (ناجی فرقہ) ہوں گے، ماباقی تمام فرقے ناری ہیں۔ (بخاری)

تقریباً دس (10) برس خلافت کرنے کے بعد ذی الحجہ 23 ھ میں حضرت عمر رضی للہ عنہ اپنے غلام (جو اسلام قبول نہ کیا تھا) کے ہاتھوں حالت نماز میں شدید زخمی ہوئے اور شہادت پائی۔ وفات سے قبل لوگوں کے اصرار پر چھ (6) اکابر صحابہ کے نام منتخب فرمایا اور ہدایت کی کے تین دن میں ان میں سے کسی ایک کو آپؓ کے بعد خلیفۂ سوم منتخب کرنے کا فیصلہ ہوجانا چاہئے۔ آپؓ کو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ

کی اجازت سے حضور نبی کریم ﷺ اور صدیق اکبرؓ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا اور پھر اتفاق رائے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو محرم 24ھ خلیفہ سوم منتخب کر لیا گیا۔ سب نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

شمائل شریف :۔

حضرت عمرؓ کا رنگ گندم گوں' قد نہایت طویل (اونچا)' داڑھی مبارک گھنی' مونچھیں گہری تھیں۔ آپؓ کی غذا نہایت سادہ تھی، صرف روٹی اور روغن زیتون۔ کبھی کبھی گوشت، دودھ، ترکاری اور سرکہ بھی دسترخوان پر ہوتا تھا۔ لباس بھی نہایت معمولی۔ اکثر عمامہ باندھتے، جوتی قدیم عربی وضع کی ہوتی تھی۔

3- حضرت امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

سوال:88:۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی بحیثیت فقیہ اور آپؓ کے فضائل کے بارے میں جامع تذکرہ کیجئے؟

جواب : نام و نسب:۔

آپؓ کا اسم گرامی **عثمان**، کنیت **ابو عبداللہ** اور **ابو عمرو**، لقب **ذوالنورین** ہے۔ والد ماجد کا نام **عفان** اور والدہ محترمہ کا نام **اروی** ہے۔ آپؓ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں حضرت عبد مناف پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی نانی **بیضا ام الحکیم** حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپی تھیں۔ (فتح الباری)

حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں بی بی رقیہ اور بی بی ام کلثوم رضی اللہ عنہما ایک کے بعد دیگر حضرت عثمان غنیؓ کے نکاح میں آئیں تھیں۔ اسلئے آپؓ کو ''ذوالنورین'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپؓ کے جداعلیٰ امیہ بن عبد شمس قریش کے رئیسوں میں تھے۔

حضرت عثمانؓ کی ولادت واقعہ فیل کے چھٹے سال یعنی ہجرت نبوی سے 27 سال قبل ہوئی۔ آپؓ نے بچپن ہی میں پڑھنا لکھنا سیکھ لیا تھا۔ جوانی میں پیشہ تجارت اختیار فرمایا۔

قبول اسلام :۔

حضرت عثمانؓ بعمر چونتیس (34) سال، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دعوتِ اسلام پر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی منجھلی صاحبزادی حضرت رقیہ ؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کردیا۔ پھر کیا تھا کہ اعزہ واقارب نے سردمہری شروع کردی اور جب سخت گیری برداشت سے باہر ہوگئی تو آپؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے معہ اپنی زوجہ کے ملک حبش کی طرف ہجرت فرمائی یہ پہلا قافلۂ ہجرت تھا۔ چند سال وہاں رہ کر مکہ واپس تشریف لائے۔

ہجرت مدینہ:۔

جب آقا علیہ السلام نے صحابہ کو مدینہ ہجرت کی تلقین فرمائی تو حضرت عثمانؓ نے بھی اہل وعیال کے ساتھ مدینہ ہجرت فرمائی اور حضرت اُوس بن ثابتؓ کے مہمان ہوئے۔ بعد میں حضورﷺ نے ان دونوں میں مواخات (برادری) قائم فرمادی۔ مدینہ آنے کے بعد مہاجرین کو پانی کی تکلیف ہونے لگی۔ آپؓ نے بارہ ہزار دینار کے عوض ایک یہودی سے نصف کنواں (Well) خریدا، جو بعد میں مزید 8 ہزار دینار دے کر پورا کنواں عام مسلمانوں کے لئے وقف کردیا۔ آپؓ کے اِس کارِخیر کو حضورﷺ نے پسند فرمایا۔ (طبقات۔استیعاب)

غزوات:۔

غزوۂ بدر کے موقع پر آپؓ اپنی زوجہ اور حضورﷺ کی نورِنظر بی بی رقیہ ؓ کی بیماری مرگ کی وجہ جنگ میں شریک نہ ہوسکے۔ بی بی رقیہ ؓ کے وصال کے بعد آپؓ بہت غم زدہ رہا کرتے تو حضورﷺ نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے حضرت عثمانؓ کا نکاح کردیا۔ غزوۂ بدر کے بعد تمام غزوات میں حضرت عثمان بن عفانؓ شریک رہے۔ سن 6ھ میں حدیبیہ کے مقام پر بیعت رضوان میں آپؓ شریک نہ ہوسکے کیونکہ آپؓ کو حضورﷺ نے سفیر کے طور پر مکہ روانہ فرمایا تھا کہ مشرکین سے مصالحت کریں۔ کفار نے انہیں روک لیا مگر کسی نے افواہ اڑائی کے حضرت عثمانؓ قتل کردیئے گئے ہیں۔ اُس پر حضورﷺ صحابہ سے جو تعداد میں (1400) تھے بیعتِ رضوان لیا کہ حضرت عثمانؓ کے خون کے انتقام کے لئے آخردم تک جنگ کریں گے۔ حضرت عثمانؓ کی غیر حاضری میں حضورﷺ نے خود اپنے دست مبارک پر عثمانؓ کی طرف سے بیعت لی۔ جب یہ خبر مشرکین کو پہنچی تو خائف ہوکر حضرت عثمانؓ کو واپس لوٹا دیا۔ اور مصالحت کرلی۔

سن 9ھ میں غزوۂ تبوک کی تیاری کے لئے فوجی ساز وسامان کی ضرورت پیش آئی تو حضرت عثمان بن عفانؓ نے فوج کے جملہ اخراجات کا ایک تہائی حصہ تنہا اپنے ذمہ لیا۔ اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ‘ 70 گھوڑے اور ساز وسامان کے لئے ایک ہزار دینار پیشِ خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئے تو

آپ ﷺ بڑی مسرت سے ارشاد فرمائے ''ما ضر عثمان ما عمل بعد هٰذا اليوم'' یعنی ''آج کے بعد عثمانؓ کا کوئی کام ان کو نقصان نہیں پہنچائے گا''۔

خلافت عثمان غنیؓ:۔ 23ھ کے آخر ماہ میں حضرت عمر بن خطابؓ خلیفہ دوم کے مرض الموت میں لوگوں کے اصرار پر حضرت عمرؓ نے خلافت کے لئے جانشین کے انتخاب کے لئے چھ اکابر صحابہ کے نام پیش کئے اور فرمایا کہ ''اِن میں سے کسی کو منتخب کرلیں اور یہ کام تین دن کے اندر ہو جانا چاہیئے''۔ اُن اصحاب کرام کے نام یہ ہیں!

حضرت علیؓ ، حضرت عثمانؓ ، حضرت زبیرؓ ، حضرت طلحہؓ ، حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ۔ (ابن سعد تذکرہ)

حضرت عمر بن خطابؓ کے وصال کے تیسرے دن حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کی رائے کے مطابق اُن چھ اصحاب کرام کو تین اصحاب تک محدود کر دیا گیا۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کی نسبت رائے دی اور حضرت سعدؓ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کا نام لیا اور حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کو پیش کیا اور خود اُن کے حق میں دست بردار ہوگئے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے بھی فرمایا ''میں اپنے حق سے باز آتا ہوں''۔ اور حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے خواہش کی کہ ''آپ حضرات اپنا فیصلہ میرے ہاتھ میں دے دیں''۔ رضامندی کے اظہار پر حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے صحابہ کے مجموعہ کے سامنے مختصر مگر موثر تقریر کی اور حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اس پر تمام صحابہؓ نے بھی حضرت عثمانؓ کو خلیفہ سوم تسلیم کرتے ہوئے بیعت کرلی۔ یہ دوشنبہ کا دن محرم 24ھ تھا۔ (ابن سعد)

فتوحاتِ خلافتِ عثمانی:۔

سن 26ھ میں افریقہ جس کو آج الجزائر اور مراکش کہا جاتا ہے فتح ہوگیا۔ 33ھ میں جزیرہ قبرص جو آج سائپرس کہلاتا ہے فتح ہوگیا۔ ایران میں جرجان، خراسان، اور طبرستان پر فتح حاصل ہوئی اور قیصرِ روم کو زیر کرلیا گیا۔ آرمینیہ بھی اسلامی ممالک میں شامل ہوگیا۔ عہد عثمانؓ میں اسلامی سلطنت کے حدود نہایت وسیع تر ہوگئے۔ الحمد للہ۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے پہلے (6) سال کامل امن و امان سے گزرے۔ فتوحات کی وسعت، مالِ غنیمت کی فراوانی، وظائف کی زیادتی، زراعت وتجارت کی ترقی اور حکوت کے عمدہ نظم ونسق نے لوگوں کو دنیاداری، عیش وآرام کی طرف مائل کرنا شروع کر دیا اور پھر رشک وحسد کا دور شروع ہوگیا۔ حالات

اتنے خراب ہونے لگے کہ اشرار اور بدعتیوں اور فسادیوں نے سر اٹھایا اور حضرت عثمانؓ کے خلاف سازشیں ہونے لگیں ۔ مدینہ بھی مفسدوں سے خالی نہ تھا مگر صحابہ کرامؓ حضرت عثمانؓ کے ساتھ تھے لیکن اُس جماعتِ صحابہؓ کا کوئی اثر نہ ہوتا نظر آتا تھا۔ بہرحال حضور پُرنُور رحمتِ عالم سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پوری ہوئی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہادت کے وقت تلاوت فرمارہے تھے جمعہ کا دن تھا بوقت عصر سن 35ھ میں آپؓ مفسدوں کے ہاتھ شہید ہوئے۔

حکومت کا نظم و نسق :۔

حضرت عمر فاروقؓ نے ملکی نظم ونسق کا جو دستور العمل (Constitution) مرتب کیا تھا' حضرت عثمان غنیؓ نے اس کو باقی رکھا اور مختلف شعبوں کے جس قدر محکمے قائم ہو چکے تھے اُن کو مزید مستحکم کر کے ترقی دی۔ یہی وجہ تھی کہ ملکی محاصل (آمدنی) میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا تھا۔

فضل و کمال:۔

حضرت عثمانؓ کو تحریر و کتابت کی مہارت کی بناء پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتب وحی کی ذمہ داری پر معمور فرمایا تھا۔ آپؓ قرآن شریف کے حافظ بھی ہیں۔ آپؓ کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ آپؓ نے قرآن مجید کو اختلاف وتحریف (Misinterpritation) سے محفوظ فرمایا اور قرآن کی اشاعت کو عام کیا۔ آپؓ حدیث کی روایت میں سخت احتیاط سے کام لیتے تھے۔

فقہ و اجتہاد:۔

حضرت عثمان بن عفانؓ شرعی اور مذہبی مسائل میں ''مجتہد'' کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خصوصاً حج کے ارکان اور مسائل میں آپؓ کا پایہ بہت بلند تھا۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے خلافت کے دور میں حضرت عثمانؓ سے پیچیدہ مسائل کے فتوے پوچھے جاتے تھے۔

حضرت عثمان غنیؓ کے اجتہاد اور بصیرت ہی پر مبنی ، مقتول کا اگر کوئی وارث نہ ہو تو حاکم اس کا ولی ہوتا ہے۔ آپؓ عورت مطلقہ کو جس کو طلاق بائین دی گئی ہو حالتِ عدت میں وارث قرار دیتے تھے۔ (مسند شافعی)

حضرت عثمانؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ نے مل کر اپنی مجتہدانہ قوت و بصیرت سے قرآن میں ذوی الفرائض اور بعض عصبات (عام تقسیمِ ترکہ) کے ذکر کو بنیاد بنا کر موجودہ علم الفرائض کی عمارت قائم کی۔ یہ دونوں اصحابِ رسول اُس فن کے امام سمجھے جاتے ہیں۔ (کنز العمال)

حب رسول ﷺ و احترامِ رسول ﷺ :۔

حضرت عثمانؓ نہایت عفیف پارسا، دیانتدار اور راست باز تھے۔حیا اور رحم دلی آپؓ کی خاص شان تھی۔آپؓ زمانۂ جہالیت میں بھی شراب سے دور رہے۔کذب، فسق و فجور سے آپؓ کا دامن کبھی آلودہ نہیں ہوا۔حضرت عثمانؓ خوفِ خداوندی سے اکثر آبدیدہ رہتے کوئی جنازہ دیکھتے تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے۔مقبروں اور قبروں سے گزرتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی مبارک تر ہو جاتی اور فرماتے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے اگر یہ معاملہ آسانی سے طے ہو گیا تو پھر تمام منزلیں آسان ہیں''۔آپؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت و شیفتگی تھی اور ادب و احترام اس قدر تھا کہ جس ہاتھ سے حضور ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی اس کو نجاست یا محل نجاست سے مَس نہ ہونے دیا۔آپؓ میں شرم و حیا کا امتیازی وصف تھا۔چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا ''عثمانؓ کی حیا سے فرشتے بھی شرماتے ہیں''۔تواضع و انکساری کا یہ عالم تھا کہ مکان میں بہت سے غلام ہونے کے باوجود اپنا کام آپؓ خود کر لیتے۔رات بھر عبادت میں گزارتے اور دن کو خلافت کے فرائض انجام دیتے تھے۔

قرآن کی تمام سورتیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں متفرق طور سے لکھی گئی تھیں اُن کو ایک جگہ مصحف (کتاب) کی صورت میں تو حضرت صدیق اکبرؓ کے دورِ خلافت میں جمع کیا گیا لیکن اُس مصحفِ قرآن کی اشاعت کا کام حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں طے پایا۔یہی وجہ ہے کہ آپؓ کو جامع القرآن کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

35ھ کی ابتداء میں جب آپؓ کی عمر 88 سال ہوئی تو چند باغیوں نے آپؓ کو شہید کر دیا۔

شمائل مبارک :۔

آپؓ نہایت خوش رو اور خوبصورت تھے۔رنگ گندم گوں، داڑھی مبارک گھنی، سر کے بال گھنے کانوں تک، بالوں میں قضاب لگاتے، دانت پیوستہ اور چمکدار تھے۔

4- امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (قبل 10 نبوی40ھ)

سوال: 89 :۔ امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی بحیثیت فقیہ اور آپؓ کے فضائل کے بارے میں جامع تذکرہ کیجئے ؟

جواب:۔ نام و نسب

آپؓ کا اسم گرامی **علیؓ** کنیت **ابوالحسن اور ابوتراب**، لقب **حیدر و اسد اللہ** (اللہ کا شیر) ہے۔ والد ماجد کا نام حضرت ابو طالب بن عبد المطلب اور والدہ محترمہ کا نام فاطمہ ہے۔ سلسلہ نسب علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن مناف بن قصی بن کلاب۔ آپؓ نجیب الطرفین ہاشمی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا زاد بھائی ہیں۔

خاندانِ ہاشمی کو عرب کے قبیلہ قریش میں وقعت وعظمت حاصل تھی' خانۂ کعبہ کی خدمت اور اُس کا اہتمام بنو ہاشم کو ہی حاصل تھا۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کے والد حضرت ابو طالب مکہ کے ذی اثر بزرگ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبد اللہ اور دادا حضرت عبد المطلب کے گزر جانے کے بعد چچا حضرت ابو طالب نے حضورﷺ کی بڑی شفقت کے ساتھ پرورش فرمائی۔ حضورﷺ کی بعثت کے بعد حضرت ابو طالب سردارانِ قریش کے مظالم میں ہمیشہ آپﷺ کے لئے سینہ سپر رہے۔ حضرت ابو طالب کے آخری وقت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت اصرار کے ساتھ دعوتِ کلمہ توحید کے جواب میں انہوں نے کہا ''عزیز بھتیجے! اگر مجھے قریش کی طعنہ زنی کا خوف نہ ہوتا تو خوشی سے تمہاری دعوتِ اسلام قبول کر لیتا''۔

''سیرتِ ابن ہشام'' میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نزع کی حالت میں کلمہ توحید حضرت ابو طالب کی زبان پر تھا۔ بہر حال حضرت ابو طالب نے جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و تائید میں پوری زندگی گزار دی اسلام کی تاریخ میں اُن کا نام بڑی احسان مندی کے ساتھ لیا جائے گا۔
(سیرتِ ابن ہشام)

حضرت علیؓ کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد مشرف بہ اسلام ہوئیں اور مدینہ ہجرت بھی کیں۔ حضرت فاطمہؓ بنت اسد کے انتقال پر حضورﷺ نے اپنی قمیض مبارک ان کے کفن کے لئے دی اور قبر میں لیٹ کر متبرک فرمایا۔ اور لوگوں کے دریافت کرنے پر فرمایا ''ابو طالب کے بعد اِس نیک خاتون کا ممنونِ احسان ہوں۔'' حضرت ابو طالب کے انتقال کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی

کفالت اپنے ذمہ لے لی۔حضورﷺ کی بعثت کے وقت حضرت علیؓ کی عمر مبارک (10) دس برس کی تھی۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے حضورﷺ کی دعوتِ اسلام کو قبول فرمایا اوراس طرح آ پکولڑکوں میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہونے کا بھی اعجاز حاصل ہوا۔

4- حضرت علیؓ کی عدیم المثال جانثاری:

مشرکین مکہ کے ظلم وستم کی انتہا یہ کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نعوذ باللہ قاتلانہ حملہ کردینے کی غرض سے آپﷺ کے مکان کو گھیر لیا اور رات بھر یہ محاصرہ قائم رہا۔اس خطرہ کی حالت میں حضورﷺ کی نصیحت کی پیروی میں حضرت علی مرتضیٰؓ آپﷺ کے بستر پر بڑے سکون کے ساتھ لیٹے رہے۔اُس وقت حضرت علیؓ کی عمر مبارک بائیس یا تیئیس (22 یا 23) سال تھی۔صبح ہوتے ہی مشرکین اپنے ناپاک ارادہ کی تکمیل کے لئے اندر آئے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ حضورﷺ کی جگہ آپﷺ کے جانثار حضرت علیؓ اپنے آقا پر قربان ہونے کے لئے سر بکف ہیں۔مشرکین اپنی غفلت پر خود برہم ہوئے اور حضرت علیؓ کو چھوڑ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جستجو میں نکل پڑے۔حضرت علیؓ نے حضورﷺ کی نصیحت کے مطابق تمام لوگوں کی امانتیں لوٹا کر تین دن کے اندر ہی مدینہ ہجرت کے لئے روانہ ہوئے۔اور مدینہ پہنچ کر حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مکان میں حضورﷺ کے ساتھ (ما شا اللہ) مہمان ہوئے۔ حضورﷺ نے جب انصار اور مہاجرین میں برادری قائم کی تو حضرت علیؓ کو اپنا دینی بھائی بنالیا۔

(ابن سعد تذکرہ علیؓ)

سن 2ھ میں سرور کائینات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لختِ جگر صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا اور حضرت علیؓ کو دامادی کا شرف بخشا۔جہیز میں حضرت سیدہ فاطمہؓ کو جو سامان ملا وہ صرف ایک بستر، ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشکیزہ (پانی کا برتن) تھا اور یہی چیزیں زندگی بھر آپؓ کے ساتھ رہیں اُس میں کوئی اضافہ نہ ہوسکا۔حضرت علیؓ کے ولیمہ کی دعوت نہایت فقیرانہ اور زاہدانہ ہوئی۔دعوت میں کھجور، جو کی روٹی، پنیر اور ایک خاص قسم کا شوربہ تھا۔حضرت اسماؓ فرماتی ہیں کہ یہ اُس زمانہ کا بہتر ولیمہ تھا۔ (زرقانی)

غزوات (اسلامی جنگیں)

حضرت علی کرم اللہ وجہہؓ تمام غزوات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو بنے رہے سوائے غزوۃ تبوک کے جب کے آپؓ کو مدینہ میں حفاظت کی غرض سے آپﷺ کا قائم مقام مقرر

فرمایا تھا۔ اُس موقع پر حضورﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا ''کیا تم اسے پسند نہیں کرو گے کہ میرے نزدیک تمہارا وہ مرتبہ ہو جو ہارونؑ کا موسیٰ ؑ کے نزدیک تھا''۔ غزوات میں حضرت علیؓ بڑے عظیم کارنامے انجام دئے۔ غزوۂ بدر میں اپنے حریف ولید کو جہنم رسید کیا۔ غزوۂ اُحد میں مشرکین کے علمبردار کو مار گرایا' غزوۂ خیبر میں سرکار دو عالمﷺ نے فرمایا ''کل ایک ایسے بہادر شخص کو علم (Flag) دوں گا جو خدا اور رسول کا محبوب ہے اور اُس کو خدا اور رسول محبوب ہیں۔ پھر دوسرے دن صبح کو حضرت علیؓ کو بلا کر علم مرحمت فرمایا اور حضرت علیؓ نے یہودیوں کے بہادر اور معزز سردار ''مرحب'' کا کام تمام کر دیا اور خیبر کے قلعہ کا دروازہ اکھاڑ کر مسلمانوں کو فتح دلوائی۔ یہ دروازہ' کہا جاتا ہے کہ 40 آدمیوں سے بھی نہیں اُٹھ سکتا تھا۔

سن 10ھ میں حضور علیہ السلام نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو یمن کی اہم مہم پر اشاعتِ اسلام کے لئے روانہ فرمایا اور حضرت علیؓ کے سینہ پر دستِ مبارک رکھ کر دعا فرمائی کہ ''اے خدا اِس کی زبان کو راست گو بنا اور اس کے دل کو نور سے منور کر دے''۔ پھر آپؐ کے سر پر عمامہ باندھا اور سیاہ علم (Flag) دیکر یمن کی طرف روانہ فرمایا۔ یمن میں لوگ حضرت علیؓ کی چند روز اشاعت' تعلیم وتلقین سے اسلام کے شیدائی ہو گئے اور قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیا۔ (فتح الباری)

ماہ ربیع الاول 11ھ میں حضور رحمت عالم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاںنثاروں کو اپنی مفارقت (وصال) کا داغ دیا۔ حضرت علیؓ نے خاندان کے سب سے قریب ترین عزیز اور رکن خاندان کی حیثیت سے غسل مبارک اور تجہیز وتکفین کے تمام مراسم انجام دئے۔ چھ ماہ تک حضرت فاطمہ زہرہؓ کی سوگوار زندگی نے حضرت علیؓ کو خانہ نشین بنا دیا اور حضرت فاطمہؓ کے وصال کے بعد خلیفۂ اول حضرت صدیق اکبرؓ کے فضل کا اعتراف کر کے اُن کی بیعت کر لی۔ اس طرح حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ خلافت پر معمور ہوئے حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر سن کر حضرت علیؓ کو نہایت صدمہ ہوا۔ شہادت کے تین دن تک مسندِ خلافت خالی رہی اور حضرت علیؓ کو خلافت قبول کرنے کے لئے سخت اصرار ہوتا رہا۔ بالآخر مہاجرین اور انصار کے اصرار پر مجبوراً خلافت کی ذمہ داری قبول فرمائی اور 21 ر ذی الحجہ دوشنبہ کو مسجد نبویؐ میں سب نے حضرت علی مرتضیٰؓ کے دستِ مبارک پر بیعت کی، سوائے حضرت امیر معاویہؓ جو اُس وقت (ملکِ شام کے عامل) تھے حضرت امیر معاویہ کی مخالفت کی بناء پر حالات قابو سے باہر ہوتے گئے اور بالآخر جنگِ جمل کے بعد حضرت علیؓ نے مدینہ مصلحتاً چھوڑ کر کوفہ (عراق) میں مستقل اقامت اختیار فرمالی۔

حضرت علیؓ کی تمام کوششیں حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ مصالحت کی کارگر نہ ہوئیں بالآخر دومتہ الجندل (عراق اور شام کے درمیان) میں اپنے اپنے حَکم (Arbitrator) کے ساتھ تحکیم (فیصلہ) کا نتیجہ بھی ناخوشگوار ثابت ہوا اور آپؓ کوفہ واپس تشریف لائے۔ اُدھر اہلِ خوارج نے مسئلہ تحکیم کو بہانہ بنا کر جیسا کہ اُن کے عقیدہ کے مطابق ''حَکم'' بنانا کفر ہے، حضرت علیؓ، حضرت امیر معاویہؓ اور عمر بن العاصؓ کے قتل کی سازشیں کرنے لگے۔ تین خارجی اشخاص کو اُن تینوں بزرگوں کے قتل کے لئے روانہ کیا جن میں عبد الرحمٰن بن ملجم حضرت علیؓ کے قتل کے لئے مامور کیا گیا۔ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمر بن العاصؓ اتفاقی طور پر بچ گئے مگر حضرت علی مرتضیٰؓ بحالتِ نمازِ فجر عبدالرحمٰن بن ملجم کے حملہ میں شدید زخمی ہوگئے اور 20/ رمضان 40ھ جمعہ کی رات فضل وکمال اور رشد وہدایت کا یہ آفتاب غروب ہوگیا۔

مذہبی خدمات:

مسندِ خلافت سنبھالتے ہی حضرت علیؓ کو آخر وقت تک خانہ جنگیوں نے فرصت نہ لینے دیا۔ خارجیوں کی سرکوبی اور ایران وآرمینیہ میں بعض نومسلم عیسائی مُرتد ہوگئے یعنی اسلام سے پھر گئے تھے، اُن کی سختی کے ساتھ سرکوبی میں کامیابی حاصل کی اور اُن کے اکثر دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔

آپؓ نے مجرموں کو جرم کی نوعیت کے لحاظ سے سزائیں تجویز کیں جو اس سے پہلے اسلام میں رائج نہ تھیں۔ مثلاً شراب نوشی کی سزا میں 80 کوڑے مارنا' آپؓ ہی کے ''اجتہاد اور بصیرت'' کی مثال ہیں۔ آپؓ کے دورِ خلافت میں دس درہم سے کم کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ تھا۔ اور مجرم نشہ کی حالت میں ہو تو نشہ اترنے کا انتظار کیا جاتا تھا' عورتیں ناجائز حمل سے حاملہ ہوتیں تو ان پر حدِ سزا جاری کرنے کے لئے وضعِ حمل کا انتظار کیا جاتا تھا' قیدیوں کو بیت المال سے کھانا دیا جاتا۔

علوم قرآن و حدیث:

حضرت علیؓ کا شمار مفسرین کے اعلیٰ طبقہ میں ہوتا ہے۔ چنانچہ مفسرین حضرت ابن جریرؒ، ابن ابی حاتمؒ، ابن کثیر کی تفاسیر میں بکثرت آپؓ کی روایات سے آیات کی تفسیر منقول ہیں۔ آپؓ قرآن مجید کے حافظ، اسلامی کے علوم و معارف کے سرچشمۂ ہیں۔ حضرت علیؓ نے اپنے بچپن سے حضور ﷺ کے وصال تک تیس (30) سال حضور ﷺ کی راست نگرانی اور صحبتِ بابرکت سے فیض حاصل فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد صحابہؓ میں اسلام کے احکامِ فرائض اور روایت کے سب سے بڑے عالم رہے ہیں۔

فقہ و اجتہاد :

حضرت علیؓ کو فقہ و اجتہاد میں کامل دسترس حاصل تھا۔جلیل القدر صحابہؓ جیسے حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کو اکثر حضرت علیؓ کے فضل و کمال کا ممنون ہونا پڑتا تھا۔حضرت علیؓ کو کتاب و سنت کے عِلم کے ساتھ سرعتِ فہم یعنی فراست (نور)' دقیقہ سنجی (باریک بینی) قوتِ تاویل و بصیرت' اجتہاد جیسے کمالاتِ خداداد حاصل تھے۔جس کا اندازہ اِس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہؓ نے لکھ کر دریافت کیا کہ خنثیٰ شکل (نامرد شخص) کی وراثت کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ یعنی وہ مرد قرار دیا جائے یا عورت آپؓ نے فرمایا''خدا کا شکر ہے کہ ہمارے حریف بھی علم دین میں ہمارے محتاج ہیں''۔پھر جواب دیا کہ''پیشاب گاہ سے اندازہ کرنا چاہئے کہ وہ مَرد ہے یا عورت''۔

حضرت علیؓ اپنے علم و کمال کی بناء پر متعدد مسائل میں تمام صحابہؓ سے مختلف رائے رکھتے تھے۔آپؓ تمام عمر مدینہ میں رہے لیکن آپؓ کی خلافت کا زمانہ زیادہ تر کوفہ (عراق) میں گزرا۔اِس لئے آپؓ سے مسائل اور اجتہادات کی زیادہ تر اشاعت عراق میں ہوئی۔یہی وجہ ہے فقۂ حنفی کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بعد حضرت علیؓ کے ارشادات و فیصلوں پر ہے۔

حضرت علیؓ کی متضاد فیصلوں کی صلاحیت اور موزونیت کے تعلق سے حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے '' اقضانا علی ''، یعنی ہم میں مقدمات کے فیصلوں کے لئے سب سے موزوں علیؓ ہیں۔

(طبقات ابن سعد)

حضرت علیؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیضِ ترجمان سے پہلے ہی'' قضاھم علی '' فضیلت مل چکی تھی۔آپ ﷺ اکثر قضاء کی خدمت حضرت علیؓ کے سپرد فرمایا کرتے تھے ساتھ ہی علمِ اصول بھی تعلیم فرمایا کرتے تھے مثلاً دو آدمیوں کے جھگڑے کی صورت میں صرف ایک کا بیان سن کر فیصلہ مت کرنا، مقدمات میں علمِ یقین کے لئے اہل مقدمہ اور گواہوں سے جرح اور اُن سے سوالات کرنا وغیرہ۔چنانچہ ایک دفعہ ایک عورت نے حضرت علیؓ کی عدالت میں اقبالِ زنا کیا تو آپؓ نے اس سے پے در پے سوالات کئے۔جب اُس نے آخر تک اپنے بیان پر قائم رہی تو آپؓ نے سزا کا حُکم فرمایا۔

آپؓ یمن کے قاضی مقرر کئے گئے تھے وہاں پر اکثر لوگ نو مسلم تھے جنھیں پرانی باتیں ابھی یاد تھیں۔ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا۔جس سے ایک ماہ میں تین مَردوں نے خلوت کی تھی۔لڑکا پیدا ہوا تو

نزاع ہوا کہ یہ لڑکا کس کا قرار دیا جائے یعنی اس کا باپ کون ہوگا۔ حضرت علیؓ نے فیصلہ کیا کہ اس لڑکے کی دیت (خون بہا کی رقم) کے تین حصے کئے پھر قرعہ (Lottery) ڈالا جس کا نام نکلا لڑکا اس کے حوالہ کیا۔ اور بقیہ دونوں کو دیت کے تین حصوں میں سے دو حصے اُس سے لے کر دلوائے۔ گویا آپؓ نے غلام کے مسئلہ پر اِس مسئلہ کو ''قیاس'' کیا۔ حضورﷺ نے جب یہ فیصلہ سنا تو تبسم فرمایا۔

بعض لغو مقدمہ بھی پیش ہوتے تو آپؓ زندہ دلی کا ثبوت دیتے تھے۔ ایک شخص نے ایک شخص کو یہ کہکر پیش کیا کہ اُس نے خواب میں یہ دیکھا کہ اِس نے میری ماں کی آبروریزی کی ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ ملزم کو دھوپ میں لے جا کر کھڑا کرو اور اس کے سایہ کو 100 کوڑے مارو۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کے فیصلے قانون کے نظائر (کی حیثیت رکھتے ہیں)۔ اس لئے اہل علم نے اُن کو تحریری صورت میں مدون (Compiled) کرلیا۔ لیکن اُس عہد میں فرقہ آرائی شروع ہو چکی تھی اس لئے تحریف (Misinterpretation) کا احتمال بھی پیدا ہو گیا تھا۔ حضرت علی مرتضیٰؓ کے اقوال صحیح بخاری کی تعلیمات میں ہیں کہ آپؓ نے فرمایا! ''لوگوں سے وہی بات کہو جو سمجھ سکتے ہوں۔ کیا تم یہ پسند کرو گے کہ خدا یا خدا کا رسول ﷺ جھٹلایا جائے''۔

آپؓ کا یہ قول مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ آپؓ نے فرمایا!

''جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کرو تو اُس کے معنی وہ سمجھو جو زیادہ قرینِ ہدایت' زیادہ پرہیزگارانہ اور زیادہ بہتر ہو۔''

یہ قول سنن ابوداؤد میں ہے کہ آپؓ نے فرمایا!

''اگر دینی مسائل کا انحصار محض (صرف) رائے پر ہوتا تو تلوے (پاؤں کا نچلہ حصہ) پاؤں کے اوپر کے حصے سے زیادہ ''مسح'' کے مستحق ہوتے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کی پشت پر مسح فرمایا۔''

واضح ہو کہ موزوں پر مسح کرنا سنت ہے۔ لیکن نیچے تلوؤں پر نہیں بلکہ اوپر پاؤں پر کیا جاتا ہے۔'' یعنی احکام الٰہی کے مصالح کی تعین میں محض ظاہری عقل ورائے کو دخل نہیں ہے۔

اخلاق و عادات:

حضرت علیؓ کی ذاتِ گرامی زہد فی الدنیا کا نمونہ تھی۔ آپؓ کے کاشانۂ فقر میں دنیاوی شان وشکوہ کا گزر نہ تھا۔ ایامِ خلافت میں بھی زہد کا دامن نہ چھوڑا۔ آپؓ اگرچہ دنیوی دولت سے دُور رہتے مگر دل غنی

رہتا' کبھی کوئی سائل آپؓ کے دَر سے محروم نہیں گیا۔تواضع و سادگی آپؓ کی دستارِفضیلت کا سب سے خوشنما طرہ ہوا کرتا۔محنت ومزدوری کرنے سے عار نہ فرماتے۔مزاج میں بے تکلفی اتنی کہ خاک پرسو جاتے جب حضورﷺ نے دیکھا تو یہ سادگی پسند فرمائی اور محبت آمیز لہجہ میں فرمایا'' اجلس یا ابا تراب ''یعنی مٹی والے (علیؓ) اُٹھ بیٹھ''۔ (صحیح بخاری)

شجاعت و بسالت حضرت علیؓ کا مخصوص وصف تھا ہے۔اہم غزوات میں آپؓ نے اپنی شجاعت کے جواہر دکھائے ہیں۔

شمائلِ مبارک :

حضرت علیؓ کا قد میانہ، رنگ گندم گوں، آنکھیں بڑی بڑی، چہرۂ مبارک پُر رونق وخوبصورت، سینہ چوڑا اوراس پر بال سر میں بال بہت کم۔

آپؓ کی زوجہ حضرت سیدۃ النساء فاطمہؓ کے بطن سے حضرت حسنؓ،حضرت حسینؓ اورحضرت محسنؓ پیدا ہوئے۔حضرت محسنؓ کا بچپن میں انتقال ہوگیا۔اورلڑکیوں میں بی بی زینب کبریٰؓ اور بی بی اُم کلثوم کبریٰؓ پیدا ہوئیں۔

حضرت فاطمہ زہرہؓ کے وصال کے بعد آپؓ نے اوربھی شادیاں کیں۔ان سے بھی اولاد ہوئیں۔ غرض حضرت علیؓ کے سترہ(17) لڑکیاں اور چودہ(14) لڑکے تھے۔اُن میں سے چار سے سلسلہ نسب جاری رہا۔اُن کے نام یہ ہیں۔حضرت امام حسنؓ،حضرت امام حسینؓ ،حضرت محمد بن حنیفہؒ،حضرت عمرؒ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرت علیؓ،حضرت فاطمہؓ،حضرت امام حسنؓ اورحضرت امام حسینؓ اہلِ بیت اطہار سے ہیں۔حضورﷺ کے اقوال سے حضرت علیؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔جیسے حضورﷺ نے فرمایا!''میں عِلم کا شہر ہوں اورحضرت علیؓ اس کا دروازہ ہیں''۔''میں علیؓ سے ہوں علیؓ مجھ سے''۔''میں جس کا مولا ہوں علیؓ اُس کے مولا ہیں''۔وغیرہ۔

5-اُم المؤمنین حضرت عائشه صدیقه رضی الله عنها (4نبوی-58ھ)

سوال :90:۔ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ذاتِ گرامی اورعلم وفضل اورخدمتِ قرآن وحدیث وفقہ کے بارے میں واضح بیان کیجئے ؟

جواب :۔اسمِ مبارک **عائشہ**،کنیت **ام عبداللہ** اورلقب **صدیقہؓ** ہے۔آپؓ کے والدِ ماجد حضرت ابوبکر

صدیقؓ ہیں اور والدہ محترمہ اُم رومانؓ ہیں جو عامر بن عویم کی اکلوتی بیٹی تھیں ۔حضرت ابوبکر صدیقؓ اہلِ سنت کے عقیدہ کے مطابق انبیاء کرام کے بعد سب سے بہترین بشر ہیں ۔آپؓ کا سلسلہ نسب چھٹی پشت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے ۔اس طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے والد کی طرف سے قریشیہ اور والدہ کی طرف سے کنانہ تھیں ۔حضرت عائشہؓ کی ولادت ہجرتِ مدینہ سے تقریباً نو (9) برس پہلے ہوئی ۔حضرت عائشہؓ کو بچپن سے ہی اسلامی ماحول ملا کیونکہ آپؓ کے والد حضرت ابوبکرؓ اور والدہ رومانؓ ایک کے بعد دیگر مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے ۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ ابتدا ہی سے ذہانت وفراست ،استقلال اور ثابت قدمی اور دانش مندی اور سلیقہ شعاری کی حامل تھیں ۔والدین نے ان کی تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی ۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نکاح:۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت بی بی خدیجہ الکبریٰؓ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد حضرت بی بی عائشہ صدیقہؓ آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں ۔اُس وقت آپؓ کی عمر چھ (6) برس کی تھی اس لئے رخصتی نہیں ہوئی ۔ہجرت مدینہ کے ایک سال بعد جب عمر نو (9) برس کی ہوئی تو حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہوئی ۔صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں! ''وداع (رخصتی) کے وقت میرے ساتھ گڑیاں بھی تھیں ۔میرا نکاح عید کے دن ہوا' میرے نکاح میں کوئی اونٹ یا دُنبہ ذبح نہ کیا گیا بلکہ ایک دودھ کا پیالہ تھا جو حضرت سعد بن عبادہ نے بھیجا۔ (صحیح مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ جب رسول کریم ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ ﷺ کو عورتوں میں سب سے زیادہ عزیز کون ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ''عائشہؓ ''اور پوچھا گیا کے مَردوں میں، تو فرمایا ''عائشہؓ '' کے والد یعنی حضرت صدیق اکبرؓ۔

سرورِ دو عالم ﷺ کو حضرت عائشہؓ کی دل جوئی کا اتنا خیال تھا کہ ایک دفعہ عید کے موقع پر کچھ حبشی لڑکے مسجد نبوی کے صحن میں رقص (ہتھیار کے ساتھ تماشہ) کر رہے تھے ۔آپ ﷺ نے بی بی عائشہؓ سے کہا ''کیا تم دیکھنا چاہتی ہو'' ۔جواب دیا ''ہاں'' فرمایا ''آؤ میری پیٹھ پیچھے کھڑی ہو جاؤ'' ۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ''میں جب تک دیکھتی رہی حضور ﷺ اُسی طرح کھڑے رہے'' ۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس قدر محبت کے باوجود حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کا ادب ہمیشہ

ملحوظ رکھتی تھیں۔کم سنی کے باوجود حضرت عائشہؓ فطرتاً فراست و دانش مندی، خلوص، اطمینانِ تقدیرؔ معاملہ فہمی، گفتگو میں فصیح و بلیغ ہونے کے علاوہ اس قدر شیریں بیاں تھیں کہ حضورﷺ غور سے اُن کی باتیں سنتے اور خوش ہوتے تھے۔آپؓ کی فضیلت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ''عائشہؓ کو سب عورتوں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسے ''ثرید'' کوسب کھانوں پر''۔(ثرید عربی کھانا ہے، گوشت کے شوربہ میں روٹی چُورکرکھاتے اور بہت پسند کرتے ہیں)۔نبی کریمﷺ کے وصال مبارک کے وقت آپؓ کی عمر(18) برس تھی۔اس طرح آپؓ نو(9) برس رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی خدمت میں رہیں۔اس قلیل مدت میں اتنا کچھ حاصل کرلیا کہ بعد رحلتِ رسولﷺ، صحابہؓ اور خلفائے راشدینؓ جب کسی مسئلہ میں اُلجھ جاتے تو حضرت عائشہؓ سے دریافت فرماتے اور مطمئن ہوتے۔

علم و فضل:۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علم وفضل کے اکابر علماء بھی قائل ہیں۔چنانچہ ایک بڑے تابعی حضرت عُروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں''میں نے کسی کو بھی قرآن کے معانی اور حلال وحرام کے احکام، عرب کے اشعار اور انساب(Genealogy) یعنی قبائلی تاریخ کے علم میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کرنہیں پایا''۔حضرت عائشہؓ نے کثیر احادیث روایت فرمائیں۔یہ مسلمانوں پر آپؓ کا بڑا احسان ہے۔

آپؓ میں سخاوت کی صفت بے نظیر تھی، چنانچہ آپؓ نے ایک مرتبہ صرف ایک دن میں ستر ہزار (70,000) درہم (عربی سکہ کا نام) راہِ خدا میں صَرف کردیئے اور خوداُن کے جسم پر پیوند لگا ہوا کُرتا (قمیص) تھا۔

ایک اور موقعہ پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے آپؓ کی خدمت میں ایک لاکھ درہم پیش کئے، آپؓ نے تمام درہم اُسی روز خدا کی راہ میں خیرات کردیئے۔اُس روز آپؓ روزہ(Fast) سے تھیں۔شام کولونڈی نے سوکھی روٹی سامنے پیش کی اور کہا کہ اگر سالن کے لئے کچھ بچالیا جاتا تو میں سالن تیار کرلیتی۔آپؓ نے فرمایا!''مجھے تو خیال نہ آیا تو نے یاد دلایا ہوتا''۔

حضرت عائشہؓ، حضورﷺ کے ساتھ کئی لڑائیوں (غزوات) میں شریک رہیں۔چنانچہ غزوۂ اُحد میں حضرت عائشہؓ اپنے کندھوں پر پانی کا مشک اُٹھائے ہوئے زخمیوں کے منہ پر پانی ٹپکاتی جاتی تھیں۔

حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ''جنت کے دروازہ کوکھٹکھٹاؤ، کھولا جائے گا''لوگوں نے دریافت کیا کہ کیونکر کھٹکھٹائیں! فرمایا''بھوک اور پیاس کی برداشت سے'' ایک دفعہ ایک شخص نے سوال کیا ''میں

اپنے آپ کو نیک کب سمجھوں''۔فرمایا'' جب تجھے اپنے برے ہونے کا خیال ہو جائے''۔اُس نے کہا ''اپنے کو بُرا کب سمجھوں''، فرمایا'' جب تجھے اپنے نیک ہونے کا خیال ہو جائے''۔

فقہ و اجتہاد :

حضرت عائشہ صدیقہؓ اکابر فقیہ میں شمار ہوتی تھیں۔اس لئے جو رائے کسی معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوا کرتی تھی اُسے اُسی طرح نہایت صفائی سے ادا کر دیتی تھیں۔ یہ اُن کی قابلیتِ خداداد تھی کہ کبھی آپؓ سے اِس معاملہ میں غلطی نہیں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ حضورﷺ کے بعد خلفائے راشدین جب کبھی کسی معاملہ میں الجھتے تو ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی طرف رجوع کرتے تھے۔علمِ فرائض اور مسائل مرائب پر حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اس قدر عبور حاصل تھا کہ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ نے بارہا آپؓ سے اُن مسائل میں اعانت چاہی تو آپؓ نے فی الفور طے کر دیا۔اکثر محدثین کا کہنا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ام المؤمنین حضرت عائشہ طویل حیات نہ پاتیں تو حدیث کا نصف حصہ ضائع ہو جاتا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بی بی فاطمہؓ اور دونوں شہزادوں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ سے نہایت اُنس ومحبت تھی۔

بی بی عائشہؓ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔مگر آپؓ نے اپنی بڑی بہن حضرت اسماءؓ کے لڑکے حضرت عبداللہ کے نام پر اپنی کنیت **اُم عبداللہ** رکھ لی تھی۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا وصال مبارک 58ھ میں بعمر 67 سال مدینہ میں ہوا اور جنت البقیع میں دیگر ازواجِ مطہراتؓ کے پہلو میں آرام فرما رہی ہیں۔

6- حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (وصال 32ھ)

سوال: 91:۔مفسر وفقیہ جلیل القدر صحابی وخادمِ رسولﷺ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی اور آپؓ کی فضیلت وفوقیت بحیثیت فقیہ کے بارے میں بیان کیجئے؟

جواب:۔آپؓ کا اسمِ گرامی **عبداللہ**، کنیت **عبدالرحمٰن**، نسب۔ ہذیل بن مدرکہ بن الیاس کے ساتھ مل جاتا ہے۔ والد ماجد حضرت مسعود اور والدہ محترمہ ام عبد بنت عبدود بن سواء ہذیل ہے جو مشرف بہ اسلام ہوئیں اور ہجرت کی سعادت حاصل کیں۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس وقت ایمان لائے جب حضرت سعید بن زید مشرف بہ اسلام ہوئے خود ابن مسعودؓ فرماتے ہیں میں چھٹا (6th) مسلمان ہوں۔

آپؓ نے پہلے حبشہ کی ہجرت فرمائی ۔آپؓ اکثر غزوات (لڑائیوں) میں شریک رہے ۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی ہیں جنھوں نے غزوہ بدر میں ابوجہل کا سر قلم کیا تھا۔آپؓ کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپؓ کو حضور نبی کریم ﷺ کے نعلین مبارک (جوتوں) کی حفاظت کرنے کا شرف حاصل تھا۔سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بکثرت حاضری دیتے اور خدمت کیا کرتے ۔حضور ﷺ سے آپؓ کی دل بستگی (عشق) کی بناء پر آپؓ کا شمار فضلاء فقہا و کبار صحابہؓ میں ہوتا ہے ۔

بارگاہِ نبوی میں آپؓ کے مقام کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ آپؓ سے فرمایا کرتے! ''تمہیں اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں' پردہ اٹھا کے اندر آجاؤ اور ہماری خاص باتیں سنو جب تک کہ میں تم کو نہ روکوں ۔''

آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم اور رازدار صحابی ہیں ۔آپؓ کے ذمہ رسول ﷺ کی خدمت تھی مثلاً آقا کریم ﷺ کے نعلین اٹھانا ،مسواک ساتھ رکھنا ،آپ ﷺ کے پیش پیش چلنا ،وضو کے لئے پانی فراہم کرنا ،سفر میں بسترِ مبارک اٹھانا ،خواب سے بیدار کرنا ۔چنانچہ صحابہ کرامؓ میں آپؓ ''**صاحبِ نعلین والمسواک والسواد**'' کے لقب سے مشہور تھے ۔

تمام کبار صحابہ ،حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علم وفضل کا اعتراف کرتے تھے ۔چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اہل کوفہ کو خط لکھا!

''میں حضرت عمارؓ کو تمہارا امیر (Governor) اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم (Teacher) بنا کر تمہاری طرف بھیج رہا ہوں ۔یہ دونوں حضور ﷺ کے پسندیدہ اصحاب ہیں اور اہل بدر سے ہیں ۔ان کی پیروی کرو ۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو تمہاری طرف بھیج کر میں نے تمہیں اپنی ذات پر ترجیح دی ہے ۔''

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مجمع (Gathering) میں دعویٰ کیا کہ ''تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں'' ۔آپؓ کے اس دعویٰ کا کسی صحابی نے انکار نہیں کیا ۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا مسئلہ درپیش ہوا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ،ہم اپنے دنیوی اُمور کے لئے اُس ہستی کو پسند کرتے ہیں جس کو ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ نے ہمارے دینی کام کے لئے پسند کیا ۔یعنی حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنی ظاہری حیات مبارکہ میں نماز

پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا (اس لئے وہی ہمارے خلیفہ ہوں گے)۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس دلیل کو صحابہ نے تسلیم کیا۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصالِ ظاہری کے بعد حضرت ابن مسعودؓ کا یہ ارشاد پہلا ''اجتہاد'' تھا۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی فضیلت بیان فرمائی کہ ''تم ابن مسعود کے حکم کو مضبوط پکڑے رہو''۔(ترمذی) ایک اور حدیث پاک میں آقا و مولیٰ ﷺ نے چار صحابہ سے قرآن سیکھنے کا حکم فرمایا، ان میں سب سے پہلے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ (مشکوٰۃ)

یہ وہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں جن کے متعلق امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں! ''یہ ایک تھیلا ہیں علم سے بھرا ہوا''۔حضور سید المرسلین ﷺ نے فرمایا! ''میں نے اپنی اُمت کے لئے وہ پسند فرمالیا جو کچھ عبداللہ بن مسعودؓ اس کے لئے پسند کریں''۔

(بحوالہ مستدرک للحاکم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، ایسے شخص کے بارے میں بتایئے جو صورت و سیرت میں نبی کریم ﷺ سے قریب تر ہو، تاکہ ہم اس سے کچھ سیکھیں۔فرمایا ''میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ نبی کریم ﷺ سے قریب ہو''۔

(بخاری کتاب المناقب، باب عبداللہ بن مسعود)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے ''ابن مسعودؓ نے قرآن پڑھ کر جو اس میں حلال تھا اُس کو حلال کیا اور جو حرام تھا اس کو حرام کیا، وہ دین کے فقیہ ہیں اور سنت کے عالم''۔حضرت امام شعبیؒ کا قول ہے، رسول کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ہمارے استاد ابن مسعودؓ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہ تھا''۔

(امام ابوحنیفہ اور ان کے ناقدین: ٦٦)

خلاصہ یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عُلومِ مصطفیٰ ﷺ کے مرجعِ اخیر اور فقہ کے مرجعِ کُل ہیں اور آپؓ پہلے صحابی ہیں جو باقاعدہ طور پر فقہ (Islamic Law) کی تعلیم دیتے تھے۔آپؓ سے کثیر صحابہ اور تابعین احادیث روایت کرتے ہیں جن میں حضرت ابن عباسؓ ، حضرت ابن عمرؓ اور ابن زبیرؓ شامل ہیں۔آپ 20ھ تا 30ھ کوفہ میں مقیم رہے۔32ھ میں آپؓ کا وصال ہوا۔حضرت عثمان غنیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلویؒ، محدث حضرت علی قاریؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''ہمارے ائمہ کے نزدیک سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ خلفائے اربعہ کے بعد سب سے زیادہ ''فقیہ'' ہیں۔ اسی لئے ہمارے امام اعظم ابوحنیفہؒ ان کی روایت واقوال کو خلفائے اربعہ راشدین کے بعد تمام صحابہؓ کے قول پر ترجیح دیتے ہیں''۔ (فتاویٰ رضویہ بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

7- **حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ** (وصال 68ھ):۔

سوال:92:۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ذاتِ گرامی اور علومِ حدیث' فقہ وتاویل میں آپ کی فوقیت کے پر مختصر تذکرہ کیجئے؟

جواب:۔ نام ونسب۔ آپؓ کا **عبداللہ بن عباسؓ** بن عبدالمطلب ہے۔ آپ حضور ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں اورام المؤمنین میمونہؓ بنت حارث کے بھانجے ہیں۔ ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے۔ حضور ﷺ کے وصال مبارک کے وقت آپؓ کی عمر شریف (13) تیرہ برس تھی۔ احادیث صحیحہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے آپؓ کو سینہ مبارک سے لگا کر یہ دعا فرمائی! ''اے اللہ اِسے حکمت سکھا دے''۔

آپؓ کو حضور اکرم ﷺ کے قریبی رشتہ دار اور کم عمر ہونے کی وجہ سے حضور ﷺ کے گھر میں بکثرت آنے جانے کا موقع حاصل تھا۔ اس لئے آپؓ بڑے کثیر الروایہ ہوئے۔ آپؓ میں تحصیل علم کا ذوق اور حضور اکرم ﷺ کی دعا وشفقت کا یہ اثر ہوا کہ ''ابن عباسؓ ترجمان القرآن حبر الامت'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپؓ حضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد (58) اٹھاون برس بقید حیات رہے اور صِغار و کِبار (چھوٹے اور بڑے) صحابہؓ سے خوب استفادہ فرمایا۔

حضرت ابن عباسؓ نہایت ذہین وفطین (Wise & Intelligent) تھے۔ حدیث نبوی سے آپؓ کو والہانہ شغف (گہرا لگاؤ) تھا۔ آپؓ حدیث نبوی میں امامت کے درجہ پر فائز رہے۔ لوگ آپؓ کے اردگرد جمع ہوتے اور حدیثیں پوچھا کرتے۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنی علمی مہارت و حذاقت (Skill & Experience) کے باوجود کسی دقیق (پیچیدہ) دینی مسئلہ میں حضرت ابن عباسؓ سے مسئلہ کا حل دریافت کرتے اور اس کو قبول فرماتے۔

حضرت ابن عباسؓ متعدد (کئی) علوم مثلاً حدیث' فقہ وتاویل وحساب' علم الفرائض اور عربیت (عربی) میں دیگر صحابہؓ پر فائق (بڑھ کر) تھے۔ آپؓ کا یہ عالم رہا کہ ایک دن صرف فقہی مسائل بیان فرماتے۔ ایک دن تاویل وتفسیر کے لئے۔ ایک دن مغازی اور ایک دن ایام العرب بیان کرنے کے لئے

مخصوص رکھا تھا۔

مشہور تابعی حضرت طاؤسؒ سے سوال کیا گیا کہ ''آپؒ اکابر صحابہ کو چھوڑ کر اس نوجوان (ابن عباسؓ) کے وابستۂ دامن کیوں کر ہو گئے؟'' کہنے لگے ''میں نے ستر (70) صحابہؓ کو دیکھا ہے جب اُن کے یہاں کوئی مسئلہ میں نزاع (پیچیدگی) پیدا ہوتی تو حضرت ابن عباسؓ کی جانب رجوع کرتے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حدیث میں تنہا ایک جماعت (Institution) کے برابر تھے۔آپؓ کی مرویات (روایات) کی تعداد (1660) احادیث ہیں۔حضرت علیؓ اپنے عہد میں ابن عباسؓ کو بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔حضرت علیؓ کی شہادت سے قبل آپؓ نے یہ منصب ترک کر دیا اور حجاز لوٹ گئے۔زندگی کے باقی دن آپؓ مکہ معظّمہ میں گزارے اور دینی احکام کی تعلیم دیتے رہے۔آپؓ کا سن وصال 68ھ ہے۔

8- **حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ** (وصال 73ھ):-

سوال :93:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی' فضیلت اور آپؓ کی قوت حافظہ اور قوت ادراک وفقہ میں فوقیت اور اشاعتِ حدیث کے فریضہ کی انجام دہی کے بارے میں تذکرہ کیجئے؟

جواب:-آپؓ بچپن میں ہی مشرف بہ اسلام ہو گئے اور اپنے والد حضرت عمر بن خطاب کے ہمراہ اور ایک روایت کے مطابق والد سے پہلے ہجرت مدینہ کی۔غزوۂ احد' خندق اور اس کے بعد کے غزوات میں شرکت فرمائی۔عہد نبوت کے بعد فتح یرموک' مصر اور آفریقہ میں شریک رہے۔آپؓ حد درجہ متبع سنت تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خود نبی کریم ﷺ سے حدیثیں سماعت کیں۔اس کے علاوہ آپؓ اپنے والد حضرت عمرؓ ' چچا حضرت زیدؓ ' ہمشیرہ (بہن) حضرت ام المؤمنین حفصہؓ اور حضرت ابو بکرؓ ' حضرت عثمانؓ ' حضرت علیؓ ' حضرت بلالؓ ' زید بن حارثؓ ' حضرت صہیب' حضرت ابن مسعودؓ ' ام المؤمنین حضرت عائشہؓ ' حضرت رافع بن خدیجؓ و دیگر صحابہؓ کرام سے حدیثیں روایت فرمائیں۔صحابہؓ میں حضرت ابن عباسؓ ' حضرت جابرؓ ' حضرت اعز مزنیؓ اور دیگر بزرگوں نے آپؓ سے استفادہ کیا۔تابعینؒ میں سے آپؓ کے چاروں بیٹے حضرت بلالؒ ' حضرت حمزہؒ ' حضرت سالمؒ ' اور حضرت عبداللہؒ نیز آپؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت نافعؒ اور حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت اسلمؒ اور اُن کے دونوں بیٹے زیدؒ وخالدؒ اور عروہ بن زبیرؒ اور دیگر اکابر نے آپؓ سے حدیثیں روایت کیں۔

حضرت زبیر بن بکارؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ رسول کریم ﷺ سے جو بھی سنتے اسے خوب یاد کر لیتے۔ حضرت امام زہریؒ متوفی 124ھ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ابن عمرؓ کے نظریات (Views & Analysis) کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ ان سے حضور ﷺ اور صحابہؓ کی کوئی بات پوشیدہ نہ تھی۔ آپؓ حضور ﷺ کے وصال کے بعد (60) سال بقید حیات رہے۔ (بیہقی فی المدخل)

حضرت امام مالکؒ متوفی 179ھ فرماتے ہیں حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عمرؓ کو خلافت کے اُمور سے دُور رکھا تھا۔ اُن کی حیثیت اصحابِ شوریٰ میں صرف ایک مشیر (Advisor) کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپؓ لوگوں میں وقوع پذیر (واقعہ) ہونے والے فتنوں سے جُدا رہ کر علم و عبادت کے دامن سے وابستہ رہے۔ آپؓ کا شمار کثیر الروایہ وفقہاء صحابہ میں ہوتا ہے۔

آپؓ بہت پہلے اسلام قبول فرمائے، طویل عمر پائی، حد درجہ متبع سنت رہے، علم اور خصوصاً حدیث نبوی کے ساتھ حد درجہ شغف (دلچسپی) رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں آپؓ رسول اکرم ﷺ کے رشتہ دار بھی تھے۔ اس لحاظ سے آپؓ کو صحبتِ رسول ﷺ میں فوقیت بھی حاصل رہی۔ دینوی اُمور، دولت و ثروت کے حریص (طالب) نہ تھے۔ اختلافِ صحابہؓ میں غیر جانب دار رہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپؓ کو احادیث سننے اور دوسروں تک پہنچانے کے لئے زیادہ وقت ملا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا سن وصال 73ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے تین ماہ بعد بعمر (87) سال ہے۔

9- **حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ** (وصال 18ھ):۔

سوال:94:۔ جلیل القدر فقیہ نوجوان صحابی رسول ﷺ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی عشقِ رسول ﷺ اور آپؓ کے علم وفضل اور خدمتِ دین کے بارے میں جامع تذکرہ کیجئے؟

جواب:۔ آپؓ کا اسم گرامی **معاذ**، کنیت **ابوعبدالرحمٰن** ہے۔ والد ماجد۔ جبل بن عمرو، والدہ محترمہ۔ بی بی ہند بنت سہل۔ والد کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ البتہ والدہ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور اُن کے دو بیٹے اصحاب بدر میں سے ہیں۔ حضرت معاذؓ انصاری ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابی ہیں۔
(تاریخ طبری)

حضرت معاذؓ کا تعلق مدینہ کے قدیم بنوسلمہ اور بنو اڈی مشترکہ قبیلہ سے تھا۔ آپؓ کی ولادت

603ء اور 604ء کے درمیان ہوئی۔حضور ﷺ کی ہجرتِ مدینہ سے قبل جن (10) دس انصار صحابہ کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو دین کی دعوت اور تعلیم دینے مدینہ روانہ کیا گیا تھا' اُن کی دعوتِ اسلام پر اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت معاذ بن جبلؓ بھی ہیں۔حضرت مصعب بن عمیرؓ نے ایک سال تک مدینہ (اس وقت یثرب کہلاتا تھا) تبلیغ کا کام انجام دیا اور 622ء میں حج کے موقع پر مدینہ کے وفد میں حضرت معاذ بن جبلؓ بھی شامل تھے۔وفد میں شامل تمام حضرات نے حضرت عباس بن عبد المطلب (حضور ﷺ کے چچا) کے ہاتھ پر بیعت کی اور عہد کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے،آپ ﷺ کے لئے اپنی جانی مالی ہرتمنا قربان کریں گے۔یہ **بیعت عقبہ** کہلاتی ہے۔اس بیعت کے ڈھائی ماہ بعد 622ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور مدینہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (مہاجر) اور حضرت معاذ بن جبلؓ (انصاری) میں مواخات (برادری) قائم فرمادی۔ (طبقات ابن سعد)

غزوات:۔

2ھ میں حضرت معاذ بن جبلؓ نے غزوہ بدر میں ابوجہل کا سر قلم کر کے جہنم رسید کیا۔اُس وقت آپؓ کی عمر 21 اکیس سال تھی۔آپؓ حضور ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے اور بیعت رضوان میں بھی شریک رہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر وحضر میں ساتھ رہ کر اس قدر علم وتربیت حاصل کر چکے تھے کہ علمائے مدینہ میں شمار ہوتے تھے۔اُس وقت آپؓ کی عمر 25 پچیس سال تھی۔چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ''قرآن مجید چار آدمیوں سے سیکھو،حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ' حضرت سالم مولیٰؓ ابوخذیفہؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے''۔ (صحیح بخاری)

ایک اور روایت میں حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''میری اُمت میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے حضرت ابوبکرؓ ہیں اور حلال وحرام کے سب سے زیادہ عالم حضرت معاذ بن جبلؓ ہیں''۔ (صحیح بخاری)

ایک اور روایت میں حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا! ''جو شخص فقہ (Islamic Law) سیکھنا چاہے وہ معاذؓ کے پاس جائے۔ (فیض الباری ترجمہ صحیح بخاری)

علوم فقہ کی تعلیم و تلقین:۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمانِ عالیشان کے مطابق حضرت معاذؓ کو یمن کے علاقوں کے گورنرس (محاصل) پر گورنر جنرل (امیر حاملان) مقرر فرما کر روانہ کیا۔ حضرت معاذؓ جب اپنی سواری پر سوار ہو کر یمن جانے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذؓ کو رخصت کرنے بہت دُور تک تشریف لائے اور راستے میں اُن کے عہدے اور فرائض کے بارے میں ہدایت دیتے رہے۔ حضور ﷺ کو پیدل چلتا دیکھ کر حضرت معاذؓ بار بار اپنی سواری سے اترنا چاہتے، مگر حضور ﷺ آپؓ کو منع فرماتے تھے۔ حضرت معاذؓ کو حضور ﷺ نے اسلامی اصول فقہ وحکمرانی کی بہت اہم ہدایتیں دیں، یہ ہدایتیں قیامت تک کے لئے علماء فقہا اور صدور ومملکت کے لئے نظام حکومت اصول (Directive & Principle of State Policy) بن گئے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ خود بیان کرتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یمن روانہ فرمارہے تھے تو آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا ''اگر تمہارے پاس کوئی مقدمہ پیش آئے تو اُس کا فیصلہ کس طرح کرو گے'' میں نے جواب دیا ''کتاب (قرآن) سے''۔ فرمایا! ''اگر کتاب میں نہ ہو''۔ تو میں نے عرض کیا ''سنت سے رہنمائی حاصل کروں گا''۔ سرکار ﷺ نے فرمایا ''سنت میں بھی موجود نہ ہو تو'' تو میں نے عرض کیا ''پھر تو اپنے قیاس (Analogy) سے ''اجتہاد'' کروں گا اور کوئی کوتاہی نہ کروں گا''۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا! ''سب تعریفیں اُسی اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے رسول کے نمائندہ کو اس بات کی توفیق دی کہ جس سے وہ اللہ کے رسول کو راضی کرلے۔ (طبقاتِ کبیر از ابن سعد)

حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ جب میں یمن کو جانے لگا تو آخری وصیت حضور ﷺ نے یہ فرمائی کہ لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا۔ مذکورہ بالا حدیث اسلامی قانون میں ''اصول فقہ'' کے لئے بنیاد بن گئی کہ اسلامی قانون کا سب سے پہلا ماخذ (Source) قرآن مجید ہوگا۔ قرآن کے بعد دوسرا ماخذ سنت وحدیث اور تیسرا ماخذ قیاس (Analogy) اور اجماع (Consensus of Opinion) ہوگا۔

حضرت معاذؓ حضور ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں یمن سے مدینہ واپس تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت معاذؓ کو غیر رسمی کابینہ (مجلس شوریٰ) کے ارکان میں شامل کرلیا۔ اس کے علاوہ ایک دارافتاء بھی قائم کیا جو تمام مذہبی اُمور پر فتویٰ دینے والی بااختیار

جماعت تھی ۔اُس کے ارکان حضرت عمرؓ ' حضرت عثمانؓ ' حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ ' حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن حارثؓ تھے۔ (طبقات ابن سعد)

شمائل:۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ صورت میں سب سے اچھے' اخلاق میں بے حد پاکیزہ' ہاتھ کے سخی اور دل سے ہر شخص کے ہمدرد تھے۔

18ھ میں بعمر چھتیس (36) سال آپؓ کو طاعون کا مرض لاحق ہوا اور اس دارِ فانی سے رحلت فرمائے۔ وصالِ معاذؓ پر حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا' اگر حضرت معاذؓ زندہ رہتے تو ''**میں اُن کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کرتا**۔ کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ قیامت کے دن جب علمائے اسلام اللہ تعالیٰ کے آگے جمع ہوں گے تو حضرت معاذ بن جبلؓ ایک پتھر پھینکے جانے کے فاصلہ تک اُن سب سے آگے ہوں گے۔'' ماشاءاللہ (طبقات ابن سعد)

43- تعارف مجتہدین (تابعین تا تبع تابعین)

(Biographies)

سوال:95:۔ مشاہیر فقہاء ومجتہدین تابعین اور تبع تابعین کے اسماءگرامی بیان کیجئے ؟

جواب :۔ ''محدثین'' کی ذمہ داری یہ ہے کہ **احادیث** کو پوری صحت اور حفاظت کے ساتھ جمع کرنا اور **روایت** میں کوئی کوتاہی سے کام نہ لینا۔''فقہاء'' اُن احادیث میں غور وفکر کر کے مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں۔مسائل کے حل کے لئے ثبوت ودلائل کا قائم کرنا نہایت مشکل کام ہے۔یہی وجہ ہے کہ فقہاء کی تعداد محدثین کے مقابلہ میں بہت کم ہوتی ہے فقہاء کو محدث ہونا ضرور ہے مگر محدث کو فقیہ ہونا ضرور نہیں ہوتا۔

تابعین اور تبع تابعین میں سے قابلِ ذکر مشاہیر فقہا ومجتہدین کے اسماءگرامی اور تعارف درج ذیل ہے:

1- حضرت امام جعفر صادقؒ 2- حضرت امام سفیان ثوریؒ 3- حضرت امام وکیعؒ 4- حضرت امام شعبیؒ 5- حضرت امام علقمہ بن قیس نخعیؒ 6- حضرت امام ابراہیم نخعیؒ 7- حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ 8- حضرت امام مالکؒ 9- حضرت امام شافعیؒ 10- حضرت امام احمد بن حنبلؒ 11- حضرت امام اوزاعیؒ 12- حضرت امام بخاریؒ۔

1-**الامام جعفر صادق رضی الله عنه** (80-148)ھ:۔

سوال :96:۔امام جعفر صادقؒ لختِ جگر علیؓ وبتولؓ کی ذاتِ گرامی اور اُن کے فضائل وکمالات کے بارے میں مختصر تذکرہ کیجئے ؟

جواب:۔آپؒ کا اسمِ گرامی جعفر۔کنیت ابوعبداللہ بعض روایات میں اسمٰعیل ہے۔القاب **الصادق**، **الفاضل**،**الطاہر** ہیں۔پدری سلسلہ نسب۔الامام جعفر الصادق ابن الامام محمد بن الباقر بن الامام علی زین العابدین ابن الامام حسین ابن علی مرتضیٰؓ اور مادری سلسلہ نسب الامام جعفر صادق ابن ام فروہ بنت قاسم بن محمد سیدنا ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت امام جعفر صادقؒ میں دادا (علی مرتضیٰؓ) کا علم اور نانا (ابوبکر صدیقؓ) کا اخلاص وعبودیت جمع ہوگئے تھے۔

آپؒ کے تلمیذہ حضرت یحییٰ بن سعدؒ۔حضرت ابن جریحؒ ۔حضرت امام مالکؒ بن انس۔حضرت سفیان

ثوریؒ۔حضرت ابن عُمیّہ۔حضرت ابوایوب سمستانیؒ ہیں، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ،حضرت امام محمد الباقرؒ اور امام جعفرالصادقؒ دونوں کے شاگرد ہیں۔حضرت امام ابوحنیفہؒ دوسال تک حضرت امام جعفرالصادقؒ کے فیضِ صحبت سے بہرہ اندوز (مستفید) ہوئے۔حضرت امام ابوحنیفہؒ اُن دو برسوں کے متعلق فرماتے ہیں۔''لو لا السنتان لھلک النعمان یعنی یہ دوسال نہ ہوتے تو میں ہلاک ہوجاتا''۔

حضرت امام جعفر صادقؒ کا زمانہ خلیفہ منصور عباسی کا زمانہ ہے۔آپؒ کے صاحبزادے 1- حضرت امام محمدؒ 2- حضرت امام اسمٰعیلؒ 3- حضرت امام عبداللہؒ 4- حضرت امام موسیٰؒ 5- حضرت امام اسحٰقؒ ہیں۔اِن میں سے فرقہ بواہیر،حضرت امام اسمٰعیلؒ کو مانتے ہیں اور فرقہ اثنا عشریہ صرف حضرت امام موسیٰ الکاظمؒ کو مانتے ہیں۔آپؒ کی ایک صاحبزادی سیدہ فروہؒ ہیں۔

آپؒ کا وصال ماہ شوال 148ھ مدینہ منورہ میں ہوا بعض روایات میں ہے 15/رجب یا 10/رجب۔آپؒ کی عمرِ مبارک اڑسٹھ (68) سال تھی بعض کا خیال ہے کہ خلیفہ منصور کے زمانہ میں آپؒ کو زہر دیا گیا اور آپ شہید ہوگئے۔مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں قبہ اہلِ بیت میں مدفون ہیں۔

۔ نقل ہے کہ لوگوں نے آپؒ سے عرض کیا کہ'' خدا تعالیٰ نے آپؒ کو کمالاتِ عالیہ سے سرفراز فرمایا۔زہدِ ظاہر بھی ہے اور کرم باطن بھی اور نیز آپؒ قرۃ العینِ نبوت وولایت بھی ہیں۔مگر آپؒ میں ایک قسم کا کِبر (Pride) بھی ہے''۔امام جعفر صادقؒ نے فرمایا'' میں ہرگز متکبر نہیں ہوں۔میرا کِبر دُور ہوا تو حق کی کِبریائی کا ظہور رہا تو اِس میں میرا کیا قصور ہے؟۔''

۔ نقل ہے کہ لوگوں نے دیکھا کہ لباسِ فاخرہ (قیمتی لباس) آپؒ کے زیبِ بدن ہے۔عرض کیا اے فرزندِ رسول وجگر گوشۂ بتول!'' یہ لباس آپؒ کے شایانِ شان نہیں''۔آپؒ نے ہاتھ پکڑ کر آستین میں اندر کا کُرتا (قمیص) بتایا۔اندر پلاس (موٹا ڈھاٹا) اور اوپر عمدہ لباس۔فرمایا جو لباس خلق (لوگوں) کے لئے ہے وہ ظاہر ہے اور جو خالق کے لئے ہے وہ باطن ہے۔

۔ نقل ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے آپؒ نے فرمایا'' عاقل کون ہے؟'' حضرت امام ابوحنیفہؒ نے عرض کیا'' جو خیر وشر میں تمیز کرے''۔حضرت امام جعفر صادقؒ نے فرمایا'' جانور بھی تو خیر وشر میں تمیز کر لیتے ہیں''۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے عرض کیا'' آپؒ کے خیال میں عاقل کون ہے''؟ فرمایا'' عاقل وہ ہے جو خیر الخیر میں اور خیر میں اور شرالشر اور شر میں تمیز کرے۔بڑے خیر (خیرالخیر) کو اختیار کرے اور بڑے شر سے احتراز کرے''۔

ارشادات:۔

آپؒ نے فرمایا ''**احسان تین**'' اُمور سے پورا ہوتا ہے۔ 1۔ (احسان رکارِ خیر) جلد کرنا 2۔ اس کو چھوٹا سمجھنا 3۔ لوگوں پر ظاہر نہ کرنا۔فرمایا''توبہ میں تاخیر دھوکہ اور آزار (معصیت) ہے۔اور توبہ کرنے میں زیادہ ٹال مٹول تسویفِ حیرت ہے۔ خدا کے کام میں بہانے ڈھونڈھنا ہلاکت و بربادی ہے۔ گناہ پر اصرار کرنا خدائے تعالیٰ کے ساتھ مکر (بے خوف ہونا) ہے''۔فرمایا''جو خدا کے دیئے پر راضی ہے وہ مستغنی(Rich) ہو جاتا ہے اور جو دوسروں کے مال پر نظر رکھتا ہے وہ فقیر ہی مرتا ہے''۔احمقوں کی صحبت میں تحقیر (ذلت) ہے اور علماء کی صحبت میں توقیر (عزت) ہے''۔فرمایا''فقہاء پیغمبروں کے امین (امانتدار) ہیں، جب تک وہ سلاطین کے پاس نہ جائیں''۔فرمایا'' جس کے احوالِ باطن پر پردہ نہیں وہ مغرور ہے۔ عقل سے دُور ہے''۔فرمایا''دنیا میں جنت بھی ہے اور دوزخ بھی۔ جنت عافیت (امن وسلامتی) ہے اور دوزخ بلا۔ عافیت کیا ہے؟ اپنا کام خدا پر چھوڑنا۔ بلا کیا ہے اپنا کام اپنے نفس پر ڈالنا''۔

2- **حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمة** (97-161ھ):۔

سوال:97:۔سید الحفاظ شیخ الاسلام حضرت امام سفیان ثوریؒ کی عظیم شخصیت بحیثیت امام الحدیث وفقیہ کے بارے میں مختصر تذکرہ کیجئے؟

جواب:۔آپؒ کا نام ونسب سفیانؒ بن سعید بن مسروق کنیت **ابوعبداللہ، ثوری** اور **کوفیؒ** ہے۔آپؒ تبع تابعین میں سے عظیم حافظِ حدیث ہوئے ہیں۔آپؒ نے حدیث کا درس ابواسحاق سبیعیؒ، حضرت عبدالملک بن عمیرؒ، حضرت عمر بن مرہؒ اور بے شمار کبّار تابعین شیوخ سے سماعت فرمایا۔

آپ کے تلمیذہ (شاگردوں) میں قابل ذکر حضرت محمد بن عجلان تابعیؒ، حضرت اعمشؒ، حضرت معمرؒ، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ، حضرت اوزاعیؒ، حضرت ابن عُیینہؒ، حضرت شعبہؒ، حضرت فُضیل بن عیاضؒ، حضرت وکیعؒ، حضرت ابونعیمؒ، حضرت یحییٰ بن القطانؒ اور دیگر کبّار ائمہ حدیث ہیں۔

تمام علماء کا اتفاق ہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ عظیم محدث وفقیہ، عابد وزاہد، حق گو رہے ہیں اور سادہ زندگی بسر فرماتے تھے۔آپؒ اخلاق جلیلہ سے متصف تھے۔ چنانچہ ابوعاصمؒ کا قول ہے کہ'' حضرت سفیان ثوریؒ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں''۔حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا قول ہے کہ''میں نے گیارہ سو (1100) اساتذہ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ اُن میں حضرت سفیان ثوریؒ سے بڑھ کر کوئی نہ تھا''۔حضرت یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں،''جب کوئی شخص حضرت سفیان ثوریؒ سے اختلاف کرے تو حضرت سفیان ثوریؒ کی ہی بات پر

اعتماد کیا جائے گا''۔

حضرت سفیان بن عُیینہؒ فرماتے ہیں''حضرت ابن عباسؓ، حضرت شعبیؒ اور حضرت ثوریؒ اپنے عصر وعہد (زمانے) میں یکتائے روزگار (بے نظیر) رہے ہیں۔ جہاں تک میری اپنی ذات کا تعلق ہے میں حضرت سفیان ثوریؒ کا خادم ہوں۔ میں نے حلال وحرام کا آپؒ سے بڑھ کر عالم نہیں دیکھا''۔

حضرت امام اوزاعیؒ کا قول ہے کہ''علماء رخصت ہو چکے (گزر چکے)۔ اب حضرت سفیان ثوریؒ کے سوا کوئی شخص ایسا موجود نہیں جس کی بات عوام رضا ورغبت (پوری دلجوئی) سے سنیں اور اسکو صحیح سمجھیں''۔

حضرت عباس الدوریؒ فرماتے ہیں کہ''میں نے دیکھا ہے کہ حضرت ابن معینؒ، حضرت سفیان ثوریؒ پر کسی عالم کو ترجیح نہیں دیتے تھے''۔

حضرت سفیان ثوریؒ کو ایک محدث کی نازک ذمہ داریوں کا پورا پورا احساس تھا۔ حضرت مزاحم بن زفرؒ نے حضرت ابوبکر بن عیاشؒ کو حضرت سفیان ثوریؒ کا یہ قول سنایا''اِنَّمَا هُوَ طَلَبُهُ ثُمَّ حِفْظُهُ ثُمَّ الْعَمَلَ بِهٖ ثُمَّ نَشْرُهُ''یعنی علمِ حدیث کے کئی مراتب ہیں۔ سب سے پیشتر (پہلا) طالب کو اس کے حصول کے لئے محنت کرنی ہوگی پھر اُسے یاد (حفظ) کرنا ہوگا اور پھر اُسے عمل سے محکم (مضبوط) کرنا ہوگا۔ جب یہ تین کٹھن مرحلے (Stages) کوئی عالم طے کر لے تو اسے یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ مسندِ تدریس پر قدم رکھے یعنی حدیث کی تعلیم اور نشر واشاعت کی طرف متوجہ ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپؒ کی مدح وتوصیف (تعریف) میں علماء کے بے شمار اقوال منقول ہیں۔ آپؒ کو سید الحفاظ' شیخ اسلام' الامام جیسے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

چنانچہ چھ (6) فقہی مسالک (طریقہ عمل) میں سے ایک مسلک حضرت سفیان ثوریؒ کی جانب منسوب ہے۔ چھ فقہی مسالک مندرجہ ذیل ائمہ مجتہدین کے ہیں:

1- حضرت امام ابوحنیفہؒ 2- حضرت امام مالکؒ 3- حضرت امام شافعیؒ 4- حضرت امام احمد بن حنبلؒ 5- حضرت امام اوزاعیؒ 6- حضرت امام ثوریؒ۔

حضرت امام سفیان ثوریؒ 97ھ میں پیدا ہوئے اور آپؒ کا بصرہ کے مقام میں 161ھ میں وصال ہوا۔

3- امام وکیع بن الجراح علیہ الرحمۃ (127-197ھ):۔

سوال :98:۔ حضرت وکیع بن الجراح علیہ الرحمۃ کی جلیل القدر شخصیت بحیثیت محدث وفقیہ کے بارے میں

مختصر تذکرہ کیجئے؟

جواب:۔آپؒ کا اسم ونسب حضرت **وکیع** بن الجراح بن ملیح عدی اور کنیت ''**ابوسفیان**'' ہے۔آپؒ تبع تابعین میں سے عظیم حافظِ حدیث اور محدث کبیر اور اہل کوفہ (عراق) کے امام رہے ہیں۔آپؒ نے مندرجہ ذیل اساتذہ سے کسب فیض کیا۔

1- حضرت اعمشؒ 2- حضرت ہشام بن عروہؒ 3- حضرت عبداللہ بن عونؒ 4- حضرت حنظلہ بن ابی سفیانؒ 5- حضرت ابن جریجؒ 6- حضرت شریک بن عبداللہؒ 7- حضرت امام اوزاعیؒ 8- حضرت امام سفیان ثوریؒ 9- حضرت امام سفیان بن عُیینہؒ۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ جب آپؒ سے روایت فرماتے تو کہتے ''یہ حدیث مجھے حضرت وکیع ؒ نے سنائی۔ میری آنکھوں نے ایسا شخص کبھی نہیں دیکھا۔آپؒ کو احادیث بہت اچھی طرح یاد ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپؒ فقہ میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔آپؒ نہایت متقی اور صاحبِ اجتہاد (Interpretor of Islamic Laws) ہیں''۔

حضرت ابن معینؒ محدث فرماتے ہیں'' حضرت وکیع بن الجراحؒ کے سوا میں نے کسی کو رضائے الٰہی کے لئے احادیث روایت کرتے نہیں دیکھا۔آپؒ مجھے حضرت سفیانؒ ابن مہدی اور حضرت ابونعیمؒ سے بھی عزیز تر ہیں۔میں نے آپؒ سے بڑھ کر حافظِ حدیث نہیں پایا۔آپؒ اپنے زمانے میں ایسے تھے جیسے اپنے عصر (زمانہ) وعہد میں حضرت امام اوزاعیؒ''۔

محدث ابن عمارؒ فرماتے ہیں حضرت وکیعؒ کے زمانے میں کوفہ میں اُن سے بڑھ کر کوئی محدث و فقیہ نہ تھا۔تمام علماء آپؒ کی امامت وجلالت، کثرتِ حفظ وعلم اور صلاح وتقویٰ کے بارے میں متفق اللسان (ایک زبان) ہیں۔آپؒ کا سنِ ولادت 127ھ اور سنِ وصال 197ھ ہے۔

4- **حضرت امام شعبی علیہ الرحمۃ** (17-104ھ):۔

سوال:99:۔مشہور تابعی محدث وفقیہ امام شعبی علیہ الرحمۃ کے بارے میں مختصر تذکرہ کیجئے؟

جواب:۔آپؒ کا نام حضرت **شعبیؒ** عامر بن شراحیلؒ اور لقب ''**علامۃ التابعین**'' ہے۔آپؒ امام شعبیؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت سن 17ھ میں آپؒ کی ولادت ہوئی۔آپؒ کے شیوخ حضرت علیؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ ، حضرت ابن عمرؓ اور دیگر صحابہؓ

ہیں جن سے حدیثیں روایت کیں۔

حضرت شعبیؒ حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے استاد گرامی ہیں۔آپؒ عرصہ دراز تک کوفہ کے قاضی تھے۔عہدِ صحابہؓ ہی میں آپؒ کے فتاویٰ مشہور ہوگئے تھے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ عظیم محدث وفقیہ تھے۔سب علماء آپؒ کی امامت وثقاہت کے قائل ہیں اور آپؒ کے علم وفضل اور انکساری وفروتنی (سادگی) کے ثناخواں (تعریف کرنے والے) ہیں۔

چنانچہ حضرت مکحولؒ کا قول ہے،''میں نے حضرت شعبیؒ سے بڑا عالم نہیں دیکھا''۔حضرت ابوحصینؒ فرماتے ہیں''میری نگاہ میں حضرت شعبیؒ سے بڑا فقیہ کوئی نہیں''۔حضرت ابن سیرینؒ نے ابوبکر بذنیؒ سے فرمایا''شعبیؒ کے دامن سے وابستہ ہوجایئے،میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ لوگ صحابیؓ کی موجودگی میں ان سے مسائل دریافت کرتے ہیں''۔حضرت ابن ابی لیلیٰؒ کا قول ہے کہ''شعبی محدث تھے اور ابراہیم نخعیؒ قیاس سے کام لیا کرتے تھے،جبکہ حضرت شعبیؒ کوفہ کے قاضی رہے لیکن احتیاط کا عالم یہ کہ حضرت شعبیؒ خود فرماتے ہیں ہم فقیہ نہیں ہیں ہم نے جو حدیثیں سنیں وہ روایت کیں۔فقیہ وہ ہے کہ جس بات کا اس کو علم ہو اس پر عمل کرے''۔

حضرت شعبیؒ کا وصال مبارک <u>104ھ</u> میں ہوا۔

5-امام علقمہ بن قیس علیہ الرحمۃ (متوفی 62ھ):۔

سوال:100:۔مشہور تابعی وامام فی الحدیث وفقہ حضرت علقمہ علیہ الرحمۃ کے بارے میں مختصر تذکرہ کیجئے؟

جواب:۔نام ونسب' اسمِ گرامی' حضرت علقمہؒ بن قیس بن عبداللہ نخعی کوفی ہے۔بڑے جلیل القدر تابعی و عظیم فقیہ تھے۔

آپؒ نے جن صحابہ کرامؓ سے حدیث کا درس حاصل فرمایا اُن میں حضرت عمرؓ بن خطاب،حضرت عثمان غنیؓ،حضرت علی مرتضیٰؓ،حضرت ابن مسعودؓ،حضرت سلمان فارسیؓ،حضرت خبابؓ،حضرت حذیفہؓ،حضرت ابوموسیٰؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ ہیں۔

آپؒ سے جن اکابر تابعینؒ نے روایت کیں اُن میں حضرت ابو وئلؒ،حضرت ابراہیم نخعیؒ،حضرت شعبیؒ،حضرت ابن سیرینؒ،حضرت عبدالرحمٰنؒ بن یزید،حضرت ابوالضحیٰؒ اور دیگر تابعین ہیں۔

حضرت علقمہؒ کی عظمت وجلالت' کثرت علم اور خوش اخلاقی پر سب علماء متفق ہیں۔چنانچہ حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں''حضرت علقمہؒ حضرت ابن مسعودؓ سے ملتے جلتے ہیں۔حضرت شعبیؒ کا قول ہے کہ

''حضرت علقمہؒ عالم ربانی ہیں''۔حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں''حضرت علقمہؒ ثقہ اور بڑے نیک آدمی ہیں''حضرت ابوسعد سمعانیؒ کا قول ہے کہ''حضرت علقمہؒ اصحاب ابن مسعودؓ میں سب سے بڑے اور صورت وسیرت میں حضرت مسعودؓ سے ملتے جلتے ہیں''۔آپؒ کا وصال 62ھ میں ہوا۔

6- امام ابراهیم نخعی علیه الرحمة (متوفی 96ھ):۔

سوال:101:۔مشہور تابعی ومحدث وفقیہ امام ابراہیم نخعی علیہ الرحمۃ کے حالاتِ زندگی کا مختصر تذکرہ کیجئے؟

جواب:۔**نام ونسب**:آپؒ کا اسمِ گرامی ابراہیم بن یزید بن قیس نخعی،کنیت **''ابوعمران''** ہے۔آپؒ جلیل القدر تابعی اور اہل کوفہ کے فقیہ رہے ہیں۔آپؒ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے مگر اُن سے حدیث کا سماع ثابت نہیں ہے۔بلکہ آپؒ نے کبّار تابعین سے استفادہ کیا جن میں حضرت علقمہ شعبیؒ کے دونوں ماموں اسودؒ اور عبدالرحمٰنؒ جو یزید کے بیٹے تھے اور حضرت مسروقؒ ہیں۔

تلامذہ میں تابعین کی ایک جماعت نے آپؒ سے استفادہ کیا جن میں حضرت سبیعیؒ،حضرت حبیب بن ابی ثابتؒ،حضرت سماک بن حربؒ،حضرت اعمشؒ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے استادگرامی حضرت حماد بن ابی سفیانؒ مشہور ہیں۔تمام علماء آپؒ کی ثقاہت اور فقہی مہارت کا لوہا مانتے ہیں۔

چنانچہ آپؒ کی وفات کے وقت حضرت شعبیؒ نے فرمایا''حضرت نخعیؒ نے اپنے پیچھے کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا جو اُن سے بڑھ کر فقیہ ہو''۔جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا حضرت حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ بھی اُن سے بڑھ کر فقیہ نہیں ہیں؟ فرمایا''نہیں،بلکہ بصرہ،کوفہ،شام میں اُن سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں ہے''۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ کے زمانے میں کئی صحابہؓ بقید حیات تھے مگر انہوں نے کسی صحابیؓ سے حدیث کی روایت نہیں کی'اس کے باوجود حدیث اور روایتِ حدیث دونوں میں آپؒ کا مقام بلند ہے۔

محدث حضرت اعمشؒ آپؒ کے بارے میں فرماتے ہیں''حضرت ابراہیم نخعیؒ حدیث نبوی کے صراف(نگینہ ساز)تھے''۔حدیث کے نقد وجرح (Verification) کے سلسلہ میں''صراف'' کا لفظ بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ ایک عالم،حدیثِ نبوی ﷺ کا ناقد (Critic) اسی صورت میں بن سکتا ہے جب وہ بہت سی احادیث کا حافظ ہو اور اُن کے روایت ورجال سے بخوبی آگاہ ہو۔اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ اسی قسم کے شخص تھے۔

حضرت ابوزرعہؒ فرماتے ہیں''حضرت نخعیؒ دین اسلام کے نشانات میں سے ایک عظیم نشان تھے''۔

امام عجلیؒ کا قول ہے کہ ''حضرت نخعیؒ بڑے محتاط فقیہ ہیں اور تکلف کے نام سے بھی آشنا نہ تھے''۔ آپؒ کا وصال 96ھ میں ہوا۔

7-**امامِ اعظم حضرت ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ**(150-70)ھ:۔

سوال:102:۔امام اعظم فقیہ الامۃ، شیخ الاسلام حضرت ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی با برکت شخصیت اور آپؒ کے علم وفضل بحیثیت مجتہد کا وضاحت کے ساتھ بیان کیجئے؟

جواب:۔اسمِ گرامی **نعمان** اور کنیت **ابو حنیفہ** ہے۔ والد ماجد کا نام **ثابتؒ** ہے۔ آپؒ کا نسب نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہے۔ آپؒ فارسی النسل ہیں۔ چنانچہ آپؒ کے جد امجد کا نام زوطا کابلی ہے جو کابل کے رہنے والے تھے۔

آپؒ کی ولادت سن 70ھ میں شہر کوفہ (عراق) میں ہوئی۔ آپؒ کے والد ماجد حضرت ثابتؒ کو حضرت علی مرتضیٰؓ نے اُن کی اولاد کے لئے برکت کی دعا فرمائی تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کو اپنا آبِ دہن مبارک (منہ کا پانی) بطور امانت تفویض فرمایا تھا کہ اُسے ابو حنیفہؒ کو پہنچادیں۔ چنانچہ حضرت انسؓ نے وہ پانی حضرت ابو حنیفہؒ کے ایام طفولیت میں پہنچا دیا۔ اس کا ذکر **سفینۃ الاولیاء** میں ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے جب آقا علیہ السلام نے سورۃ جمعہ کی آیت تین 3-وَ آخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ط تلاوت فرمائی تو کسی نے دریافت کیا۔''آقا ﷺ! یہ دوسرے لوگ کون ہیں جو ابھی تک ہم سے نہیں ملے؟ آپ ﷺ جواب میں خاموش رہے۔ جب بار بار سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے کندھے پر اپنا مبارک ہاتھ رکھ کر فرمایا!

لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَنَا لَهُ رِجَال اَوْ رَجُلٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ (صحیح بخاری ومسلم)

ترجمہ: اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوتا تو اِس کی قوم کے لوگ اس کو ضرور حاصل کر لیں گے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ اور حافظ ابن حجرؒ مکی حنفی نہیں ہیں بلکہ امام شافعیؒ کے مقلد ہیں۔ اس کے باوجود دونوں بزرگ امام اعظم ابو حنیفہؒ کو اس بخاری ومسلم کی مذکورہ حدیث کا مصداق (موصوف) قرار دیتے ہیں اور امام اعظم کی حقیقت پر بالترتیب کُتب''**تبییض الصحیفہ**''اور **الخیرات الحسان** تحریر فرمائیں!

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ تابعیؒ ہیں اور اِن احادیث ارشادات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! کے مصداق ہیں۔

☆۔ میری اُمت میں سب سے بہتر میرے زمانے والے ہیں۔ پھر جو اُن کے بعد ہیں۔ پھر وہ جو اُن کے بعد ہیں۔ (بخاری و مسلم)

☆۔ اُس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا۔ میرے دیکھنے والے کو دیکھا۔ (ترمذی۔مشکوٰۃ)

امام ابوحنیفہؒ کے شرف تابعیت کا اندازہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ آپؒ نے نہ صرف متعدد صحابہ کرامؓ کی زیارت کی بلکہ اُن سے احادیث بھی روایت کیں۔

اخلاق و کردار:

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ میانہ قد ،خوبصورت ،خوش گفتار اور شیریں بیان کرنے والے تھے۔آپؒ کی گفتگو فصیح و بلیغ اور واضح ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت ابو نعیمؒ کا قول ہے ''ابو حنیفہؒ کا چہرہ اچھا، کپڑے اچھے،خوشبو اچھی اور مجلس اچھی ہوتی۔ آپؒ بہت کرم فرما اور غم خوار تھے''۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے سفیان ثوریؒ سے کہا ''امام اعظم ابوحنیفہؒ غیبت کرنے سے کوسوں دُور تھے''۔تو سفیان ثوریؒ نے فرمایا'' اللہ کی قسم! وہ بہت عقلمند تھے۔ اپنی نیکیوں پر کوئی ایسا عمل مسلط نہیں کرنا چاہتے تھے جو ان کی نیکیوں کو ضائع کر دے''۔

امام ابو یوسفؒ جو امام ابوحنیفہؒ کے تلمیذہ ہیں فرماتے ہیں'' امام اعظم ابوحنیفہؒ حرام سے خود بھی بچتے اور دوسروں کو بچانے کی شدید کوشش کرتے۔ بغیر علم کے کوئی بات کہنے سے بہت ڈرتے تھے۔عبادات میں انتہائی مجاہدہ کرتے۔ اکثر خاموش رہتے اور دینی مسائل میں غور و فکر کیا کرتے۔علم و عمل میں بلند مرتبہ ہونے کے باوجود عاجزی و انکساری کا پیکر تھے۔ اگر آپؒ سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو قرآن و سنت کی طرف رجوع کرتے اور اُس میں نظیر نہ ملتی تو حق طریقہ پر قیاس کرتے تھے''۔

آپؒ کا نفس تمام لوگوں سے بے نیاز تھا اور لالچ وحرص کی طرف میلان نہ تھا۔آپؒ نے پہلا حج سولہ (16) سال کی عمر میں 86ھ میں ادا کیا اس کے بعد آپؒ کو پچپن (55) مرتبہ حج کی سعادت نصیب ہوئی۔

درس و تدریس کی ابتداء:

امام اعظم ابوحنیفہؒ کو اپنے استاذ حضرت امام حمادؒ کے حلقہ درس میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ جب

حضرت حمادؒ کا وصال ہوا اور اُن کے بیٹے والد کی جانشینی کے لئے راضی نہ ہوئے تو حضرت ابو حنیفہؒ نے فرمایا ''میں نہیں چاہتا کہ علم مٹ جائے اور ہم دیکھتے رہ جائیں''۔ پھر آپؒ اپنے استاد حضرت حمادؒ کی مسند پر بیٹھ کر علم وفضل کے دروازے کھول دیئے۔ احسان وکرم کی مثالیں قائم کیں اور اپنے شاگردوں کو اس خوبی سے زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا کہ مستقبل میں علم وفضل کے آفتاب بن کر چمکے۔ (مناقب للموفق)

عبادت و ریاضت:

علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ''امام ابوحنیفہؒ کا پوری رات عبادت کرنا اور تہجد پڑھنا تواتر سے ثابت ہے۔ آپؒ تیس (30) سال تک ایک رکعت میں مکمل قرآن پڑھتے اور یہ بھی مروی ہے کہ آپؒ نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز چالیس (40) سال تک پڑھی''۔ امام مسعرؒ فرماتے ہیں کہ ''میں نے امام اعظمؒ کو کبھی بغیر روزہ رکھے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ ہی کبھی رات میں سوتے ہوئے پایا۔ البتہ ظہر سے قبل آپؒ کچھ دیر آرام کرلیا کرتے تھے۔ آپؒ کا ہمیشہ یہی معمول رہا''۔ (الخیرات الحسان)

علم و فضل:

امام ابوحنیفہؒ نے اپنے طالبِ علمی کے زمانے میں کوفہ (عراق) سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کئی مرتبہ سفر فرمایا اور وہاں کے محدثین فقہا سے استفادہ کیا۔ آپؒ نے امام باقرؒ، امام جعفر صادقؒ اور امام زین العابدینؒ سے اخذ فیض کیا۔ **ائمہ اربعہ میں صرف آپؒ کو تابعی ہونے کا شرف حاصل ہے۔**

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے علم وفضل، ذہانت ولطافت، فقہی تبحر اور زہد ورع پر اولین وآخرین علماء کا ''اجماع'' ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام سفیان ثوریؒ امام عبداللہ بن مبارکؒ امام اعمشؒ، امام ابن عُیینہؒ، امام داؤد طائیؒ، امام عبدالرزاقؒ بن ہمامؒ، امام جعفر صادقؒ، امام ابن جریجؒ اور امام اوزاعیؒ جیسے کبار ائمہ فنِ حدیث آپؒ کی جلالتِ شان کا اعتراف کیا کرتے تھے۔

امام شافعیؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد حضرت محمد بن شیبانیؒ اور حضرت وکیعؒ کے شاگرد ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ کے شاگرد ہیں۔ امام مالکؒ جو امام ابوحنیفہؒ سے تیرہ برس چھوٹے ہیں آپؒ کی عظمت اور جلالت کے معترف ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اپنی تابعیت اور جامعیتِ کمال کی بناء پرؒ **امام الائمہ اور امام اعظم** کہلانے کے مستحق ہیں۔ اپنی گزر بسر کے لئے آپؒ نے ریشمی کپڑوں کی تجارت کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا۔ تجارت میں جو نفع آتا اُس کا بڑا حصہ اہل علم کی خبرگیری اور طلبہ کی کفالت میں صرف کرتے۔ چنانچہ

قاضی ابو یوسفؒ جو امام ابو حنیفہؒ کے تلمیذہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ ''آپؒ نے بیس (20) سال تک میرے اور میرے گھر والوں کی کفالت فرمائی۔''

امام ابو حنیفہؒ تدوینِ شریعت اور تبویت و ترتیبِ احادیث میں یگانہ روزگار (بے نظیر) ہیں۔ امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ کی کتابوں سے استفادہ کرتے تھے۔ 140ھ تا 150ھ تک امام اعظمؒ کی تمام کتابیں منصۂ شہود پر آ چکی تھیں۔ آپؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قائم کردہ مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مسائلِ فقہ کی تدوین اور احادیثِ صحیحہ کا انتخاب کر کے مجموعہ پیش کیا۔ آپؒ کی فروعات (روایات) بطریق املاء(Dictation) ہیں۔

فقہ و اجتہاد:

حضرت ابو حنیفہؒ کے اجتہاد کا ماخذ قرآن و سنت کے بعد آراء صحابہ اور قیاس(Analogy) کے اصولوں پر مبنی ہوتا تھا۔ جن مسائل میں نصوص (قرآنی دلائل) نہیں ملتے اُن میں کوفہ کے مروجہ تعامل (عامل یعنی قاضی کے فیصلوں) پر عمل کرتے تھے۔ حضرت ابو حنیفہؒ کے بنیادی مراجع قرآن و سنت تھے اور اُن سے مسائل کے استنباط (Inference) میں اُن کی رائے بڑی دقیق(Deep rooted) اور بصیرت بڑی گہری تھی۔ آپؒ کے فقہی اور اجتہادی نقطِ نظر میں رائے و قیاس کی جو اہمیت ہے، اُس کی بنیاد حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث پر ہے جسے ابو داؤد، ترمذی اور دارمی نے روایت کیا۔

یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ حضرت امام اعظمؒ باوجود قیاس اور رائے کے قائل ہونے کے خبرِ واحد کو قیاس پر مقدم رکھتے تھے۔ اُس طرح آپؒ ضعیف حدیث کو اور آثار صحابہؓ کو قیاس پر ترجیح دیتے تھے۔

جہاں تک فقہ اور علمِ شریعت کی تدوین(Compilation) کا تعلق ہے امام ابو حنیفہؒ کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ آپؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقہی مسائل کے ابواب قائم کئے پھر اُن کی مطابعت میں امام مالکؒ نے ''موطا'' مرتب کی۔ حضرت ابو حنیفہؒ نے پہلی بار کتاب الفرائض اور کتاب الشروط کو مرتب کیا۔ اور آپؒ نے قانون بین الممالک(International Law) کو علیحدہ فقہی خانہ میں رکھا۔ یہ بات مشہور ہے کے آپؒ نے جو مسائل مدون کئے ہیں اُن کی تعداد 'تیرہ لاکھ' تک پہنچتی ہے۔ اُسی بناء پر امام شافعیؒ نے فرمایا! ''لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کے محتاج ہیں''۔

آپؒ کے آخری دور میں آپؒ نے اہلِ سنت، اولادِ امیر المؤمنین، حضرت ابراہیم بن عبداللہ المحضؒ

کے خروج (نزول) کے حکمِ خلیفہ منصور کے موقع پر اُن کی معاونت اور نصرت (مدد) کا فتویٰ دیا جس کی پاداش میں خلیفہ ناراض ہوکر آپ ؒ کو قید کردیا جو آپؒ کی وفات کا سبب بن گیا۔ آپکا وصال 150ھ 15 رجب بعمر 70 سال بغداد میں ہوا۔ آپؒ کا مزار بغداد میں مرجع عام وخاص ہے۔

علم و فضل :۔ دنیائے علم وفقاہت میں صحابہ کرامؓ کے بعد قانونِ اسلامی کے سب سے بڑے ماہر امام اعظم ابوحنیفہؒ ہیں جن کے فیض سے دنیا بھر کے قانون داں فیض یاب ہوتے رہے ہیں اور آئیندہ بھی ان کی خوشہ چینی کرتے رہیں گے۔ چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں ''ابوحنیفہؒ سے زیادہ عقل مند کسی عورت نے نہیں جنا''۔ نیز فرمایا ''فقہ میں وہ (ابوحنیفہؒ) صاحبِ خانہ ہیں اور باقی سب اُن کے بال بچے (اعیال) ہیں''۔ (مکتوبات فارسی)

مجدد الف ثانی ؒ فرماتے ہیں ''ملتِ سلامیہ کا سوادِ اعظم (اکثریت) امام ابوحنیفہؒ کا پیروکار ہے۔ مذہبِ حنفی، اصول وفروع میں ممتاز اور احکام کے استنباط میں الگ طریقہ رکھتا ہے جو اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ (ذیل الجواہر المضیہ)

حضرت امام اعظمؒ کی مجلس علمیہ چالیس (40) جلیل القدر نفوس پر مشتمل تھی جن میں سے ہر ایک زبان عربی کا ماہر، محدث، مفسر، فقیہ اور استنباطِ مسائل کی صلاحیت رکھنے والا تھا۔ آپؒ مجلس کے صدر تھے۔ اس مجلس میں قرآن وحدیث سے اصولِ معتبر کے مطابق مسائل زیر بحث آتے تھے اور آپؒ کے فیصلہ لینے کے بعد اُن کو املا (Dictation) کردیا جاتا تھا۔ اُن مسائل کی تعداد کم از کم تراسی ہزار (83,000) ہے اور جن کتابوں میں یہ مسائل لکھے گئے ہیں آپؒ کے تلمیذہ امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ، امام زفرؒ اور امام حسنؒ بن زیاد کی روایتوں سے ثابت ہیں۔ ان کتب کو ''ظاہر الروایات'' اور ''نوادر'' کہا جاتا ہے۔ یہ سب طبقات اولیٰ کی کتابیں ہیں۔

8- حضرت امام مالک علیه الرحمة(93-179)ھ:۔

سوال :103:۔ فقیہ الامۃ شیخ الاسلام امام مالک علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور آپؒ کے علم وفضل کے بارے میں تفصیل سے بیان کیجئے ؟

جواب :۔ نام ونسب! آپؒ کا اسمِ گرامی حضرت **مالکؒ** بن انس بن مالک بن ابی عامرؓ کا شمار جلیل القدر امام حدیث وفقہ میں ہوتا ہے۔ آپؒ کا نسب ذی اصبح تک پہنچتا ہے جو یمن کے ایک قبیلے کا نام ہے۔ آپؒ

کے اجداد (بڑے بزرگوں) میں سے ایک مدینہ آ کر آباد ہوگئے۔ آپؒ کے پردادا حضرت ابو عامرؓ اصحابِ رسول ﷺ میں سے ہیں جو بدر کے سوا تمام غزوات (Battles) میں حضور ﷺ کے ساتھ شرکت کی سعادت (بھلائی) سے بہرہ اندوز (سرفراز) ہوئے۔

امام مالکؒ 93ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور علمائے مدینہ سے کسب فیض کیا۔ آپؒ کے اساتذہ میں حضرت عبد الرحمٰن بن ہرمزؒ، حضرت نافع مولیٰ ابن عمرؒ، حضرت محمد بن المنکدرؒ، حضرت ابوالزبیر زہریؒ اور کثیر تابعین وتبع تابعین ہیں۔ آپؒ کے شیوخ واساتذہ کی تعداد نوسو(900) بتائی جاتی ہے۔ جس میں سے تابعین تین سو(300) اور تبع تابعین چھ سو(600) ہیں۔ یہ سب حضرات علماء تھے۔ پہلی وجہ ہے کہ آپؒ نے بعض صالح اور متقی لوگوں سے احادیث صرف اس لئے روایت نہیں کیں کیوں کہ وہ محدث نہ تھے۔ امام مالکؒ نے حضرت یحییٰ انصاریؒ اور امام زہریؒ سے روایت نہیں کی۔ حالانکہ یہ دونوں حضرات آپؒ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔

آپؒ کے تلمیذہ (شاگردوں) میں قابل ذکر!

حضرت ابن جریجؒ، حضرت یزیز بن عبداللہ ہادیؒ، حضرت اوزاعیؒ، حضرت ثوریؒ، حضرت ابن عُیینہؒ، حضرت لیثؒ، حضرت ابن مبارکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت ابن علیہؒ، حضرت ابن وہبؒ، حضرت ابو یوسفؒ اور حضرت محمدؒ شاگرد حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام ابن مہدیؒ، حضرت معینؒ بن عیسیٰ اور بے شمار لوگ۔

آپؒ کی امامت اور جلالت، حدیث کی نقد و جرح (Critical Examination) میں مہارت و بصیرت (Expert Knowledge) اور کتاب وسنت سے استخراجِ احکام (مسائل کا حل دریافت کرنے) میں فراست (وجدان Intution) پر سب علماء کا اجماع (Consensus) منعقد ہو چکا' جس پر آپؒ کے اقران وامائل (مقامی اور دُور دَراز کے علماء) اور معاصرین (ہم زمانہ) سب معترف (قائل) ہیں۔

حضرت حبیب الوراقؒ آپؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''میں امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن سے دریافت کیا کہ آپؒ فلاں تین راویوں سے حدیثیں کیوں نہیں روایت فرماتے''۔ تو آپؒ نے اپنا سر جھکا لیا اور فرمایا ''ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ '' (آپؒ اکثر یہ جملہ کہا کرتے تھے)۔ پھر فرمایا ''اے حبیبؒ! میں نے مسجد نبویؐ میں ستر (70) ایسے اصحاب کو دیکھا جو صحابہؓ کو مل چکے ہیں اور تابعینؒ سے روایت بھی کر چکے ہیں مگر میں نے اُن سے ایک حدیث بھی روایت نہیں کی اس لئے کہ ہم اُن

لوگوں سے روایت کرتے ہیں جو اس کے اہل ہوتے ہیں۔'' حضرت امام مالکؒ روایتِ حدیث میں نہایت ثقہ (قابل اعتماد) اور ماہر رواۃ ورجال تھے۔

حضرت امام مالکؒ نہایت متواضع (Polite) اور منکسر المزاج (عاجزی پسند)، آپ حد درجہ حیادار تھے۔ نبی کریم ﷺ سے والہانہ عشق وشیفتگی رکھتے تھے۔ چنانچہ زندگی بھر مدینہ میں کسی جانور پر اس لئے سوار نہ ہوئے کہ **اس سرزمین پر حضور ﷺ آرام فرما رہے ہیں۔**

سن 147ھ میں حضرت امام مالکؒ پر ایک عظیم ابتلا (آزمائش) آیا اور آپؒ کو خلیفہ منصور کے عامل نے جو مدینہ میں متعین تھا ستر کوڑے مارے۔ جب خلیفہ منصور کو اس بات کا پتہ چلا تو اُس نے اپنے عامل (گورنر) پر اظہار غیض وغضب کیا اور اُسے معزول (Dismissed) کر دیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اُس ابتلا (آزمائش) کی وجہ امام مالکؒ کا فتوی تھا جس میں آپؒ نے کہا تھا کہ ''کسی شخص کو طلاق دینے پر مجبور کیا جائے تو اس کی طلاق نہیں ہوتی''۔ اُن دنوں جب خلیفہ کسی شخص سے بیعت لیتا تو اس کو اس بات پر مجبور کیا جاتا تھا کہ اگر وہ خلیفہ کی بیعت کو توڑ دے تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ لہذا حکمران طبقہ نے خیال کیا کہ لوگ امام مالکؒ کے فتوی کی بناء پر آسانی سے خلیفہ منصور کی بیعت توڑ دیا کریں گے۔

اگلے سال، خلیفہ منصور نے ایام حج میں امام مالکؒ سے ملاقات کر کے آپؒ سے معذرت چاہی اور بہت سے دینی مسائل دریافت کئے۔ خلیفہ منصور نے امام مالکؒ سے درخواست کی کہ ''جو احادیث اور آثار آپؒ کو معلوم ہیں اُن کو ایک کتاب میں جمع کر دیں''۔ آپؒ نے کتاب مرتب کرنے پر معذرت چاہی مگر خلیفہ کے اصرار پر کتابِ حدیث تالیف فرمائی اور اس کا نام ''موطا'' رکھا۔ ''موطا'' کے لفظی معنی پامال اور ہموار راستہ کے ہیں۔ جب خلیفہ مہدی اُس کے بعد عازم حج ہوا تو اُس نے امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر ''موطا'' کا سماع کیا (کتاب موطا کی احادیث کو سُنا)۔ پھر تو امام مالکؒ خلفاء وعلماء کے احترام و اکرام کے مرکز بنے رہے۔ آپؒ ترمذی (کتاب الحدیث) کی اس حدیث کے مصداق ہیں!

''فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''وہ زمانہ کچھ دُور نہیں جب لوگ سوختہ جگر اونٹوں پر سوار ہو کر علم کی تلاش میں نکلیں گے اور مدینہ کے عالم سے بڑھ کر کسی کو نہ پائیں گے''۔ چنانچہ لاتعداد علماء وفقہا نے باختلاف مسالک ومشارب ''موطا'' امام مالک کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جن میں امام شافعیؒ، امام محمدؒ اور دیگر شامل ہیں۔

خلیفہ ہارون رشید اور اُس کے دونوں بیٹے امین و مامون نے موسم حج میں امام مالکؒ کی ''موطا'' کا سماع کیا اور کہا کہ ''میں آپؒ کی کتاب کو خانہ کعبہ میں آویزاں (Exibit) کرنا چاہتا ہوں اور یہ کہ اس کتاب (موطا) کی نقل اطراف ملک میں بھیجی جائیں تاکہ لوگ اُس پر عمل کرنے پر مجبور ہوں''۔آپؒ نے فرمایا ''یوں نہ کیجئے کیونکہ حضورﷺ کے صحابہ دُور دَراز شہروں میں پھیل چکے ہیں۔انہوں نے جو احادیث روایت کیں ہیں وہ اہل حجاز (مدینہ) کی روایت سے مختلف ہیں۔لوگوں کو ان کے حال پر رہنے دو''۔خلیفہ ہارون نے کہا ''ابوعبداللہ (امام مالکؒ) آپؒ کو اللہ جزائے خیر دے''۔

خلاصہ یہ کہ امام مالکؒ حدیث وفقہ دونوں فن میں امامت پر فائز رہے۔

امام مالکؒ کا 179ھ میں مدینہ منورہ میں وصال ہوا اور جنت البقیع میں آرام فرما ہیں۔

9- **حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ** (150-204ھ):۔

سوال:104:۔فقیہ الامۃ شیخ الاسلام امام شافعی علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور آپؒ کے علم وفضل کے بارے میں واضح تذکرہ کیجئے؟

جواب:۔آپؒ کا اسم گرامی ۔**محمد بن ادریس**،کنیت ۔**ابوعبداللہ** ہے اور آپؒ قرشی مُطلّبی ہیں۔آپؒ کا سلسلہ نسب دسویں پشت پر حضرت عبد مناف پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔آپؒ کے اجداد میں **حضرت شافع**ؓ ہیں جن کو جوانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار وملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت شافعؓ کے والد حضرت سائبؓ نے جنگ بدر کے موقع پر اسلام قبول کیا۔امام شافعیؒ کی والدہ محترمہ کا نام **فاطمہ** بنت عبید اللہ بن الحسن بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہے۔آپؒ کی سنِ ولادت 150ھ مطابق 767ء میں بمقام غزہ (فلسطین) اور ایک روایت کے مطابق مقام عسقلان میں ہوئی۔

امام شافعیؒ کے ابتدائی ایام نہایت عسرت اور تنگدستی میں گزرے۔سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔دس سال کی عمر میں امام مالکؒ کی کتابِ حدیث وفقہ ''موطا'' کو حفظ کرلیا۔اسکے بعد تحصیل علوم کے لئے مدینہ منورہ پہنچے اور امام مالکؒ کی بارگاہ میں زانوئے ادب تہہ کیا۔یعنی شاگردوں میں شامل ہوگئے۔

حضرت امام مالکؒ آپؒ کی ذہانت،فطانت،ذکاوت،حاضر دماغی،اعلیٰ فہم،وسیع علم،استنباط و استخراج کی صلاحیت کی بناء پر پندرہ (15) سال کی عمر میں ہی فتویٰ دینے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ حضرت امام شافعیؒ کو عربی لغت وادب پر بڑا عبور اور عربی بیان پر قدرت اور کامل دستگاہ حاصل تھی۔آپؒ

کلامِ لغت میں حجت (Authentic) کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپؒ کو قرآن و حدیث، فقہ اسلامی اور دیگر علوم وفنون میں شہرت حاصل تھی۔

189ھ م 805ء میں آپؒ کے مراسم (ربط) فقہ اسلامی کے موجد (Founder) امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگرد خاص حضرت امام محمد بن حسن الشیبانیؒ سے قائم ہوئے۔ امام محمدؒ کی شاگردی اور عراقی فقہاء سے تبادلہ خیال اور بعض اوقات مناظروں نے حضرت امام شافعیؒ کے ذہن وفکر پر گہرا اثر چھوڑا۔

محدثین اور فقہا کی صحبتِ با فیض میں امام شافعیؒ کو حدیث و فقہ کے میدان میں خوب شہرت حاصل ہوئی۔ قرآن کے معانی و مفاہیم کا اعلیٰ فہم، استخراج و استنباط کی عمدہ صلاحیت کی بناء پر جب امام شافعیؒ ملکِ شام سے مکہ مکرمہ پہنچے تو امام مالکؒ کے شاگرد ہونے کی حیثیت سے آپؒ کا پرتپاک استقبال کیا گیا۔ چنانچہ بیت اللہ شریف میں درس دینا شروع کیا، فقہی جزئیات وفروعی مسائل پر غیر معمولی بحث فرماتے، امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے فقہی اختلافات کا ذکر کرتے اور اُن کے دلائل و براہین پیش کرتے اور اپنا نقطہ نظر بیان کرتے تھے۔

امام شافعیؒ 195ھ م 810ء۔ 811ء میں بغداد میں مقیم ہوئے اور کامیابی کے ساتھ حلقہ درس قائم فرمایا۔ اس دوران آپؒ کی ملاقات مصر کے والی عباس بن موسیٰؒ کے فرزند عبداللہؒ سے ہوئی اور آپؒ کچھ عرصہ کے لئے مصر تشریف لے گئے۔ بعد ازاں 200ھ م 815ء دوبارہ مصر واپس تشریف لائے اور مستقل سکونت اختیار کر لی اور علم وحکمت کے چراغ روشن کئے۔ بالآخر حدیث و فقہ کے یہ امام شافعیؒ ساری دنیا کو علم وفن سے روشن کر کے رجب المرجب کی آخری تاریخ 204ھ م 20/جنوری 820ء کو اس دارِ فانی سے رحلت فرمائے۔

امام شافعیؒ کے اجتہادات، افکار وخیالات، مسائل واحکام، اندازِ بحث اور معتقدات کو پیش کرنے کے طریقے اور اصول فقہ کو سمجھنے میں آپؒ کی ''کتاب الام'' اہم تصنیف ہے جو اہل سنت و جماعت کے مسالک کی تشریح وتعبیر کے لئے بڑا قیمتی سرمایہ ہے۔ امام شافعیؒ کے مشہور تلامذہ (شاگردوں) میں حضرت المزنیؒ 264ھ، حضرت سیوطیؒ 231ھ، حضرت الربیعؒ 270ھ، حضرت الکرابیسی 248ھ، حضرت الزعفرانیؒ 260ھ اور امام احمد بن حنبلؒ 241ھ شامل ہیں۔

آپؒ کے اہم مشاہیر شوافع میں امام نسائیؒ 303ھ م 915ء، حضرت الاشعریؒ 324ھ م 935ء،

حضرت الشیرازیؒ 276ھ م 1083ء، امام غزالیؒ 505ھ م 1111ء، امام فخر الدین رازیؒ 606ھ م 1210ء اور امام النوویؒ 676ھ م 1277ء شامل ہیں۔

عظیم یونیورسٹی جامعہ ازہر (مصر) میں آج بھی فقہ شافعیؒ کا غلبہ ہے۔ شافعی مسلک اختیار کرنے والے جنوبی عرب، بحرین، انڈونیشیا، ملیشیا، مصر، مشرقی افریقہ اور وسط ایشیاء کے بعض حصوں میں صاحبِ اقتدار ہیں۔

10- **امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ** (164-241) ہجری:-

سوال: 105:- فقیہ الامۃ شیخ الاسلام امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور آپؒ کے علم و فضل کے بارے میں مختصر مگر جامع تذکرہ کیجئے؟

جواب:- اسم گرامی **احمد**، کنیت **ابوعبداللہ** اور لقب **امام الائمہ** اور **حافظ الامۃ**۔ والد ماجد کا نام حضرت **حنبل شیبانیؒ** مروازی ثُم بغدادی ہے۔ سنہ 164ھ میں شہر بغداد میں آپؒ کی ولادت ہوئی۔ سنہ 187ھ میں اپنے آپ کو سماعِ حدیث کے لئے وقف کر دیا۔

آپؒ کے شیوخ میں حضرت ہیثمؒ، حضرت ابراہیم بن سعیدؒ، حضرت سفیان بن عُیینہؒ، حضرت یزید بن ہارونؒ، حضرت یحییٰ بن سعیدؒ القطان، حضرت عبدالرزاقؒ اور امام شافعیؒ شامل تھے۔ امام شافعیؒ، حدیث و فقہ میں مہارت کے باوجود' احادیث کی تصحیح (Correction) کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ پر اعتماد کرتے تھے۔ چنانچہ امام شافعیؒ، عبدالرزاقؒ اور حضرت وکیعؒ آپؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طۓ کیا حالانکہ یہ تینوں بزرگ آپؒ کے اساتذہ رہے۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ بھی آپؒ کے تلمیذہ (شاگردوں) میں شامل ہیں۔ آپؒ نے حدیث و فقہ کی جانب پوری توجہ مبذول فرمائی حتیٰ کے اہل حدیث آپؒ کو اپنا امام و فقیہ قرار دیتے ہیں۔

سن 198ھ میں جب امام شافعیؒ بغداد تشریف لائے تو امام احمد بن حنبلؒ آپؒ کے وابستۂ دامن ہو کر استفادہ کرتے رہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں!

''میں جب بغداد سے نکلا تو اپنے پیچھے حضرت احمد بن حنبلؒ سے بڑھ کر صاحبِ علم و فضل، عابد و زاہد شخص نہیں چھوڑا''۔

حضرت یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں! ''حضرت احمد بن حنبلؒ میں جو اوصاف ہیں وہ میں نے کسی عالم میں نہیں دیکھے''۔

حضرت اسحاق بن راھویہؒ عظیم محدث فرماتے ہیں!

''حضرت احمد بن حنبلؒ کائنات پر اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان حجت (Argument) ہیں''۔

الغرض آپؒ کے تمام معاصرین (ہم زمانہ علماء) نے باختلاف مذہب ومسلک آپؒ کے علم وفضل اور حدیث وفقہ میں مہارت کا اعتراف کیا ہے۔

220ھ میں خلیفہ مامون کے بعد خلیفہ معتصم پر غلبہ پاکر بعض **اہل معتزلہ** نے خلیفہ سے کہا کہ لوگوں کو ''خلقِ قرآن'' یعنی قرآن کلام اللہ نہیں بلکہ مخلوق ہے کا عقیدہ تسلیم کرنے پر مجبور کیا جائے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اِس نظریہ معتزلہ کو ماننے سے صاف انکار کردیا، جس کی پاداش میں آپؒ کو قید و بند کی صعوبتوں (سزاؤں) سے دوچار ہونا پڑا۔ آپؒ کو درّے (کوڑے) مارے گئے لیکن آپؒ نے عقیدہ صحیحہ (کلام اللہ صفتِ الٰہی ہے)، پر قائم رہے یعنی قرآن قدیم ہے نہ کہ حادث (مخلوق) جیسے کہ معتزلہ کہتے ہیں۔ اِس واقعہ کے رونما ہونے کے بعد اُس وقت کے بلند مرتبت عارف باللہ صاحبِ حال بزرگ حضرت بشر الحافی ؒ نے فرمایا!

''امام احمد بن حنبلؒ کو بھٹی (آگ) میں ڈالا گیا تو آپؒ کندن (Pure Gold) بن کر نکلے''۔ یعنی جتنا آپ پر ظلم وستم کیا گیا اتنی آپؒ میں استقامتِ دین قوی ہوتی گئی۔

خلفاء مامون، معتصم اور واثق کے زمانے کے بعد خلیفہ متوکل جانشین خلافت ہوا تو یہ ظلم وستم کا خاتمہ ہوا۔ اور اُس نے ایک لاکھ درہم بطور نذرانہ حضرت احمد بن حنبلؒ کے پاس پیش کیا مگر آپؒ نے یہ فرماکر لینے سے انکار کردیا کہ ''میں اپنے ہاتھ سے کھیتی باڑی کرلیا کرتا ہوں جو مجھے کافی ہے۔ یہ رقم فقراء ومساکین میں تقسیم کردی جائے''۔ نیز خلیفہ متوکل کی اس تعظیم وتکریم پر آپؒ نے فرمایا! ''یہ آزمائش اس سے بھی سخت تر ہے۔ پہلے دین کی آزمائش تھی اور اب دنیا کی ہے''۔

چنانچہ حضرت علی بن المدینیؒ محدث فرماتے ہیں! ''دین اسلام میں امام احمد بن حنبلؒ کے جیسی استقامت کسی شخص نے نہیں دکھلائی''۔

حضرت احمد بن حنبلؒ کا وصال مبارک 241ھ میں شہر بغداد میں ہوا۔ جب کہ تمام علماء آپؒ کے ثناخواں اور مدح گستر (گرویدہ) تھے۔

مُسندِ احمد (کتاب حدیث):۔

تیسری صدی ہجری میں امام احمد بن حنبلؒ عظیم کتابِ حدیث ''**مسند امام احمد**'' تحریر فرمائی۔

آپؒ اس کتاب میں سب سے پہلے ایک صحابیؓ کا نام لکھتے ہیں پھر وہ احادیث بیان کرتے ہیں جو انہوں نے روایت کیں۔ پھر اسکے بعد دوسرے صحابیؓ کا نام ذکر کرتے علیٰ ہذا القیاس یہ ترتیب وتہذیب آپؒ کے زمانے کے طریقہ سے ہم آہنگ ہے۔ آپؒ نے فقہی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا۔ ''مسند امام احمد'' میں مکررات کا شمار نہ کیا جائے تو تیس ہزار (30,000) احادیث ہیں جن میں تین سو (300) احادیث ایسی ہیں جن میں امام احمد بن حنبلؒ اور رسول کریمﷺ کے درمیان صرف تین راوی ہیں۔ ''مسند امام احمد'' کی اُن احادیث کو سات لاکھ پچاس ہزار (7,50,000) احادیث سے منتخب فرمایا۔ حضرت عثمان بن مبارکؒ فرماتے ہیں!

''جب کسی حدیث کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو جائے تو ''مسند امام احمد'' کی طرف مراجعت کریں۔ اس میں وہ حدیث نہ پائیں تو اُسے حجت تصور نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ مسند احمد میں ضعیف احادیث بھی ہیں جو ''حسن لذاتہ یا حسن لغیرہ'' درجہ کے ہیں۔ ان دونوں درجہ احادیث کے ساتھ علماء کے نزدیک احتجاج (حجت لینا) کیا جا سکتا ہے''۔

البتہ موجودہ ''مسند احمد'' سب کی سب احادیث امام احمد بن حنبلؒ کی روایت کردہ نہیں بلکہ اُن کے بیٹے حضرت عبداللہؒ اور حضرت ابوبکر قطیعیؒ نے بہت سی احادیث کا اضافہ کیا ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے مسند احمد کی بعض احادیث کو ''موضوع'' قرار دیا اُنہوں نے عبداللہ بن احمدؒ اور ابوبکر قطیعیؒ کے اضافہ کو ملحوظ رکھا ہے۔

11-**حضرت امام اوزاعی علیہ الرحمۃ** (88-157)ھ:۔

سوال :106:۔ شیخ الاسلام حضرت امام اوزاعی علیہ الرحمۃ کی امامت وجلالت اور مہارتِ حدیث وفقہ کے بارے میں جامع تذکرہ کیجئے؟

جواب:۔ آپؒ کا اسمِ گرامی **عبدالرحمٰن بن عمرو**، کنیت **شامی ودمشقی** ہے۔ اپنے زمانے میں بلا نزاع و جدال اہلِ شام کے امام رہے ہیں۔ اہلِ شام مالکی مسلک اختیار کرنے سے پہلے امام اوزاعیؒ کے فقہی مسالک پر عامل تھے۔ آپؒ نے کثیر تابعین سے استفادہ فرمایا جن میں حضرت عطا بن رباحؒ، حضرت نافع مولیٰ ابن عمرؓ، حضرت زہریؒ اور حضرت محمد بن المنکدرؒ شامل ہیں۔

آپؒ سے کسب فیض کرنے والوں (تلامذہ) میں شیوخ واساتذہ کی ایک جماعت ہے مثلاً حضرت قتادہؒ، حضرت زہریؒ، حضرت یحییٰ بن ابی کثیرؒ اور ان کے معاصرین (ہم زمانہ) ائمہ کبار میں سے حضرت سفیانؒ

حضرت امام مالکؒ حضرت شعبہؒ حضرت عبداللہ مبارکؒ اور دیگر محدثین ہیں۔

تمام علماء امام اوزاعیؒ کی امامت و جلالت و علو مرتبت' (High Stature) کمال وفضل (Excellence) اور مہارتِ حدیث وفقہ کے بارے میں متفق اللسان (یک زبان۔قائل) ہیں۔آپؒ حد درجہ متبع سنت اور فصیح و بلیغ(Eloquent) رہے۔

چنانچہ، حضرت عبدالرحمٰن بن مہدیؒ فرماتے ہیں'' ملک شام میں حضرت اوزاعیؒ سے بڑھ کر حدیث وسنت کا کوئی عالم نہ تھا۔حدیث کے امام دراصل چار ہیں (1) حضرت امام اوزاعیؒ (2) حضرت امام مالکؒ (3) حضرت امام سفیان ثوریؒ (4) حضرت امام حماد بن زیدؒ۔''

حضرت معقلؒ جن کو حضرت امام اوزاعیؒ سے روایت کرنے میں ثقہ ترین راوی (Most Trustworthy) خیال کیا جاتا ہے' فرماتے ہیں'' امام اوزاعیؒ نے ستر ہزار (70,000) کے قریب دینی سوالات کا جواب دیا۔اُن کے معاصر علماء آپؒ کا حد درجہ احترام کرتے اور آپؒ کو امام تسلیم کرتے تھے اور کہتے تھے کہ حضرت اوزاعیؒ بڑے عابد زاہد اور بے باک حق بات کہنے والے تھے''۔حضرت ابو حاتمؒ کا قول ہے'' حضرت اوزاعیؒ ایک لائق اور قابل امام ہیں''۔

حضرت سفیان ثوریؒ سے منقول ہے کہ جب اُن کو حضرت اوزاعیؒ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو ''ذی طویٰ'' کے مقام پر پہنچ کر ان کا استقبال کیا اور حضرت سفیان ثوریؒ نے اونٹ (Camel) کو جس پر وہ سوار تھے آزاد کر دیا اور امام اوزاعیؒ کو اپنی گردن (Shoulder) پر بٹھا لیا۔اُس حالت میں جب ان کا گزر لوگوں کی جماعت کے پاس سے ہوتا تو کہتے'' شیخ کے لئے راستہ خالی کرو''۔اس واقعہ سے امام اوزاعیؒ کی بلند مقامی اور عظمت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ حضرت امام اوزاعیؒ کے متعلق فرماتے ہیں'' حَدِيْثُهٗ ضَعِيْفٌ ''(وہ ضعیف حدیث روایت کرتے ہیں) تو امام بیہقیؒ جیسے محققین کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت امام اوزاعیؒ بعض فقہی مسائل کے بارے میں ضعیف احادیث سے احتجاج (حجت لیا) کرتے ہیں۔ظاہر ہے کہ اس سے امام اوزاعیؒ کی شان میں قدح (نقص) وارد نہیں ہوتی۔اس لئے کہ:

(1) شرعی احکام پر استدلال کرنے کے بارے میں علماء کے مختلف مسالک (Views) ہیں۔اکثر ایسا ہوتا ہے کہ علماء احادیثِ مرسلہ (جس کی سند میں تابعی کے بعد ایک راوی ساقط ہو) بلکہ منقطع وموقوف (جو

صحابیؓ پر یا تابعیؒ پر منتہی ہو) احادیث کے ساتھ بھی احتجاج کرتے ہیں۔خصوصاً اُس وقت جب احادیثِ ضعیفہ متعدد طریق واسانید سے مروی ہوں یا اُن کے کچھ شواہد (Supporting Evidence) ہوں جواُن کی تائید کرتے ہوں۔

(2) دوسری بات یہ کہ محدثین احادیثِ صحیحہ کی روایت ونقل پر اکتفاء (کافی سمجھا) نہیں کرتے ہیں، بلکہ موضوع (Fabricated) حدیث ذکرکر کے اس کا موضوع ہونا واضح کر دیتے ہیں۔

(3) اس طرح وہ احادیثِ ضعیفہ بھی روایت کرتے ہیں۔لہذا جب حدیثِ ضعیف متعدد طرق (کئی اسانید) سے مروی ہواور اس کے کوئی شواہد (Support) موجود ہوں تو اس کے ساتھ احتجاج (حجت لینا) جائز ہے۔اس قسم کے دیگر غایات ومقاصد بھی ہوتے ہیں۔

حضرت امام اوزاعیؒ 88ھ میں پیدا ہوئے اور 157ھ میں رحلت (وصال) فرمائی۔آخری عمر آپؒ بیروت (لبنان) میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

12-**امام بخاری علیہ الرحمۃ** (194-256)ھ:۔

سوال:107:۔امام بخاری علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور آپؒ کی خدمات حدیث وفقہ کے بارے میں مختصر تذکرہ کیجئے؟

جواب:۔ اسم گرامی۔**محمد**،کنیت **ابوعبداللہ**،نسب **محمد** بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری۔ لقب۔**امام المحدثین وشیخ الحفظ** ہے۔آپؒ شہر بخارا میں 194ھ میں پیدا ہوئے۔آپؒ فرماتے ہیں!

''میں ابھی مکتب میں زیرِ تعلیم تھا مجھے حدیث یاد کرنے کا الہام (Inspiration) ہوا''۔اُس وقت آپؒ کی عمر شریف دس (10) سال کی تھی۔جب آپؒ کی عمر سولہ (16) سال کی ہوئی تو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور حضرت وکیعؒ کی کتب یاد کرلیں۔اس طرح اصحاب الرائے (فقیہ) کے خیالات سے بھی آگاہ ہو گئے۔اٹھارہ (18) سال کی عمر میں پہلا حج کیا۔پہلی کتاب ''**قضایا والتابعین**'' تحریر فرمائی اِس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے پاس بیٹھ کر''**تاریخ مدینہ**'' چاندنی راتوں میں لکھی۔

آپؒ مختلف ممالک کے سفر کر کے ائمہ کبار سے علم وفیض حاصل کیا۔آپؒ کے اساتذہ کی تعداد ایک ہزار (1000) سے بھی زائد ہو جاتی ہے۔امام بخاریؒ کے تعلق سے منقول ہے کہ کسی تحریر کو آپؒ صرف ایک ہی دفعہ دیکھنے میں ازبر (یاد) ہو جاتی تھی۔چنانچہ احادیثِ نبویہ کے متن واسانید (Text & Chain of Narators) اوران کے ضبط وحفظ اوراحادیثِ صحیحہ وسقیمہ کے فرق وامتیاز کے سلسلہ میں امام بخاریؒ بے نظیر ہیں۔ جن علماء نے آپؒ

کی تحسین وتوصیف (تعریف) کی،اُن میں آپؒ کے اقران واماثل (ہم عصر علماء)اور شیوخ واساتذہ سب شامل ہیں۔
آپؒ اپنے عہد کے یکتائے روزگار (بے مثل)، امام اہل سنت اور بے نظیر رہنما وپیشوا رہے ہیں۔ چنانچہ آپؒ کی توصیف میں کبار ائمہ وعلماء کے متعدد اقوال ہیں!
امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے!''سرزمین خراسان نے امام بخاریؒ جیسا شخص پیدا نہیں کیا''۔ حضرت ابن المدینیؒ فرماتے ہیں!''امام بخاریؒ نے خود بھی اپنا جیسا شخص نہیں دیکھا''۔حضرت محمود بن نظر بن سہل شافعیؒ کا قول ہے!''میں مصر، شام اور حجاز (مکہ و مدینہ) جاکر وہاں کے علماء سے مل چکا ہوں۔ دوران گفتگو جب امام بخاریؒ کا ذکر آیا تو تمام علماء امام بخاریؒ کو اپنے سے افضل قرار دیتے تھے''۔
امام بخاریؒ کی نہایت مقبول تصنیف''صحیح بخاری شریف'' ہے جو محنت، اخلاص۔دریافت اور احساسِ ذمہ داری اور دیانتداری سے لکھی گئی''صحیح بخاری'' کو بارگاہِ الٰہی اور دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ و سلم میں قبولیت نصیب ہوئی۔محدث حضرت ابوزید مروزیؒ فرماتے ہیں!''میں مسجد حرام میں مقام ابراہیم کے درمیان محوخواب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اے ابوزید!''تم میری کتاب کیوں نہیں پڑھتے''۔میں نے عرض کیا''اے جانِ عالم ﷺ کون سی کتاب ہے''؟ ارشاد فرمایا''محمد بن اسماعیل بخاری کی تصنیف کردہ کتاب''۔
حضرت محمد بن اسماعیل بخاریؒ امام حدیث ہونے کے علاوہ امام مجتہدین بھی ہیں اور آپؒ حدیث وآثار (قول صحابہ وتابعین) سے استنباطِ احکام کا بہت عمدہ ملکہ (صلاحیت) رکھتے ہیں۔خود امام بخاریؒ سے منقول ہے''کوئی چیز ایسی نہیں جس کی ضرورت ہو اور وہ کتاب (قرآن) وسنت (حدیث) میں موجود نہ ہو''۔پھر آپؒ سے دریافت کیا گیا کہ''آیا علم سے اُس کی تائید ہوتی ہے''؟ تو فرمایا''ہاں''۔آپؒ نے جو ''صحیح بخاری شریف'' میں تراجم (فقہی) ابواب باندھے ہیں اُن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے، ''تراجم ابواب'' میں اپنے اجتہادات واستنباطات (Inferences & Interpretations) بیان فرمائے ہیں۔صحیح بخاری میں تراجم ابواب احادیث کے عنوان کے لحاظ سے قائم کئے گئے ہیں اور ہر عنوان کے ساتھ''بابِ تراجم'' میں متعلقہ مسئلہ فقہ اسلامی اور شرعی احکام کے استنباط درج ہیں۔
امام بخاریؒ نے اس کتاب کی تالیف میں سولہ (16) سال صرف کئے۔ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل اور دو رکعت نماز نفل ادا کرتے تھے۔آپؒ درجہ کمال پر پہنچے اور احادیث کو جمع کیا۔اُس کے ساتھ آپؒ کو حسنِ نیت اور حصولِ نیکی بھی مقصود رہی۔آپؒ کے بعد علماء نے اِس نیکی کے حصول کی کوشش کی لیکن کوئی بھی

امام بخاریؒ کے مرتبہ کو نہ پہنچ سکا۔ صحیح بخاری کو کتاب اللہ کے بعد دوسرا مرتبہ حاصل ہے۔

امام بخاریؒ نہایت ہی حیادار، سخی اور عابد وزاہد اور شریف النفس امام ہیں۔ آپؒ امراء سلاطین سے ہمیشہ دور رہنے کو مناسب خیال کرتے تھے۔ چنانچہ اس وقت کے امیر بخارا خالد بن احمد ذیلی نے اپنے بچوں کو پڑھانے کی آپؒ سے درخواست کی۔ مگر آپؒ نے انکار کر دیا اور فرمایا ''علم کو جا کر حاصل کیا جاتا ہے''۔ اس پر امیرِ بخارا نے لوگوں کو آپؒ کی خدمت میں حاضر ہونے سے روکنا چاہا مگر لوگوں نے اُس کی بات نہ مانی۔ تب اُس نے آپؒ کو بخارا سے جلاوطن کرنے کا حکم صادر کیا۔ امام بخاریؒ ''خرتنگ'' نامی ایک قصبہ (گاؤں) میں چلے گئے جو سمرقند سے چھ (6) میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس اثنا میں آپؒ بیمار ہو گئے اور سن 198ھ میں عیدالفطر کی رات بعمر (62) سال آپؒ کا وصال ہو گیا۔

آپؒ نے بہت سی تصانیف لکھیں جن میں ''صحیح بخاری'' بلند پایہ کتاب ہے۔

44-تعارف فقہا۔ بر صغیر ہند و پاک

(دسویں صدی ہجری تا عصر حاضر)

برصغیر ہند و پاک کی سر زمین نے بے شمار قابل سپوتوں کو جنم دیا۔ اُن میں سے چند ایک تو پورے عالمِ اسلام پر اپنے گہرے اور ہمہ گیر اثرات چھوڑے ہیں، جو آج بھی طالبانِ حق اور سالکانِ معرفت کے لئے روشنی کا مینار ہیں۔ دسویں صدی ہجری کے بعد عصرِ حاضر کے چند ذی صفت اور عالی مرتبت محدثین وفقہا وصوفی حضرات میں قابل ذکر اسماء گرامی درجِ ذیل ہیں!

1- امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی علیہ رحمۃ 2- حکیم الامۃ حضرت شاہ ولی اللہؒ 3- حضرت شیخ الاسلام محمد انوار اللہ فاروقیؒ 4- حضرت امام احمد رضا خان بریلویؒ 5- حضرت بحر العلوم محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؒ 6- حضرت ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ 7- جلالۃ العلم حضرت سید حبیب اللہ قادری (رشید پاشاہ) علیہ الرحمۃ 8- شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ 9- حضرت علامہ مفتی عظیم الدین مدظلہ 10- حضرت مولانا مفتی خلیل احمد مدظلہ

1-امام ربانی حضرت شیخ احمد سر ہندی المعروف مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ (971-1034) ہجری

سوال: 108:۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی ذات گرامی اور آپؒ کی مجددانہ خدمت اسلام کا مختصر مگر جامع تذکرہ کیجئے؟

جواب:۔ نام ونسب:۔ آپؒ کا اسم گرامی احمد، لقب بدرالدین اور کنیت ابوالبرکات ہے۔ خزینۃ الرحمۃ، قیوم

الزماں اور مجدد الف ثانی آپؒ کے خطابات ہیں۔ آپؒ کے والد ماجد کا نام حضرت شیخ عبد الاحدؒ ہے۔ آپؒ کا سلسلہ نسب سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق آپؒ برصغیر کے مشہور بزرگ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے ہم جد تھے اور ان دونوں اولیاء اللہ کا سلسلہ نسب شیخ شہاب الدین علیؒ المعروف فرخ شاہ فاروقی کابلی سے ملتا ہے۔ آپؒ کی ولادت 14 /شوال 971ھ کو بمقام سرہند (لاہور اور دہلی کے وسط) میں ہوئی۔ شہر سرہند کے آباد ہونے اور قلعہ فیروز شاہی کی تعمیر کے ساتھ عظیم اولیاء کی نسبت وابستہ ہے۔ ایک حضرت امام رفیع الدینؒ جو آپؒ کے مورث اعلیٰ تھے اور دوسرے حضرت شریف الدین بوعلی شاہ قلندرؒ جنہوں نے بعد میں قلعہ کی تعمیر میں مدد فرمائی۔ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے ایماء پر سلطان فیروز شاہ تغلق نے یہ قلعہ تعمیر کروایا تھا کیونکہ پیشن گوئی کے مطابق اس مقام پر گیارہویں صدی ہجری میں حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد سرہندیؒ کی ولادت کی بشارت تھی۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد اور سرہند کے دوسرے علماء سے حاصل فرمائی۔ اس کے بعد حضرت علامہ کمال الدین کشمیریؒ، حضرت شیخ یعقوب صرفی کشمیریؒ اور قاضی بہلول بدخشانیؒ جیسے جید علماء سے اکتساب علوم فرمایا۔

آپؒ کو سلسلہ قادریہ، چشتیہ، کبرویہ اور نقشبندیہ میں نسبت حاصل تھی۔ بالخصوص سلسلہ نقشبندیہ میں آپؒ کو حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ سے نسبت تھی اور آپؒ سلسلہ نقشبندیہ کی ترویج واشاعت میں خاصی دلچسپی رکھتے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دور میں کئی ملحدانہ اعتقادات، معاشرتی انتشار پھیلانے والی تحریکیں اٹھیں۔ برصغیر میں تاریکی کا یہی وہ بدترین دور تھا جب مغل بادشاہ جلال الدین اکبر روشن خیالی کے نام پر الحاد و گمراہی کا شکار ہوا تھا اور بے دینی اور گمراہ کن افکار و نظریات نے نام نہاد ''دین الٰہی'' کو جنم دیا تھا۔ بادشاہ اکبر ابتدا میں ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا اور حضرت سلیم چشتیؒ سے عقیدت رکھتا اور دینی مجالس کا اہتمام کرتا تھا۔ لیکن اُس کی بد مذہبی کا باعث مُلا مبارک ناگوری اور اُس کے دونوں بیٹے ابوالفضل اور فیضی اور دنیا دار علماء (علماءِ سُوء) تھے جو ایک دوسرے پر برتری چاہتے اور ملحدانہ منصوبہ تیار کرتے جن کو بادشاہ اکبر کی سرپرستی حاصل تھی۔ درباری علماء نے اکبر کو اختلافی مسائل میں فیصلہ کرنے کا حق دے دیا تھا۔ اس طرح غیر مذاہب کے لوگ اکبر کو جگت گرو کہا کرتے تھے۔ علماءِ سُوء نے علمائے حق کی مخالفت سے بچنے کے لئے نبوت کا دعویٰ کرنے کے بجائے اکبر کے ''خلیفۃ اللہ'' ہونے کا اعلان کر دیا۔ شاہی حکم تھا کہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ ''اکبر خلیفۃ اللہ'' کہا جائے۔ نہ صرف یہ کہ اکبر جب عبادت سے فارغ ہوتا تو لوگ اسے سجدہ

کرتے جسے ''زمین بوسہ'' کہا جاتا تھا۔ اکبر کی مخالفت کرنے والے اکثر علمائے حق کو ملک بدر یا قتل جیسی سزائیں دی گئیں۔ اس دورِ بے راہ روی والحاد اور بے دینی میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے احیائے اسلام اور تجدید دین کا وہ عظیم کارنامہ انجام دیا جو اسلامی تاریخ میں تا ابد یاد رکھا جائے گا۔

الغرض اکبری اور اس کے بعد جہانگیری دور کی بے راہ روی اور ''دین الٰہی'' کے نام پر بے دینی کے خلاف جہاد میں آپؒ نے علمی اور عملی خدمات انجام دیں اور سلطان جابر کے سامنے کلمۂ توحید بلند کرنے کی وہ روشن و تابندہ مثال قائم کی جس کے اثرات دیرپا اور آج تک قائم ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے سنت رسول ﷺ مبارکہ کو اپناتے ہوئے تبلیغ دین کے لئے امراء، علماء ادنٰی واعلیٰ، اپنے خلفاء اور مریدین کی طرف خطوط ارسال کرنے کے طریقہ کو اپنایا اور دعوتِ عمل و دین کی ترویج اور اشاعت کی دعوت دی۔ اس طرح آپؒ کا مدرسہ درس و تدریس کے لئے برصغیر میں مشہور و معروف ہوگیا۔ اس کے علاوہ آپؒ نے نبوت کے اثبات میں ایک معرکۃ الآرا رسالہ عربی زبان میں **'اثباتِ نبوت'** ' تالیف فرمایا جس میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ اکبری دور کی مذہبی بدعنوانیوں کا ذکر فرمایا۔

آپؒ جہاں بھی کوئی بات خلافِ سنت و شریعت دیکھتے، اُس کی کُھل کر مخالفت کرتے۔ چنانچہ اکبر کے بعد اس کے لڑکے جہانگیر بادشاہ کو سجدہ تعظیم نہ کرنے کے سبب آپؒ کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ تقریباً تین سال تک قید میں رہے اور وہاں سے زندان شاہی (قید خانہ شاہی) میں دعوت دین اور تزکیہ کا کام شروع فرما دیا۔ سینکڑوں کی اصلاح کر کے آپؒ نے بادشاہ جہانگیر کی طرف خصوصی توجہ فرمائی۔ کچھ عرصہ کے بعد جہانگیر اپنی کرنی پر نادم ہوا اور آپؒ کو اپنے شاہی لشکر کے ساتھ رہنے کی شرط پر رہا کر دیا۔ اور پھر کچھ عرصہ بعد بادشاہ جہانگیر آپؒ کے دست حق پرست پر توبہ کی اور آپؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگیا۔ (گلزار نقشبند دکن)

آپؒ کے تجدیدی کارناموں کی بناء پر آپؒ بجا طور ''مجدد الف ثانی'' کے لقب سے متصف ہوئے۔ آپؒ کی طرح آپؒ کے فرزندانِ گرامی نے بھی آپؒ کی تحریک کو جاری رکھا۔

چنانچہ دارا شکوہ کے عقائد میں تغیر و تبدل واقع ہوا تو حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ آپؒ کے فرزند اور آپؒ کے رفقاء نے مل کر اورنگ زیب عالمگیر کی اس طرح تربیت فرمائی کہ ملک میں اسلام کی عملی طور پر حکمرانی کے شواہد ملنے لگے۔ ویسے اورنگ زیب فطرتاً دیندار شہزادہ تھا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنی مجددانہ کاوش اور مسلسل محنت کے ذریعہ اور خودِ تائید حق تعالیٰ کی بناء پر اسلام و شریعت کو روشن و منور فرمایا۔ آپؒ کا وصال مبارک 28 /صفر 1034ھ بعمر 63 سال ہوا۔ آپؒ کا مزار شریف سرہند

(دہلی اورلاہور کے درمیان) زیارت گاہِ خاص وعام ہے۔

2-شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ(1176-1104) ہجری:۔

سوال :109:۔ قطب الملۃ ،حکیم الامۃ امام حدیث وفقیہ حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور آپ کی خدمتِ دین کے بارے میں مختصر تذکرہ کیجئے ؟

جواب :۔اسم گرامی ۔**قطب الدین احمد**، ولی اللہ لقب **قطب الملۃ** اور **حکیم الامۃ** ،تخلص **امینؔ** ہے آپؒ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت شاہ عبدالرحیم ہے۔آپؒ کی ولادت بمقام دہلی (الہند) 6 رشوال 1104ھ میں ہوئی۔حضرت شاہ ولی اللہ جلیل القدر عالم ، بلند پایہ صوفی ،محدث وفقیہ ہونے کے علاوہ مفکرِ دین و مصلح دین ہیں اور مجددانہ صلاحیتوں سے بہرہ ور ہیں۔ چنانچہ اہل علم ومعرفت علمائے حدیث وفقہ آپؒ کے علم و فیض پر متفق ہیں۔

آپؒ کا دور مسلمانوں کی فکری اور سیاسی انحطاط (Fall) ،عقائد اور اعمال کے زوال کا المناک دور تھا۔ایسے حالات میں آپؒ فرماتے ہیں کہ''حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں تشریف لاکر ارشاد فرمایا''خدا نے تمہارا (شاہ ولی اللہؒ کا) انتخاب اس امت کے لئے مصلح (مجدد) پر کیا ہے''۔بس یہ فضل خدا اور رسول ﷺ ہے''۔آپؒ نے بارہویں صدی ہجری میں دنیائے اسلام کی فکری اور ذہنی کیفیت کا گہرا مطالعہ کیا اور افراد و جماعتوں کی حیات کے لئے ایک قابلِ غور وفکر نقشہ ،دینِ اسلام کی سرحدی (ظاہری) اور لاہوتی (باطنی) روشنی میں مرتب کیا۔مخالفین کی شدید مخالفت کے باوجود اپنے کام میں مصروف رہے اور آنے والی نسلوں نے آپؒ کے مقام کو رہنما تسلیم کیا۔

چنانچہ آپؒ کو ہندوستان کے باہر ممالک (عرب وعجم) میں فضلائے عہد اور علمائے وقت نے تفسیر،حدیث وفقہ میں آپؒ کی علمی قابلیت کے لحاظ سے آپؒ کو مجتہدینِ فقہ ائمہ کبار کے بعد دوسرے درجہ میں شمار کرتے ہیں۔آپؒ نے تقریباً دوسو(200) کتب تصنیف کیں جو تفسیر،حدیث ،فقہ،سیرت ، فلسفہ،تصوف ،سیاست ،اقتصادیات پر مبنی ہیں۔اُن کتب میں (1) حجۃ اللہ البالغہ اور (2) عقد الجید فی احکام اجتہاد والتقلید فقہ پر مشہور ہیں۔آپؒ فرماتے ہیں''میں ایسی گفتگو سے بری ہوں جو کسی آیتِ قرانی اور حدیثِ نبوی کے خلاف ہو یا اجماعِ امت کے خلاف ہو جس کی خوبی اور بہتری پر شہادت ہو چکی ہو یا ایسے مسئلہ کے خلاف ہو جس کو جمہور مجتہدین نے اختیار کیا ہو یا مسلمانوں کی حمایتِ کثیر نے اس کو مقبول کرلیا

ہو۔ اگر مجھ سے ایسی کوئی بات سرزد ہوا اُس کو بالکل خطا (غلط) سمجھنا چاہیئے اور جو شخص مجھ کو خوابِ غفلت سے بیدار کرے خدا کی اُس پر رحمت ہو۔ ہاں مگر ہم کو ایسے لوگوں کی ہر بات سے اتفاق کرنا کچھ ضروری نہیں ہے جو صرف متقدمین (اہل سلف) کے کلام (اقوال) سے مسئلے مستنبط (اخذ) کرتے رہتے ہیں اور جھگڑے، مناظرکرنا اُن کا مقصد ہوتا ہے۔ ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی، کبھی وہ کامیاب ہوتے ہیں اور کبھی ہم''۔

آپؒ نے اپنی کتاب ''حجتہ اللہ البالغہ'' کے مقدمہ میں صراحت کیا کہ ''احادیث مدون (Compiled) ہوکر اقوال فقہا سے موید ہوکر (تائید پاک) یہ معلوم ہونے کے بعد کے پیروی کے قابل کون کون سی ہیں اُن احادیث سے ممیّز (Distinguish) ہوگئیں جن میں وہ اوصاف نہیں ہیں۔ تاہم مسائل اجتہاد میں بحث کرنا اور اُس کی طرف میلان (رغبت) کرنا جوحق سے قریب ہو اہل علم سے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اور ائمہ کی کبر شان (عزت) میں لعن باعث (ملامت کی وجہ) نہیں ہے''۔ اربابِ علم وفضل شاہ ولی اللہؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''آپؒ کا، علوم متداولہ میں وہ پایہ ہے اور فنونِ عقلیہ (قیاس، اجتہاد) میں وہ دستگاہ ہے جس کا عشرِعشیر (ذراسا) بھی دوسروں کو نصیب نہیں ہوا۔ آپؒ کے بیان میں ایسی دلکشی، تاثیر ہے کہ موافق ہی نہیں بلکہ مخالف بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے''۔

آپؒ نے بعمر 62 سال اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائی۔

3-شیخ الاسلام امام محمدانوار اللہ فاروقی علیہ الرحمۃ (1264-1336ھ):-

سوال :110:۔شیخ الاسلام، فضیلت جنگ علامہ حضرت محمد انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور آپؒ کی خدماتِ دینِ اسلام کے بارے میں بحیثیت فقیہ مختصر تذکرہ کیجئے؟

جواب :۔اسم گرامی، **محمد انوار اللہ** نسب **فاروقی**، لقب **شیخ الاسلام**، خطابات **خان بہادر** اور **فضیلت جنگ** ہے۔ آپؒ کے والد کا اسم گرامی قاضی حافظ ابومحمد شجاع الدینؒ ہے۔ والد ماجد کی طرف سے آپؒ کا نسب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک اور والدہ محترمہ کی طرف سے حضرت احمد کبیر رفاعی علیہ الرحمۃ تک پہنچتا ہے۔ آپؒ کی ولادت بمقام ناندیڑ (قندھار) 4 ربیع الثانی 1264ھ میں ہوئی۔ آپؒ کی ابتدائی تعلیم فارسی، عربی اور اُردو میں ہوئی اور تفسیر، حدیث، فقہ اور معقولات کی تکمیل علمائے فرنگی محل لکھنو سے ہوئی۔

آپؒ کے علمی تبحر (صلاحیت) کی شہرت کی وجہ تشنگانِ علم دُور دُور سے جمع ہونے لگے یہاں تک کہ آپؒ کو باضابطہ درس گاہ ''جامعہ نظامیہ'' (حیدرآباد دکن) کی بنیاد 1292ھ میں رکھنی پڑی، جو آج تک

بھی برِصغیر کی بڑی جامعہ (University) ہے۔آپؒ نے چار مرتبہ سفرحجاز (مکہ و مدینہ) کیا۔تیسری بار حجاز میں تین سال مقیم رہے۔اور اپنی کتاب ''انوارِاحمدی'' مدینہ منورہ میں لکھی ۔کتب خانہ مدینہ سے تفسیر، حدیث اور فقہ کی نادر کتب کی نقول حاصل کیں۔ دورانِ قیام مدینہ میں آپؒ تین مرتبہ خواب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور حضورﷺ کے ارشاد مبارک کے مطابق ''حیدرآباد جاؤ اور دینِ حق کی تبلیغ و اشاعت کا کام انجام دو'' کی بجا آوری میں 1318ھ حیدرآباد واپس تشریف لائے اور ''کتب خانہ آصفیہ'' اور مجلس دائرۃ المعارف کی بنیاد ڈالی۔

آپؒ نے اسلام کے نام پر اٹھنے والی تحریکوں کو بے نقاب کیا اور اسلام کی آڑ میں ملحدانہ افکار کا تعاقب اور ردِ بلیغ کیا۔آپؒ کی تحریریں (کتب) آج بھی اپنی افادیت رکھتی ہیں اور دین فہمی اور عشق نبیﷺ کا موجب ہیں۔آپؒ سنت الجماعت کے عقیدہ پر قائم اور سلفِ صالحین کے نقشِ قدم پر تھے۔دن بھر جامعہ نظامیہ میں درس و تدریس میں گزرتے اور رات ''فتوحاتِ مکیہ'' (تصوف) کا درس اور تصنیف و تالیف میں گزارتے ۔نماز تہجد کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے ۔آپؒ نے بہت سی کتابیں تصانیف یا تالیف فرمائیں جن میں قابل ذکر **مقاصدِ اسلام** (گیارہ جلدوں میں) اور **حقیقۃ الفقہ** دو جلدوں میں ہیں۔آپؒ کے شاگردوں میں اکابر علماء شیوخ ،محدث وفقہا شامل ہیں۔

ترسٹھ (63) سال کی عمر میں شیخ الاسلام حضرت محمد انوار اللہ فاروقیؒ مختصر علالت کے بعد 30 / جمادی الاول 1336ھ اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمایا۔آپؒ کا مزار جامعہ نظامیہ کے صحن میں زیارت گاہِ عام وخاص ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں! جس کو علم نافع عطا ہوتا ہے، اُس کو مزید تین چیزیں دی جاتی ہیں۔ (1) قلبِ خاشع (خشیتِ الٰہی) (2) قلبِ قانع (قناعت پسندی) (3) دعائے مسموع (دعائے مقبول) ٹھیک یہی صفات حضرت محمد انوار اللہ فاروقیؒ میں موجود تھیں۔آپؒ صدرالصدور (Chief Justice) کے عہدے پر فائز رہے۔حضور نظام کے قریب رہنے کے باوجود قرابت داروں یا کسی کی ملازمت کی سفارش نہیں کی۔خوفِ الٰہی اور رسولﷺ کی وابستگی کے احساس کے ساتھ مقدمات کے فیصلے صادر فرمایا کرتے تھے۔

آپؒ ناظم امور مذہبی (Chief of Ecclesiastical Dept.) کے منصب پر بھی فائز رہے، آپؒ نے سیاہیہ جات (نکاح نام) مرتب کروایا اور قضاءت کے نظم کو صدارت العالیہ (Government) سے متعلق کردیا۔ممالک

محروسہ کے باشندوں کو اسلامی مزاج میں ڈھالنے کے لئے محض اللہ کی رضا جوئی کی خاطر موثر تجاویز پیش کیں جو منظور بھی کی گئیں۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؒ نہ صرف عالم دین اور صوفی باصفا تھے بلکہ ایک اچھے مفکر اور سیاس بھی رہے۔

چنانچہ 1336ھ میں حضور نظام بادشاہ وقت نے آپؒ کی خدمات کے سلسلہ میں فرمایا ''مولوی صاحب نے سررشتہ مذہبی میں جو اصلاحات شروع کیں وہ قابل قدر ہیں اگر وہ تکمیل کو پہنچائی جائیں تو ملک کی اچھی خاصی ترقی ہو سکے گی''۔

بہت سے مشہور علماء،صوفیاء،فقہا،محدث،اطباء اور حکماء بھی آپؒ سے فیض یاب ہوئے۔

4-حضرت احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ (1272-1340ھ):۔

سوال:111:۔شیخ المحدثین اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ کی شخصیت بحیثیت فقیہ کے بارے میں مختصر مگر واضح تذکرہ کیجئے؟

جواب:۔اسم گرامی **احمد رضا خان**،نسبت **القادری بریلوی**،لقب **اعلیٰ حضرت**،تخلص **رضاؔ** ہے۔والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خان جو جید عالم تھے۔حضرت رضا خان کی ولادت 1272ھ م 1856ء بمقام بریلی (شمالی ہند کا شہر) میں ہوئی۔آپؒ کی والدہ پیار سے آپؒ کو ''امان میاں'' پکارتی تھیں۔آپؒ نے روایتی درس نظامیہ کا نصاب تعلیم اپنے والد ماجد سے ہی تکمیل کیا۔تیرہ (13) سال کی عمر میں ظاہری علوم کی تکمیل کر لی اور دستار بندی کی گئی۔اُسی دن پہلا فتویٰ لکھا اور آپؒ کو آپؒ کے والد کی طرف سے ''مفتی'' کی ذمہ داری اور اجازت مرحمت ہوئی۔گویا بچپن ہی سے خدائے تعالیٰ نے آپؒ کو تفقہ (حکمت) سے نوازا تھا۔آپؒ حنفی المسلک،سنت الجماعت کے جلیل القدر عالم،شیخ المحدثین،فقہ اور صوفی ہونے کے علاوہ اچھے شاعر بھی ہیں۔آپؒ کا کلام عشق رسول ﷺ،حمد باری تعالیٰ اور عرفان و معرفت سے بھرا ہے۔

بحیثیت مفتی بین الاقوامی سطح پر مقبول ہوئے اور آپؒ نے ''فتاویٰ رضویہ'' جو بارہ جلدوں پر مشتمل ہے تصنیف فرمائی۔جو لغاتِ فقہ کے طور پر مفتیانِ ملت کے لئے مفید ثابت ہوئی۔

آپؒ نے اپنی حیات میں وہابی اور دیوبندی عقائد اور اُن جیسے اہل مکاتبِ فکر جو اسلام اور سنت الجماعت کے مخالف ہیں کی مدلل مناظرہ اور گفتگو سے مقابلہ فرمایا اور عوام کو حبِ رسول ﷺ اور اطاعتِ خدا کا سیدھا راستہ کی تاکید فرمائی۔1904ء میں آپؒ نے مدرسہ ''منظر الاسلام'' کی بنیاد ڈالی۔

آپؒ محدث،فقہ اور مجددِ وقت تسلیم کئے جاتے ہیں۔آپؒ مختلف علوم کی (50) شاخوں میں

مہارت رکھتے تھے۔ آپؒ کے شاگردوں کی تعداد کثیر ہے۔ آپؒ کثیر تعداد میں کتب، مقالے تصنیف کئے جن میں فتاوٰی رضویہ کو اہمیت حاصل ہے۔

آپؒ کا وصال مبارک 1340ھ م 1921ء بعمر 65 سال بریلی میں ہوا اور آپؒ کا مزار زیارت گاہِ خاص وعام ہے۔

5- علامہ بحر العلوم حضرت محمد عبد القدیر صدیقی علیہ الرحمۃ (1288-1381ھ) :-

سوال :112 :- بحر العلوم امام اسلام علامہ مولانا حضرت محمد عبد القدیر صدیقی حسرتؔ علیہ الرحمۃ کی شخصیت بحیثیت امام المجتہدین کے بارے میں مختصر مگر جامع تذکرہ کیجئے؟

جواب:- اسم گرامی **محمد عبد القدیر صدیقی**، کنیت **ابو العباس**، لقب **بحر العلوم**، **حبیب اللہ**، **طور تجلی**، تخلص **حسرتؔ**، المعروف **حسرتؔ صدیقی** ہیں۔ آپؒ کے والد ماجد مولانا شاہ محمد عبد القادر صدیقیؒ ہیں آپؒ کی ولادت بروز جمعہ 27 / رجب 1288ھ م 13 / اکتوبر 1871ء کو حیدر آباد دکن میں ہوئی۔ آپؒ کا سلسلہ نسب پدری (28) واسطوں سے سیدنا ابو بکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے۔ اور سلسلہ نسب مادری (32) واسطوں سے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

آپؒ اپنے وقت کے اولوالعزم جید عالم دین، صوفی، محدث وفقیہ اور مفکر و مصلح دین رہے ہیں۔ آپؒ کو بحر العلوم، امام اسلام، شمس المفسرین، علامہ جیسے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپؒ حنفی المسلک اور عالی مرتبت قادری بزرگ ہونے کے باوجود اکثر فرمایا کرتے کہ'' ائمہ ؒ اربعہ مجتہدین میں سے کسی ایک امام کے مطابق کوئی عمل ہو جائے تو اُس کو دہرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس طرح سرکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سنت پر عمل ہو جاتا ہے''۔ گویا آپؒ کا دراصل مسلک ہر حالت میں توحید و سنت کو ملحوظ رکھنا ہوتا تھا۔ آپؒ مجھ احقر کے اور میرے والدین کے پیر کامل ہیں۔ فقیر کو آج بھی آپؒ سے اکتسابِ علم وفیض جاری ہے۔

آپؒ عربی، فارسی قراءت، دینیات، تفسیر، حدیث، عقائد، فقہ، منطق، فلسفہ، علم معقول و منقول طب وریاضی، تاریخ وقانون جیسے علوم کے ساتھ ساتھ فنونِ سپہ گری، کُشتی، شہسواری جیسے دیگر فنون میں بھی مہارت رکھتے تھے۔

آپؒ کو حقیقی ماموں حضرت محبوب اللہ خواجہ صدیق علیہ الرحمۃ سے بیعت وخلافت حاصل تھی۔ چنانچہ آپؒ نے زندگی کے ہر شعبہ میں قلم اٹھایا اور انتہائی مفید رسالہ اور کتب تصنیف فرمائی جو آنے والی نسلوں

تک قابل ہدایت وقبول ہیں۔آپؒ کا کارہائے نمایاں قرآنِ کریم کی اردو میں ضخیم تفسیر ہے جو تقریباً 2000 (دو ہزار) صفحات پر مشتمل ہے ''تفسیر صدیقی'' کے نام سے حیدرآباد اور پاکستان میں شائع ومقبول ہوچکی ہے۔

آپؒ کو علوم حدیث میں خاص مقام حاصل ہے۔آپؒ تمام قابل ذکر مجموعوں (کتب) میں دَرک (Comprehension) رکھتے تھے۔اسماء رجال اور اصولِ حدیث میں ملکہ (مہارت) تھا۔آپؒ روایات کے محقق اور درایت کے رہنما رہے ہیں۔

مسائل فقہ میں آپؒ کا مسلک حنفی تھا۔فقہ میں آپؒ زمانے کے تقاضوں کے لحاظ سے احکام کی توضیح اور عملی رہنمائی فرمائی۔دراصل آپؒ **مجتہد فی المسئلہ ہیں**۔قرآن وحدیث اور حنفی مسلک کی روشنی میں آپؒ مجتہدانہ فتوے بھی صادر فرمائے۔چنانچہ طلاق رجعی، طلاق بائن، بینک کے سود، زکوۃ، لاؤڈ اسپیکر کے استعمال، روزہ اور نماز کے اوقات اور رفع یدین کے تعلق سے فتویٰ اور کئی فقہی مسائل میں تفہیم اور تطبیق (Elucidation & Comparision)، استدلال سے مجدّدانہ فتویٰ کی بناء پر آپؒ کو علمائے وقت فقہ کا امام قرار دیتے ہیں۔

بحرالعلوم حسرتؔ صدیقیؒ کا قول ہے کہ بلا شبہ قرآن بمنزلہ (Like) تعزیرات ہند (IPC) کے ہے اور حدیث نبوی بمنزلہ ضابطۂ فوجداری (CRPC) کے ہے جب تک ضابطہ فوجداری سے واقف نہ ہو قانون تعزیرات ہند پر عمل نہیں کرسکتے ہیں۔اسی طرح جب تک ''حدیث کا علم'' نہ ہو ''قرآن'' پر عمل نہیں کرسکتے۔

قیاس اور استنباط کے بارے میں اپنی کتاب ''الدین'' میں آپؒ نے دو سُرخیاں (ابواب) قائم کرکے یہ واضح فرمایا کہ ''قیاس واستنباط کے ذریعہ جو فروعی احکام (Subsidiary Law) ظاہر ہوتے ہیں بعد میں بجائے خود ایک اصل (Principle Law) کی حیثیت اختیار کرتے ہیں یعنی اُن کو نظائر (Precedents) یا حجت کا مقام حاصل ہوجاتا ہے۔کیونکہ جس علت کی بناء پر وہ احکام ثابت ہوتے ہیں وہی علت (Evidence) ایک نئے معاملہ میں بھی پائی جاتی ہے۔اِس طرح قیاس پر قیاس کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہوجاتا ہے''۔بحرالعلوم حسرت صدیقیؒ کی ایک اہم تصنیف ''**معیار الکلام**'' ہے۔ جو علوم اصولِ حدیث وفقہ وتفسیر منطق اور مناظرہ پر مختصر مگر جامع کتاب ہے۔

آپؒ کی اعلیٰ قابلیت اور انتظامی صلاحیت کی بناء پر آپؒ کو مدرسہ دارالعلوم کی اصلاحی کمیٹیوں میں خصوصیت کے ساتھ شریک کیا جاتا تھا۔آپؒ نے دارالعلوم کے مدرس کی حیثیت سے اپنی ملازمت کا آغاز

کیا اور جامعہ عثمانیہ کے صدر شعبہ دینیات اور پروفیسر کی حیثیت سے وظیفہ حسن خدمت حاصل کی۔اہل دانش اورارباب بیش (علماء وحکماء) آپؒ کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

آپؒ نے متعدد کتب و رسالہ تحقیقی موضوعات پر تصنیف فرمائے ہیں جو آئیندہ آنے والی نسل کے لئے مشعل ہدیات و رہنمائی ہیں۔

آپؒ کا وصال مبارک 17 رشوال 1381ھ م مارچ 1962ء کو بعمر (93) سال شہر حیدرآباد دکن میں ہوا۔آپؒ کے جلوسِ جنازے میں علماء مشائخین اور زائرین کی نہایت کثیر تعداد شریک تھی۔آپؒ کا مزار صدیق گلشن بہادر پورہ حیدرآباد میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

6- ڈاکٹر محمد حمید اللہ علیہ الرحمۃ، سابق پروفیسر قانون جامعہ عثمانیہ (1908-2002)ء

سوال:113:۔ حضرت ڈاکٹر محمد حمید اللہ علیہ الرحمۃ کی ذات گرامی اور آپ کی شخصیت بحیثیت فقیہ ماہر قانون کا مختصر مگر جامع تذکرہ کیجئے؟

جواب:۔ نام ونسب:۔آپؒ کا اسم گرامی محمد حمید اللہ المعروف ڈاکٹر محمد حمید اللہ ہے۔آپؒ کے والدِ ماجد حضرت مفتی ابومحمد خلیلؒ ابن قاضی محمد صبغۃ اللہؒ ابن قاضی بدرالدولہؒ ہیں۔آپؒ کے والدِ محترم ریاست حیدرآباد دکن میں مددگار معتمد مال کے عہدے پر فائز تھے۔حضرت ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی ولادت حیدرآباد کے دینی وعلمی گھرانہ میں 16 رمحرم 1326ھ م 19 رفبروری 1908ء کو ہوئی۔آپؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ گرامی اور بڑے بھائی اور اپنی پڑھی لکھی بہنوں سے حاصل کی۔ بعدازاں مدرسہ دارالعلوم پھر مدرسہ نظامیہ سے 1924ء میں مولوی کامل کی سند حاصل کی۔اسی سال جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں داخلہ لیا اور وہاں سے M.A,B.A اور .LL.B درجہ اول میں پاس کیا۔

آپؒ کے جید باکمال اساتذہ میں حضرت مناظر حسن گیلانی اور بحرالعلوم حضرت پروفیسر علامہ محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؒ شامل ہیں۔آپؒ حضرت بحرالعلوم حسرتؒ سے بیعت وارادت بھی رکھتے تھے۔

آپؒ کا جامعہ عثمانیہ کی طرف سے اسلامی و یورپی قانون بین الممالک کے تقابلی مطالعہ پر یورپ میں تحقیقی کام کرنے کے لئے تقرر ہوا۔آپؒ نے تحقیقی کام کرنے میں مواد کی فراہمی کے لئے مشرق وسطی اور یورپ کے کئی اسلامی شہروں کا سفر کیا اور قلمی کتب اور نایاب مخطوطات دریافت فرمائیں اور نامور

مستشرقین (Orientalists) سے ملاقات کی۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی غیر معمولی ذہانت اور علمی ذوق سے متاثر ہو کر جرمنی کی بون یونیورسٹی نے آپؒ کو تحقیقی کام کی دعوت دی اور مقالہ کی تکمیل پر D.Fil (ڈاکٹریٹ کی ڈگری) عطا کی۔ اور اُسی یونیورسٹی میں عربی اور اردو لکچرر کی حیثیت سے تقرر کرلیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد 1936ء میں تحقیقی مقالہ (Thesis) بعنوان ''عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ میں اسلامی سعادت'' مکمل کر کے یونیورسٹی پیرس سے ایک اور ڈاکٹریٹ کی سند حاصل فرمائی۔ اس کے بعد تیسری ڈاکٹریٹ کی سند ماسکو یونیورسٹی (روس) سے حاصل فرمائی۔ یہ دوسری جنگ (World War II) کا ابتدائی زمانہ تھا۔

وظیفہ پر سبکدوش ہونے کے بعد آپؒ نے حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت حاصل فرمائی اور حجاز (مدینہ منورہ) میں علماء وقراء کے مجموعہ میں قرآءت قرآن پیش کر کے سندِ قرآءت سے سرفراز ہوئے اور حیدرآباد واپس لوٹے۔ یہاں آپؒ کو استاذ قانون شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ مقرر کیا گیا۔ لیکن کچھ ہی عرصہ بعد دوبارہ 1954ء سے 1978ء تک کے لئے بین الممالک قانون پڑھنے کے لئے پیرس (یورپ) روانہ کیا گیا۔ اُس دوران آپؒ ترکی کی جامعات میں علوم اسلامیہ کا درس دیا کرتے تھے اور ترکی میں آپؒ کے بہت سے شاگرد ہوئے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی تحریری کاوشوں کا آغاز زمانۂ طالب علمی سے ہو چکا تھا۔ آپؒ کو سات زبانوں پر عبور حاصل تھا جن میں عربی، فارسی، اردو، انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبانیں شامل ہیں۔ آپؒ نے کثیر مفید مقالے اور کتب تصنیف فرمائیں جن میں قابل ذکر :

(1) مقالہ عہد نبوی کا نظامِ تعلیم (2) مقالہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی تدوینِ قانونِ اسلامی (3) عہد نبوی میں نظامِ حکمرانی (مجموعہ مقالے) (4) قانونِ شہادت (5) عہد نبوی کے میدانِ جنگ (غزوات) (6) رسول کریم ﷺ کی سیاسی زندگی (7) صحیفۂ ہمام بن منبہؒ (کتاب احادیث حضرت ابو ہریرہؓ) (8) ظہورِ اسلام (The Emergence of Islam) (9) قانونِ بین الممالک کے اصول اور نظیریں (10) عہد نبوی تا خلافت راشدہ (مقالہ)۔ اس کے علاوہ آپؒ نے حضرت امام شیبانیؒ کی کتاب ''السیر'' اور حضرت ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا فرانسیسی زبان مین ترجمہ بھی کیا اور ''قرآن فی لسان'' میں سورۃ الفاتحہ کا ترجمہ 125 زبانوں پر مشتمل 1939ء میں شائع ہوا تھا۔ اس

کے علاوہ انگریزی زبان میں "Introduction of Islam" کے نام سے نومسلموں کے لئے نہایت مفید کتاب تصنیف فرمائی۔ خود ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے ایک قول کے مطابق آپؒ نے ایک ہزار مقالے اور ایک سو چوسٹھ (164) تصانیف وتالیفات، ترجمہ کتابیں، رسائل تحریر فرمائیں جو دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع ہوئے۔

1947ء میں جب ملک کا بٹوارہ ہوا تو حیدرآباد کی آزادی کی حفاظت کی وکالت میں جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر قانون ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے اہم رول ادا کیا۔ بالآخر 1949ء میں سقوطِ حیدرآباد کے بعد آپؒ پیرس (فرانس) میں رہائش اختیار کرلی۔ جسٹس ایم احمد سکریٹری پاکستان دستور ساز اسمبلی کی ایما پر چند دنوں کے لئے پاکستان میں قیام بھی کیا اور شرعی قانون کے نفاذ کے سلسلے میں رہنمائی فرمائی اس دوران آپؒ کی تصنیف ''رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی'' 1950ء میں دارالاشاعت کراچی سے شائع ہوئی پھر آپؒ واپس پیرس لوٹ گئے۔ آپؒ کی علمی اور ادبی، مجددانہ ومصلحانہ خدمات کا پورا جائزہ اس مختصر تذکرہ میں ممکن نہیں۔ بہر حال آپؒ کی خدمات کی ہمہ گیر اور پُر اثر ہیں۔ آپؒ نے ساری زندگی تجرید وتفریط (Bachelor) میں گزاردی اور خدمت اسلام میں اپنے آپ کو وقف کردیا تھا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کو قرآن مجید، تاریخ اسلام، حدیث شریف، تاریخ فقہ واجتہاد اور قانون بین المما لک میں دسترس حاصل تھا۔ ان دقیق اور اہم موضوعات پر آپؒ کی کثیر تصانیف، خطبات ومقالے ہند، پاک و یورپ میں نہایت مقبول ومشہور ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی زندگی کے آخری زمانے میں علالت کے سبب اپنی بھانجی کے پاس امریکہ میں مقیم تھے۔ اور آخرکار دنیائے اسلام کا تابندہ ستارہ بعمر پچانویں (95) سال سن 2002ء اس دنیائے فانی سے رحلت فرماگیا اور امریکہ کے شہر جاکسن ویل (Jackson Well) میں تدفین عمل میں آئی۔

7- جلالۃ العلم علامہ حضرت سید حبیب اللہ قادری المعروف (رشید پاشاہ) علیہ الرحمۃ (1941-1998)ء

سوال : 114 :۔ حضرت علامہ سید حبیب اللہ قادری المعروف (رشید پاشاہ علیہ الرحمۃ) کی ذاتِ گرامی بحیثیت محدث، فقیہ وصوفی کا مختصر تذکرہ کیجئے؟

جواب : نام ونسب :۔ آپؒ کا اسمِ گرامی سید حبیب اللہ، لقب **جلالۃ العلم** ہے۔ آپؒ رشید پاشاہ قادری کے نام سے مشہور ہیں۔ آپؒ کا نسبِ پدری بائیس (22) واسطوں سے حضرت سید عبدالقادر جیلانیؓ سے مل

جاتا ہے اور نسبِ مادری حضرت سید جلال الدین معشوق ربانیؒ سے ملتا ہے۔ آپؒ کی ولادت یکم شعبان 1332ھ م 26۔ جون 1941ء کو حیدرآباد دکن کے سادات اور علمی (خانوادہ) میں ہوئی۔ آپؒ کے والدِ ماجد حضرت میراں سید شاہ پیر پاشاہ قادری علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد برادرِ اکبر حضرت سید شاہ محمد فرید بادشاہ قادریؒ نے آپؒ کی سرپرستی فرمائی۔

حضرت رشید پاشاہ قادریؒ نے ابتدائی تعلیم والدِ محترم سے حاصل فرمائی۔ آپؒ کی شخصیت کی تعمیر و تربیت میں والدِ گرامی کے فیضانِ نظر و توجہ خاص کا اثر کارفرما رہا۔ آپؒ نے جامعہ نظامیہ، حیدرآباد سے باقاعدہ تحصیل و تکمیل پر سندِ فضیلت حاصل فرمائی اور حدیث نبوی ﷺ میں تحصیل حاصل کر کے ''**کامل الحدیث**'' کہلائے۔

آپؒ کے اساتذہ و شیوخ میں آپؒ کے والدِ گرامی کے علاوہ مولانا سید محمود پاشاہ المعروف حضرت مولانا ابوالوفاء افغانیؒ (وصال 1975ء)، حضرت حاجی محمد منیر الدینؒ (وصال 1407ھ)، محدث حضرت مولانا حکیم محمد حسینؒ، حضرت علامہ مفتی محمد رحیم الدینؒ (وصال 1970ء)، مفتی حضرت محمد عبدالحمیدؒ (وصال 1397ھ)، مفتی حضرت علامہ مخدوم بیگؒ (وصال 1956ء)، مفتی علامہ حضرت سید محمود خانؒ (وصال 1970ء) اور دیگر اکابر علماء شامل ہیں۔

حضرت رشید پاشاہؒ نے علومِ تفسیرِ حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، کلام، مناظرہ، صرف و نحو، ادب و لغت، سیرت النبیؐ، تاریخ سیر، بلاغت، معانی، عروض، فتویٰ نویسی، اصولِ تفسیر، اصولِ حدیث، اصولِ فقہ کی تحصیل فرمائی اور آپؒ ''**جلالۃ العلم**'' کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

آپؒ کو اپنے والدِ ماجد حضرت سید پیر پاشاہ قادریؒ سے بیعتِ طریقت اور اجازتِ خلافت حاصل ہے۔ آپؒ کے شاگرد و ارادت مند و مریدین ملک اور بیرونِ ملک میں موجود ہیں۔

سن 1996ء میں آپؒ نے خلفِ اکبر مولانا سید شاہ بدرالدین المعروف احمد پاشاہ، کامل جامعہ نظامیہ حال مقیم جدہ، سعودی عرب کو اپنا جانشین نامزد فرمایا تھا۔ جو بعد وصال حضرت جانشین و سجادہ نشین مقرر ہوئے۔

آپؒ نے ایک تفسیر، ''تفسیر ربانی'' کے نام سے تحریر کرنے کا آغاز ذی الحجہ 1387ھ سے کیا اور تفسیر کے مقدمہ کی تکمیل فرمائی جو ماہنامہ ''الھدیٰ'' میں قسط وار شائع بھی ہوا مگر تفسیر کی تکمیل نہ کر سکے۔ آپؒ کی حدیث نبویؐ سے والہانہ محبت ہی تھی جو اپنی تحقیقی، علمی اور تدریسی معمولات سے بھرپور زندگی میں صحاح ستہ کتب کے علاوہ معجم طبرانی، سنن دارقطنی، صحیح ابن حبان اور دیگر مستند کتبِ حدیث کا حوالہ دیا کرتے تھے۔

حضرت رشید پاشاہؒ نے اپنی فقہی بصیرت و مہارت سے عبادات، مناکحت، عقوبات اور سیاسیات پر جو

مقالات تحریر فرمائے ہیں ان میں زیادہ تر علم فقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ مقالات آپؒ کے **تفقہ فی الدین** کے بے مثال نمونے ہیں اور فقہ حنفی پر مبنی ہیں جو اقتضائے وقت کے پیش نظر قلمبند کیے گئے تھے۔ آپؒ کے شرعی فیصلے عوام کے علاوہ عدالت میں بھی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جا کر عدالتی احکام صادر کیے جاتے تھے۔

آپؒ محدث وفقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اولوالعزم باہمت صوفی بھی تھے۔ آپؒ تصوف کو ''**احسان**'' سے تعبیر کرتے اور فرماتے تھے کہ **''تصوف وجدان کی تصحیح کرتا ہے اور علم سے وسعتِ فکر پیدا ہوتی ہے''**۔ آپؒ کا مزید قول ہے کہ **جو صوفی ہوا اور فقیہ نہ ہوا وہ گمراہ ہوا۔ اور جو فقیہ ہوا صوفی نہ ہوا وہ فاسق رہا۔ جس نے دونوں کو جمع کیا وہ محقق ہو گیا۔**

حضرت رشید پاشاہ: 1981ء میں جامعہ نظامیہ کے ''**امیر جامعہ**'' منتخب ہوئے اور اُسی سال آپؒ کی زیر صدارت شعبہ ''تحقیق'' کا قیام عمل میں آیا۔ جامعہ کے مولوی کامل کو اِس شعبۂ تحقیق میں داخلہ دیا جاتا ہے اور (3) تین سال کی مدت کے بعد امیدار کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا ہوتی ہے۔ یہ آپؒ کا اہم کارنامہ ہے۔

ادارۂ دائرۃ المعارف العثمانیہ میں مخطوطات کی تحقیق کے کام میں آپؒ نے چوبیس (24) سال گزارے۔ آپؒ نے مصححہ صلاحیتوں سے علومِ عربیہ کے متعدد مخطوطات کو منظر عام پر لایا جو آپؒ کا بڑا کارنامہ ہے۔

آپؒ کا وصال 10 راکتوبر 1998ء بروز ہفتہ بوقت اشراق حیدرآباد میں ہوا۔ نماز جنازہ مکہ مسجد میں آپؒ کے فرزند اکبر و جانشین نے پڑھائی اور جلوس جنازہ میں ہزاروں عقیدت مند و علماء و مشائخین، طلبا اور ممتاز شخصیتیں شامل تھیں۔ آپؒ کا مزار احاطہ حضرت موسیٰ قادریؒ حیدرآباد میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

8-شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مد ظلہ العالی (ولادت 1951ء):-

سوال :115:- شیخ الاسلام مصلح، محدث وفقیہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ کی شخصیت اور آپ کی خدماتِ دین کے تعلق سے مختصر مگر جامع خاکہ پیش کیجئے؟

جواب:- اسم گرامی **محمد طاہر**، نسبت **القادری**، لقب **شیخ الاسلام** ہے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی ڈاکٹر فرید الدین القادریؒ ہے۔ آپ موجودہ عالم اسلام کے اولوالعزم اور جید عالم دین، محدث، فقیہ، عارف و صوفی ہیں اور شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہیں۔ آپ 19 رفبروری 1951ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کو حدیث، تفسیر قرآن، تصوف اور فلسفہ اسلام سے خاص لگاؤ ہے۔

آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے ہوئی۔ 1963ء میں آپ نے مذہبی تعلیم مدینہ منورہ میں حاصل فرمائی۔ آپ B.A پھر L.Lb,M.A,P.hd اسلامک قانون میں پنجاب یونیورسٹی سے تکمیل کیا

جن عہدوں پر خدمت بخوبی انجام دیتے رہے اُن میں قابل ذکر یہ ہیں!

(1975-74) ء اسلامک لکچرر گورنمنٹ کالج ،(83-1978) ء حیثیت وکیل (2000-1986) ء چانسلر منہاج یونیورسٹی پاکستان رہے۔۔آج بھی بحثیت صدر منہاج یونیورسٹی پاکستان خدمت جاری ہے۔آپ نے ایک بین الاقوامی ادارہ ''منہاج القرآن'' کے نام سے قائم کیا۔یہ ادارہ آپ کی زیرنگرانی دنیا بھر کے نوجوانوں میں اتحاد واتفاق اسلامی اصول پر فروغ دیتا ہے۔عالمی امن اور اقوام میں یک جہتی پیدا کرنے میں ہم رول ادا کرتا ہے۔

آپ کو حضرت سید طاہر علاء الدین قادریؒ سے بیعت وخلافت حاصل ہے۔آپ کو دومرتبہ دستار فضیلت ''شیخ الاسلام'' باندھی گئی، پہلی بار 1994ء میں اور دوسری بار 2004ء میں۔اس طرح آپ کو شیخ الاسلام کا لقب عطا ہوا۔

ڈاکٹر طاہر قادری سنت الجماعت، حنفی المسلک جید عالم دین، مفکر و مصلح دین میں شمار ہوتے ہیں۔آپؒ کی زندگی کا خاص اور اصل مقصد بین الاقوامی سطح پر مختلف مذاہب، فرقے اور قوموں کے مابین بات چیت اور گفتگو کے ذریعہ اسلام کے تعلق سے پیدا شدہ غلط فہمی کو ختم کرنا مسلمانوں میں اسلام کی امن پسندی اور اعتدال (Balance Thinking and Action) کی خوبیوں کو فروغ دینا اور عشق رسول ﷺ اور عظمت رسول ﷺ کی تلقین پر زور دینا ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام حضرت طاہر قادری نے تا حال 7000 سات ہزار سے زیادہ اسلامی تہذیب و تمدن اور روحانی قدروں پر لکچرس، وعظ و بیان، ملک اور بین الاقوامی سطح پر فرمایا۔اور آپ کا یہ طرزِ رشد و ہدایت آج بھی جاری ہے۔آج کے جدید ماحول میں اسلامک چیانل QTV اور ARY چیانل سے باضابطہ روزانہ ایک گھنٹہ آپکا بیان نشر ہوتا ہے جو دنیا بھر کے اہل علم اور عام مسلمانوں اور دیگر اقوام، آپ کے نقطہ فکر ''اسلامی امن وسلامتی'' کو سماعت کرتے اور مستفید ہوتے ہیں۔

آپ کا بیان میڈیا پروگرام کے ذریعہ نہایت سادگی، لوچ اور حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔احادیث نبوی فقہ واجتہاد کی افادیت، اسلامی قانون کی جامعیت اور برتری، اسلام میں امن وسلامتی کو فوقیت اور دہشت گردی سے اسلام کی بے تعلقی جیسے مضامین قرآن وحدیث کی روشنی میں ہزاروں بلکہ کروڑوں ملت اسلامیہ کے اشخاص اور دوسرے مذاہب والوں کو اپنی طرف مائل کیا ہے۔اور لوگوں کے قلوب حب اللہ و رسول ﷺ سے سرشار ہوتے جارہے ہیں۔

آپ کی جد و جہد اور کوشش کو علمائے دین اور اکابرین نے دنیا بھر میں بے حد سراہا ہے۔آپ کثیر التصانیف ہیں تا حال (1000) کتب اردو انگریزی اور عربی میں تصنیف فرما چکے ہیں۔آپ نے زندگی کے ہر شعبہ میں قلم اٹھایا ہے اور انتہائی سلیس اور مدلل پیرائے میں رہنمائی فرمائی ہے جو آنے والی نسلوں تک ہدایت واصلاح نوجوانانِ ملت کے لئے مشعلِ راہ وہدایت ہیں۔

آپ نے اصولِ فقہ اور ماخذ فقہ پر ''احکام شرعیہ'' کے نام سے بڑی مفید کتاب تصنیف فرمائی جس سے اس کتاب کے مضامین میں استفادہ کیا گیا ہے۔

آپ فی زمانہ جید محدث، فقیہ، مجتہد، صوفی ہیں بلکہ مفکرِ دین کی حیثیت سے آپ کی خدمات ایک ''مجدد'' سے کم نہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وعافیت اور عمر طویل سرفراز فرمائے اور دشمنوں کی مخالفت اور سازشوں کے شر وحسد سے محفوظ رکھے۔آمین۔

9-حضرت علامه مفتی محمدعظیم الدین مد ظله (ولادت 1939ء)

سوال: 116:۔حضرت علامہ محمد مفتی عظیم الدین مدظلہ بحیثیت فقیہ کا مختصر تذکرہ کیجئے؟

جواب: **نام ونسب:**۔آپ کا اسمِ گرامی محمد عظیم الدین ابن حضرت محمد سراج الدینؒ ابن حضرت شیخ حسینؒ ہے۔آپ کی ولادت 1939ء حیدرآباد دکن میں ہوئی۔آپ نے جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے 1956ء میں سندِ فضیلت اور 1959ء میں سندِ ''**کامل الفقہ**'' درجہ اول میں حاصل فرمایا۔

آپ کے اساتذہ وشیوخ میں حضرت علامہ محمد رحیم الدینؒ، حضرت محمد عبد الحمید صدیقیؒ، حضرت علامہ مفتی مخدوم بیگ الہاشمی، محدث کبیر حضرت علامہ ابوالوفا افغانیؒ، حضرت علامہ مفتی محمد سعید رحمہم اللہ جیسے اکابر شامل ہیں۔

جامعہ نظامیہ سے فراغت کے بعد تحقیقی ادارہ دائرۃ المعارف العثمانیہ میں بحیثیت ''**مصحح**'' ملازمت کا آغاز فرمایا۔علمی وتحقیقی خدمات، مخطوطہ شناسی اور فنی مہارت کی بناء پر آپ کو ''**صدر مصحح**'' کے عہدہ پر فائز کیا گیا۔آپ نے کئی مخطوطات کی تدوین وترتیب جدید طرز پر کرنے کا عظیم کارنامہ انجام دیا اور 1999ء میں وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہوئے۔

دورانِ ملازمت ادارہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، آپ نے جامعہ نظامیہ سے بھی بحیثیت مفتی ربط قائم رکھا اور بالآخر 2010ء سے تادمِ تحریر دارالافتاء جامعہ نظامیہ سے وابستہ ہیں اور ہزارہا فتاوی آپ نے مرتب اور جاری فرمائے۔مجلس علمائے دکن کے معزز رکن کی حیثیت سے بھی آپ کی خدمات قابل قدر ہیں۔

علامہ مفتی محمد عظیم الدین صاحب مدظلہ کا شمار عصرِ حاضر کے اکابر علمائے جامعہ نظامیہ میں ہوتا ہے۔ دائرۃ المعارف عثمانیہ میں جن مخطوطات کی تصحیح وتحقیق وتعلیق انجام دی اس میں المستقصی فی المثال العرب جار اللہ مخشری ،کتاب الفتوح ،ذیل تاریخ بغداد ،المحب اللہ ابن النجار ،صفۃ الصفوۃ ،لأ بی الفلج ابن الجوزی اور دیگر شامل ہیں۔آپ کو حدیث شریف اور فنِ حدیث سے گہرا لگاؤ ہے۔حدیث شریف کی خدمت میں آپ نے نہایت قدیم اور نادر مخطوطات کی ایڈیٹنگ انجام دی، جب میں غریب الحدیث ،لأبی عبد القاسم بن سلام متوفی 244ھ اور المصباح المضیئی فی کتاب النبی الامی صلی اللہ علیہ و سلم، لأبن جدید الانصاری متوفی 783ھ شامل ہیں۔

یہ وہ کتب ہیں جن کے حوالے عرب وعجم کے علماء و ریسرچ اسکالرس اپنی تصانیف میں دیا کرتے ہیں۔ گویا آپ نے قدیم مخطوطات کی تدوین کر کے اسلامی علمی سرمایہ کی حفاظت میں ناقابل فراموش حصہ ادا فرمایا۔

آپ کی طویل ادبی تحقیقی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے 1999ء میں صدر جمہوریہ ہند کے ہاتھوں خصوصی ''پریسیڈنٹ'' ایوارڈ دیا گیا تھا۔

سن 1394ھ میں آپ نے زیارتِ حرمین شریفین کی سعادت سے اپنی والدہ محترمہ کے ہمراہ مشرف ہوئے۔حجاز میں اجلہ علمائے کرام سے ملاقات کی خصوصاً فضیلۃ الشیخ حضرت عبدالفتاح ابوغدہؒ سے شرف ملاقات سے سرفراز ہوئے۔اللہ تعالیٰ آپ کو خیر وخوبی کے ساتھ سلامت رکھے۔آمین۔

10-حضرت مولانا مفتی خلیل احمد مد ظلہ (ولادت 1387ھ م 1948ء)

سوال :117:۔حضرت مولانا مفتی خلیل احمد مدظلہ کی شخصیت اور آپ کی حدیث وفقہ کی خدمات کے بارے میں مختصر تذکرہ کیجئے؟

جواب:۔نام ونسب:۔آپ کا اسم گرامی خلیل احمد ہے۔آپ کے والدِ بزرگوار حضرت علامہ غلام احمد صاحبؒ ایک جید عالم دین اور جامعہ نظامیہ کے شیخ المعقولات تھے۔آپ کی ولادت ضلع نظام آباد (A.P) کے علاقہ ہنس گل میں سن (1387ھ) م (1948ء) میں ہوئی۔آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت والدِ گرامی کی نگرانی میں ہوئی۔بنیادی دینی تعلیم سے تحصیل وتکمیل کے تمام مراحل جامعہ نظامیہ میں طے کئے۔مولوی فاضل پھر 1969ء میں علمِ فقہ میں مولوی کامل کی سند حاصل فرمائی۔آپ نے عثمانیہ یونیورسٹی سے یم۔او۔ایل کی ماسٹرس ڈگری بھی حاصل فرمائی۔

آپ کے اساتذہ میں خود آپ کے والدِ گرامیؒ کے علاوہ حضرت مفتی محمد رحیم الدینؒ ،مولانا حکیم محمد حسینؒ

،حضرت مفتی محمد عبد الحمیدؒ، حضرت حاجی محمد منیر الدینؒ، مولانا حضرت محمد سعیدؒ، علامہ حضرت سید طاہر رضویؒ جیسے اکابر علماء شامل ہیں۔

سن 1970ء میں جامعہ نظامیہ میں تدریسی خدمت کا آغاز فرمایا۔ 1980ء میں آپ کو نائب مفتی جامعہ نظامیہ کی ذمہ داری سونپی گئی۔ پھر چھ (6) سال بعد 1986ء میں شیخ الفقہ اور مفتی جامعہ کے عہدہ پر فائز فرمایا گیا۔ 1992ء میں شیخ الجامعہ کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ اسی سال سے آپ جامعہ نظامیہ کے سالانہ ادبی وتحقیقی مجلّہ ''انوار نظامیہ'' کے مدیر اعلیٰ ہیں۔

آپ اپنی علمی ادبی و ثقافتی صلاحیتوں کے باعث مجلس علمائے دکن، رویت ہلال کمیٹی، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور دار القضاء سے وابستہ ہیں۔ اس کے علاوہ مجلس ''اشاعت العلوم'' کے معتمدِ عمومی اور مرکزی حج کمیٹی نئی دہلی کے معزز رکن بھی ہیں۔ آپ کی خدمات ملک ہی تک محدود نہیں بلکہ بیرون مما لک مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، ریاض، بغداد (عراق) اور جرمنی کو آپ نے علمی سفر فرمایا اور درسِ حدیث وفقہ اسلامی پر لکچرس دیتے رہے ہیں۔ اِس طرح مولانا مفتی صاحب کی دینی، علمی خدمات کا دائرہ وسیع تر ہے۔ آپ گزشتہ تین (3) دہوں سے مسلسل عوامی اجتماعات میں بھی درسِ حدیث وتفسیر کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔

حضرت مفتی خلیل احمد مدظلہ کو ایک مرتبہ حج وزیارت اور کئی مرتبہ عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ رمضان المبارک 1417ھ م سن 1997ء میں علامہ حبیب علوی المالکیؒ سے فیضِ ملاقات اور سندِ حدیث سے سرفراز ہوئے جو آپ کو چودہ (14) واسطوں سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا تا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کو صحاح ستہ کے کتب، حدیث پر دسترس حاصل ہے۔ آپ کا درسِ حدیث وفقہ، متعلقہ حدیث شریف کے حقائق پر سیر حاصل گفتگو اور فقہی استدلال اور مسائل کا استنباط واستخراج جیسے امور کا احاطہ ہوتا ہے۔

آپ جہاں ایک بہترین خطیب ومعلم ہیں، وہیں آپ نہایت خلیق اور عاجز مزاج مفکرِ دین اور صاحبِ قلم بھی ہیں۔ آپ کے مقالات کی اہمیت علمی وعوامی حلقوں میں مسلّم ہوتی ہے جن میں ضروری اور اہم مسائل کا حل اور مختلف فیہ مسائل کے سوالات کے جوابات موجود ہوتے ہیں؛

اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اور آپ کے فیض صحبت وعلمی مجالس سے خاص و عام کو مستفید فرمائے۔ آمین۔

فنِ فقہ

Science of Islamic Law

فقہ کی اہم اصطلاحوں پر ضروری مباحث — Analysis of Terminologies in Fiqua

کلیاتِ فقہ — Fundamental Principles of Fiqua

45-فقہ کی اہم اصطلاحوں پر ضروری مباحث

(Useful Discussion)

میرے شیخ کامل بحر العلوم علامہ حضرت محمد عبد القدیر صدیقی حسرتؔ علیہ الرحمۃ نے کتاب ''**معیار الکلام**'' تصنیف فرمائی۔**معیار الکلام** علمِ مناظرہ، اصولِ حدیث، اصول التاویل، علمِ منطق اور اصولِ فقہ پر مختصر مگر جامع اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ فقہی اصطلاحوں پر مباحث میں، **معیارا لکلام** میں سے اصولِ فقہ کے اقتباسات پیش خدمت ہیں:

1- **امر** (مامور بہ):۔

سوال:118:۔''امر'' کے حوالہ سے کون سے اُمور قابل بحث ہیں اور اُن میں سے اقسام اَمر اور اُسکے ادا وقضاء کے متعلق واضح گفتگو کیجئے؟

جواب: ''امر''(Commandment) میں اُمورِ ذیل قابلِ بحث ہیں!

1- **امر** (ثبات) یا(Commission)(a) **اقسام امر** (b) **وجه امر** (c) **امر موقت**

II- **نهی** (نفی) یا(Omission)(a) **اقسامِ نهی** (b) **وجه نهی**

III- **حکم**(Law) (a) **اقسامِ احکام** (b) **حقوق** (c) **متعلقاتِ احکام** (d) **اهلیت**

I-**امر**:۔(تعریف)

متبوع یا آقا کا اپنے تابع یا ماتحت کو حکم دینا یعنی ''کرو کہنا'' امر ہے۔

امر کے اقسام:۔ امر دو طرح سے ہوتا ہے!

1- **صریح**۔صیغۂ امر مثلاً اتوا الزکوٰۃ (زکوٰۃ دو)۔

2-**امر کے معنی مطلوب ہوں** مثلاً وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاس حِجُّ البیتِ

یعنی حج بیت اللہ لوگوں پر فرض ہے۔

نوٹ: اصل خدا تعالیٰ کے امر میں ''وجوب'' ہے۔

اباحت:۔ ندبِ تہدید وغیرہ کے لئے بھی قرینہ ہو تو صیغۂ امر آ سکتا ہے جو پھر وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

حکم امر:۔ترکِ واجب سے تارک (ترک کرنے والا) دنیا میں قولاً مستحقِ مذمت اور آخرت میں

مستحقِ عذاب ہوگا۔ ما مور بہ (اس کام کو جس کا امر کیا گیا ہے) کو ایک بار بجا لانے سے مامور (مکلّف) بری الذمہ ہو جاتا ہے۔اَمر میں تکرار کا احتمال (امکان) نہیں مثلاً امر ''مار'' (Strike) منحصر ہے ''مار کو کر کا امر'' جو تکرار پر دلالت نہیں کرتا۔

نوٹ:۔''مار'' اسم جنس ہے جو وحدت پر دلالت کرتا ہے۔ وحدت کبھی ''اصل'' (Real) ہوتی ہے یعنی ایک ہی فرد (شئے یا شخص) پر صادق آتی ہے۔اور کبھی وحدت ''اعتباری'' ہوتی ہے جو تمام جنس (کئی افراد) کو شامل ہوتی ہے۔

لہٰذا ''امر'' جب ''مطلق'' (Absolute) ہوتا ہے تو وحدت حقیقی اور اصلی ہے یعنی فرد واحد جو ادنیٰ قرینہ سے مقصود ہوتی ہے۔اور ''وحدتِ اعتباری'' جملہ افراد کے لئے ہوتی ہے،اس میں نیت ضروری ہے۔

ادا و قضاء:اس سے مراد ''امر'' کا امتثال(Compliance) دو طور پر ہے۔

1- **ادا** 2-**قضاء**

ادا :(تعریف):۔ مامور بہ کو (اُس کام کو جس کا امر کیا گیا) وقتِ معین پر عدم سے وجود میں لانا یعنی ادا کرنا۔

قضاء:(تعریف):۔ مامور بہ کے مثل (جیسے) کو دوسرے وقت میں کرنا۔

واضح ہو کہ جس سبب(Reason) سے ''ادا'' واجب ہوتی ہے اُسی سے قضاء بھی واجب ہوتی ہے۔ وقت گزر جانے سے ''امر'' کا وجوب (فرض یا واجب ہونا) باطل (ساقط) نہیں ہوتا۔

(a)**اقسامِ ادا و قضاء**:۔ادا و قضاء کی دو قسمیں ہیں! 1-**خالص** 2- **غیر خالص**

ادائے خالص:اس کی پھر دو قسمیں ہیں! (i)- **کامل** (ii)-**ناقص**

(i)- **کامل**:۔جس کو تمام صفاتِ شرعیہ کے ساتھ ادا کیا جائے۔

(ii)- **ناقص**:۔جو تمام صفاتِ شرعیہ کے ساتھ ادا نہ کیا جائے۔

قضاء خالص:۔اِس کی بھی بمثلِ معقول (جس میں مماثلت ہو) دو قسمیں ہیں!

(i)- کامل:۔ (ii)- ناقص

(i)-**بمثل معقول کامل** : وہ، جس میں صورتِ خاص وصفت دونوں میں مماثلت ہو۔مثلاً روٹی کے عوض روٹی۔

(ii)- **بمثل معقول ناقص**:۔ وہ' جس میں معنوی مماثلت ہومثلاً روٹی کے عوض اس کی قیمت۔

واضح ہو کہ قضاء بمثل غیر معقول (جس میں مماثلت نہ ہو) وہ ہے جس کی مماثلت کو معمولی عقل دریافت نہیں کرسکتی۔ اور نہ ردہی کرتی ہے۔ مثلاً جان کا کفارہ (عوض) دینا۔

حکمِ ادائے کامل:۔ ادائے کامل سے آدمی بری الذمہ ہوجاتا ہے۔

حکم ادائے ناقص:۔ اگر نقصان کی تلافی مثل سے ممکن ہوتو کی جائے ورنہ حکم نقصان ساقط ہوجائے گا مگر گناہ باقی رہتا ہے۔ مثلاً نماز میں ترکِ واجب کا بدلہ سجدہ سہو ہے اور ترکِ تعدیلِ ارکان نماز کی تلافی نہیں ہوسکتی مگر گناہ باقی ہے۔

ادا و قضاء کی تین مزید قسمیں ھیں!

1-**ادا شبیه به قضاء** 2- **قضاء بمثل غیر معقول** 3- **قضاء شبیه به ادا**

1- **ادا شبیه به قضاء**:۔ وہ ادا ہے جس میں اصل مامور بہ تو ہو مگر اُس کا کوئی وصف فوت ہوجائے مثلاً ''لاحق''، یعنی اس شخص نے امام کے ساتھ نماز شروع کی۔ وضوٹوٹ جانے کی وجہ سے نماز کو تنہا ادا کیا۔

واضح ہو کہ **قضاء بمثل معقول** کی بھی دوصورتیں ہیں!

(i)- مثلاً فائتہ (جس کی ادا فوت ہوگئی) کی قضاء جماعت سے ادا کرنا **قضاء کامل** ہے۔

(ii)- مثلاً فائتہ کا تنہا نماز پڑھنا **قضائے ناقص** ہے۔ جب تک کامل پر عمل ممکن ہو مثل ناقص پر عمل درست نہیں۔

2- **قضا بمثلِ غیر معقول**:۔ مثلاً روزے کے عوض میں فدیہ دینا یعنی فقیر کو کھانا کھلانا۔ اسی طرح قتل کے کفارہ میں **دیت** (رقم ورثہ کو دینا)۔

نوٹ:۔ جس کا مثل ممکن نہ ہو' نہ صوری (صورت میں) نہ معنوی (اُس کا مثل)' اس میں قضاء مصور نہیں ہوگی مگر گناہ باقی رہے گا۔

لہذا مغصوب (ناجائز طور سے قبضہ کی ہوئی) شئے کو نفع کا ضمان (ہرجانہ) غاصب کو دینا، نہ آئے گا۔ البتہ زوائد مثلاً جانور ہو تو اُس کا دودھ اور اُس کا بچہ' اور درخت ہو تو اُس کے پھل کا ضمان دینا پڑے گا۔

3- **قضا شبیه به ادا**:۔ اس میں دونوں رعایت کی جائے گی مثلاً جس شخص نے نماز عید میں امام کو پایا تو اس کو چاہیئے کہ اول افتتاح کی تکبیر کہے پھر رکوع کی پھر عید کی چھ تکبیریں کہے۔

1-(b) وجہ امر (مامور بہ) کا حسن و قبح ہونا:

سوال: 119:۔ وجہ امر یا مامور بہ کا حُسن و قبح ہونا اور اس کے اقسام کے متعلق روشنی ڈالئے؟

جواب:۔ فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ یعنی حضرتِ حکیم (شارع حقیقی۔ اللہ تعالیٰ) علی الاطلاق کا حکم ''امر ہو یا نہی'' حکمت پر مبنی ہے۔ پس وہ حُسن (نیکی) کا امر اور قبح (برائی) کی نہی کرتا ہے۔ مگر اس حُسن و قبح کے جاننے کے لئے عقلِ انسانی کافی نہیں ورنہ پیغمبر اور شریعت (شارع کی ضرورت نہ رہتی۔ پس تمام افعال(Acts) کے حُسن و قبح کو ظاہر کرنے والا شارع (کتاب وسنت) ہے۔

لہٰذا نفسِ مامور بہ (وہ کام جس کا امر کیا گیا) کے لحاظ سے گو حسن و قبح (خیر وشر) **واقعی** ہے مگر ہمارے علم کے اعتبار سے **شرعی** ہے۔ اہلِ حق کا ہرگز مذہب نہیں کہ دریافتِ حسن و قبح میں' جس کا فاعل مستحقِ ثواب وعذاب ہو' اپنی عقل کو کافی جانے۔ ارشادِ خداوند تعالیٰ ہے!

وما کنّا معذّبین حتّیٰ نبعث رسولاً (ہم کسی قوم پر عذاب نہیں کرتے جب تک رسول کو مبعوث نہیں کرتے)

صرف وجودِ واجب تعالیٰ کے متعلق امام (رسول اللہ) نے فرمایا کہ وہ (وجود) بالکل بدیہی (ذاتی یا بالذات) ہے اور صرف کفر باللہ نا قابلِ معافی ہے۔

لہٰذا تحقیق یہ ہے کہ خیرِ محض وجودِ محض ہے اور شرِ محض عدمِ محض ہے' دوسرے تمام اُمور خیر وشر اضافی ہیں۔ پس جن اُمور میں جانبِ وجود(Being) قوی ہے اور اُن سے آثارِ وجود نمایاں تر (زیادہ) ہیں' وہ خیرِ کثیر (زیادہ خیر) پر مشتمل ہیں۔

جن اُمور میں جانبِ عدم(Non Being) قوی ہے اور آثارِ وجود اُن سے کمتر نمایاں ہیں' وہ شر کثیر (زیادہ شر) پر مشتمل ہیں۔ مگر شخصی طور پر ہر شئے کی خیریت (بھلائی) اور شرّیت (برائی) یعنی حُسن و قبح کے دریافت کرنے سے عام عقلِ انسانی عاجز ہے۔ اس لئے یہ کام رسول اللہ کا جو ہے **یُزَکِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ** (تزکیہ نفس اور تعلیم کتاب وسنت) پر مامور ہے۔

خلاصہ:۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے علم کے اعتبار سے حسن و قبح ''شرعی'' ہے اور واقع اور حقیقت کے لحاظ سے حُسن و قبح ''واقعی اور حقیقی'' ہے۔ اس کو عقلی کہنا بے معنی ہے۔

اقسامِ حَسن و قبح:۔ مامور بہ دو قسم پر ہے! 1- **حَسن لذاتہ** 2- **حَسن لغیرہ**۔

1- **حَسن لذاتہ:**۔ وہ فعل جس کی ذات میں حُسن (خیر) ہو۔ اِس کی پھر دو قسمیں ہیں!

(a) **حَسن لعینہ بالذات** (b) **حَسن لعینہ بالواسطہ!**

(a) **حَسن لعینہ بالذات**:۔ وہ فعل جس کی خوبی میں غیر کی مداخلت نہ ہو، مثلاً ایمان وصدق

(b) **حَسن لعینہ بالواسطہ** :۔ وہ فعل جس کی خوبی میں غیر کا دخل ہو مثلاً زکوۃ، اضاعتِ مال ہے مگر اعانتِ غربا ومساکین کے لئے۔

(a) **حَسن لعینہ بالذات** کی پھر دو قسمیں ہیں! (c) **دائم** (d) **زائل**۔

(c) **بالذات دائم**:۔ جس کی خوبی (حسن) زائل نہ ہو سکے کیونکہ اُس کی ذات خوبی کو بغیر کسی دوسری چیز کے چاہتی ہے۔ ایسی شئے ذمہ مکلّف سے کبھی ساقط نہیں ہوتی۔ مثلاً ایمان وتصدیقِ قلبی۔

(d) **بالذات زائل**:۔ کسی عارضی وجہ سے حسن (خوبی) جاتا رہے اور فعل ساقط ہو جائے۔ مثلاً صلوٰۃ کا ساقط ہونا حائض (حیض میں عورت) کے لئے۔

2- **حَسن لغیرہ** :۔ وہ فعل جس کی ذات میں خوبی (حَسن) نہ ہو بلکہ کسی دوسرے کی وجہ سے اِس میں خوبی پائی جاتی ہو مثلاً زکوٰۃ۔

حَسن لغیرہ کی پھر دو قسمیں ہیں! (a) **منفصل** (b) **متصل**

نوٹ:۔ **منفصل** کو **قائم بنفسہ** اور **متصل** کو **غیر منفصل** قائم بہ مامور بہ بھی کہتے ہیں۔

(a) **منفصل** (**قائم بنفسہ**):۔ جس غیر کی وجہ سے حسن (خوبی) آیا ہے اس کے ادا سے مامور بہ ادا نہیں ہوتا بلکہ اس کی ادا کے لئے ایک جدا امر کے بجالانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً نمازِ جمعہ کے لئے مشی۔

(b) **متصل** (**قائم بہ مامور بہ**):۔ وہ کہ مامور بہ کے ادا کرنے سے غیر بھی ادا ہو جائے مثلاً جہاد واعلاء (اعلان) کلمۃ اللہ۔

نوٹ:۔ واضح ہو کہ:۔ ''مطلق فرد'' کامل کی طرف رجوع کرتا ہے یعنی متصور ہوگا لہٰذا ''مطلق امر'' حَسن لذاتہ بالذات دائم پر محمول (Based) ہوگا یعنی سمجھا جائے گا۔ دوسرے اقسام کے لئے دلیل اور قرینہ کی ضرورت ہوگی۔

1-(c)۔ امرِ موقت:۔

سوال:120:۔ امرِ موقت کے اعتبار سے تکلیف مالا یُطاق، قدرت اور اس کے اقسام کو واضح کیجئے؟

جواب:۔ **تکلیف مالا یُطاق**:۔ اس سے مراد وہ شئے جو انسان کی قدرت سے باہر ہو۔ اس کی تین قسمیں ہیں!

اعلیٰ۔ اوسط۔ ادنیٰ

اعلیٰ:۔ وہ شئے جو بذاتہ ممتنع(Forbidden) ہے۔مثلاً جمع اضداد، جز کا کُل سے بڑا ہونا۔

اوسط:۔ وہ شئے جو بذاتہ ممکن(Possible) ہے مگر قدرت سے باہر ہے۔

ادنیٰ:۔ وہ شئے جو فی نفسہٖ ممکن ہو۔تحتِ قدرت ہو۔عادت سے باہر نہ ہو مگر علمِ الٰہی میں مقدّر نہ ہو۔اِس قسم کی چیز کا ''امر'' ہوسکتا ہے اور وہ فی نفسہٖ ''**تکلیف ما لا یطاق**'' نہیں۔

واضح ہو کہ خدا تعالیٰ کو معلوم ہونے سے کہ یہ شخص باوجود ''امر'' (Command) کے ہرگز نہ کرے گا حقیقتاً ''تکلیف مالا یطاق'' نہیں ہے۔ہاں ''اعلیٰ واوسط'' کا حکم خدائے تعالیٰ نہیں دیتا۔

چنانچہ ارشادِ حق تعالیٰ ہے!

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔(اللہ تعالیٰ کسی نفس (شخص) کو اسکی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا)

قدرت:۔

بندہ نہ مختارِ محض ہے اور نہ مجبورِ محض ہے بلکہ ''امرٌ بین امرین'' ہے۔یعنی مامور ہے۔

یہ مسئلہ بہت دقیق(Minute) اور تفصیل طلب ہے۔تاہم مختصر یہ کہ!

1- بندہ علتِ ناقصہ کے اعتبار سے مختار ہے۔علتِ تامہ کے اعتبار سے مجبور ہے۔

2- بندہ ارادہ کے بعد کے اُمور میں مختار ہے۔خود ارادہ اور ارداہ کے ماقبل کے اُمور میں مجبور ہے۔

3- بندہ عالمِ شہادت کے لحاظ سے مختار ہے۔تقدیر وعلمِ الٰہی کے لحاظ سے مجبور ہے۔

4- بندہ افعالِ جزئیہ کے لحاظ سے مختار ہے۔کلیات ونظامِ عالم کے لحاظ سے مجبور ہے۔

5- بندہ کا اختیار مشہود (ظاہر) ہے۔اس کا عدم اختیار عقلی (باطن) ہے۔

6- وہ قانوناً مختار ہے فلسفۃً مجبور ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ کے لئے ''عدمِ اختیار'' کا لفظ اس مقام میں صحیح ہے،مگر ''جبر'' (Force) کا لفظ غلط ہے۔کیونکہ کسی نے روکا نہیں ہے بلکہ ہونا ضرور ہے۔

اقسامِ قدرت:۔

قدرت کی دو قسمیں ہیں! 1- وہ قدرت جو جزءِ اخیرِ علت ہے۔2- سلامتِ اسباب یا علتِ ناقصہ

1- جزء اخیر علت:۔ جب تمام اسباب جمع ہوجاتے ہیں تو بعد ارادہ ''قبل فعل'' ایک قدرت ملتی

ہے جس کے بعد فعل موجود ہو جاتا ہے۔ اِس قدرت کے بعد فعل لازم ہو جاتا ہے۔ اِس قدرت کو فعل سے زماناً تقدم (Precedence) نہیں ہوتا بلکہ صرف مرتبہ تقدم ہوتا ہے اور زمانہ کے لحاظ سے قدرت وفعل معاً (ایک ساتھ) ہوتے ہیں۔

نوٹ:۔ اصولِ فقہ میں اِس قدرت سے کوئی غرض متعلق نہیں ہے بلکہ قدرت بمعنی سلامتِ اسباب یا علتِ ناقصہ سے غرض ہے۔

2- **سلامتِ اسباب یا علتِ ناقصہ**:۔ اِس کی پھر دو قسمیں ہیں!

(a) **قدرتِ ممکنہ** (b) **قدرتِ میسّرہ**

(a) **قدرتِ ممکنہ**:۔ وہ قدرت جس کے بغیر فعل نہ ہو سکے۔ یعنی جس میں مامور بہ صرف ممکن ہے۔ مثلاً!

''ایک شخص نے قسم کھائی کہ اس پتھر کو سونا بنا دے گا تو وجوبِ کفارہ کے لئے یہ امکان کافی ہے۔''

''کافر مسلمان ہوا اور اس کو وقت اتنا ملا کہ تکبیر تحریمہ نماز کے لئے کہہ سکتا تھا تو نماز واجب ہوگئی اور قضا پڑھنا چاہیئے کیونکہ قیامِ شمس ممکن ہے''۔

(b) **قدرتِ میسّرہ**:۔ وہ قدرت جس میں فعل کے لئے ہر قسم کی سہولت ہو۔ یعنی جس میں کافی وقت و اسباب ہوں۔ یہ واجباتِ مثالیہ میں سے ہے۔ مثلاً!

۔ زکوٰۃ اور حج کہ ان کے لئے وقت و اسباب' شرط ہیں۔ جب قدرتِ میسّرہ نہیں رہتی تو یہ واجب بھی نہیں رہتا۔ ''یعنی نصابِ زکوٰۃ اور استطاعتِ حج باقی نہ رہے تو زکوٰۃ و حج بھی ساقط ہو جاتے ہیں اور بندہ گنہگار نہیں ہوتا۔

مامور بہ کے اقسام:۔

مامور بہ (وہ فعل جس کا امر کیا گیا) کی دو قسمیں ہیں!

1- **مامور بہ مطلق** 2- **مامور بہ موقت**

1- **مامور بہ مطلق**:۔ وہ کام یا فعل جس کا ادا کرنا کسی وقت پر منحصر نہ ہو۔ مثلاً! خیرات۔

حکمِ مامور بہ مطلق:۔ آخر عمر تک تاخیر کرنے میں گناہگار نہیں ہوتا۔

2- **مامور بہ موقت**:۔ وہ کام یا فعل جو وقت معین میں ادا کیا جاتا ہے مثلاً نماز' روزہ۔

موقت سے متعلق چند الفاظ (اصطلاحات):۔ **ظرف۔ معیار۔ شرط**

ظرف:۔ ایسا وقت کے مامور بہ سے زیادہ ہو۔مثلاً نماز کا وقت

معیار:۔ ایسا وقت کے ٹھیک مامور بہ کے مساوی ہو۔مثلاً روزہ اور دن ۔

شرط :۔ شرط یہ ہے کہ وقت سے پہلے مامور بہ کا ادا کرنا صحیح نہ ہو اور وقت فوت ہونے کے بعد مامور بہ بھی فوت ہو جائے۔مثلاً نماز اور وقتِ نماز یا مثلاً سبب جس کی وجوبِ مامور بہ میں تاثیر ہو۔اگر وقت کامل ہو تو مامور بہ بھی کامل ہوتا ہے اور وقت مکروہ ہو تو مامور بہ بھی مکروہ ہوتا ہے۔مثلاً نماز۔

اقسامِ موقت:۔ موقت کی چار قسمیں ہیں!

1- ''**وقت**'' فعل کا ظرف اور ادا کی شرط اور وجوب کا ظرف ہو۔مثلاً!

۔نماز کہ ''وقت'' سے پیشتر نہیں ہوسکتی نہ اس کے بعد۔کیونکہ مشروط سے مقدم نہیں ہوسکتا۔

۔ جہاں ''وقت'' شرط ادا نہ ہو بلکہ شرطِ وجوب ہو۔مثلاً زکوٰۃ،کہ وجوبِ زکوٰۃ کے لئے مال کے نصاب پر سال گزرنا شرط ہے تو زکوٰۃ سال سے پہلے ادا ہوسکتی ہے۔

2- ''**وقت**'' موقت کا معیار رہو اور اس کے وجوب کا سبب ہو۔مثلاً ماہِ رمضان' تو اس میں دوسرا روزہ صحیح نہیں اور بغیر رمضان کی تعین کے رمضان ہی کا روزہ ہوتا ہے۔

3- ''**وقت**'' مامور بہ کا معیار ہو مگر سبب نہ ہو۔مثلاً قضاء رمضان ۔

4- ''**وقت**'' کا نہ ظرف ہونا یقینی ہو وہ معیار ہونا۔مثلاً حج۔

II- نَہِیٰ (Negative Command or Omission) :۔

سوال:121:۔**نہی** سے کیا مراد ہے،اس کے اقسام اور مختلف صورتوں پر مدلل بحث کیجئے ؟

جواب:۔**نہی** سے مراد طلبِ (Demand) ترکِ فعل ہے۔یا یوں کہو کہ نفس کو فعل سے روکنا۔

اِس کی دو قسمیں ہیں! 1-**نہی قبیح لعینہ** 2- **نہی قبیح لغیرہ**

1-**نہی قبیح لعینہ**:۔وہ جس کی ذات میں قباحت (حُرمت) ہو۔

2-**نہی قبیح لغیرہ** :۔وہ جس میں غیر کی وجہ سے قباحت ہو۔

اِس کی پھر دو قسمیں ہیں! (a)**نہی قبیح لذاتہ** (b)**نہی قبیح لجزئہ**

(a)**نہی قبیح لذاتہ**:۔کہ اس کے پورے اجزاء قبیح (حرام) ہوں۔

(b)**نہی قبیح لجزئہ**:۔کہ جس کے بعض اجزاء قبیح (حرام) ہوں۔

نہی قبیح لعینہ اور **نہی قبیح لغیرہ** کی پھر دو دو صورتیں ہیں!

نہی قبیح لعینہ کی صورتیں:-(a) **وضعی** (b) **شرعی**

وضعی:- یہ کہ ورودِ شرع (شرع کے پیدا ہونے سے قبل) سے پہلے ہی قبیح (حرام) تھا۔

مثلاً کفر اور زنا۔ اِس کی حرمت دائمی رہتی ہے۔

شرعی:- کہ شرع نے اس کو قبیح (حرام) کیا۔ مثلاً نماز بے وضو۔

نہی قبیح لغیرہ کی صورتیں:-(i) **بوصفِ دائم** (ii) **لمجاور** یا وصفِ غیر دائم

(i)۔ **قبیح بوصفِ دائم**:- مثلاً عید کے دن کا روزہ (ردِ ضیافت الٰہی کی وجہ سے حرام ہے)۔

(ii)۔ **قبیح لمجاور**:- جیسے بعدِ اذانِ جمعہ۔ بیع وشِرا، اگر سعی میں فرق نہیں آتا ہو۔ مثلاً!

۔ دونوں (تاجر و گاہک) موٹر یا گاڑی میں بیٹھے نماز کو جاتے ہوئے بیع شرا کریں تو مکروہ نہیں۔

۔ فعل کی حرمت احکام شرعیہ کے مرتّب ہونے کے منافی نہیں۔ مثلاً! حائض عورت سے جماع کرنے سے۔ احصان۔ نسب۔ نفقہ لازم آجاتے ہیں۔

افعالِ شرعی و حسی سے نہی (طلب ترکِ فعل) متعلق ہو تو!

اِس کی دو صورتیں ہیں۔ 1- **فعلِ شرعی** 2- **فعلِ حسی**

فعلِ شرعی:- وہ فعل (نہی) جس کا تحقق شرع پر موقوف ہو۔ مثلاً نماز۔

فعلِ حسی:- وہ فعل (نہی) جس کا تحقق شرع پر موقوف نہ ہو۔ مثلاً زنا، قتل۔

نوٹ:- 1- جب افعالِ حسی سے ''نہی'' متعلق ہو اور کوئی مانع نہ ہو تو نہی قبیح لعینہ پر دلالت کرے گا۔ کیونکہ یہی اصل ہے۔ ''نہی'' میں قبیح (حرام) لغیرہ کے لئے قرینہ کی ضرورت ہے نہ کہ قبیح (حرام) لعینہ کے لئے۔

2- اگر افعالِ شرعی سے ''نہی'' متعلق ہو تو وہ فعل قبیح لغیرہ پر محمول (Based) ہوگا اور اصل کی وجہ سے صحت ومشروعیت ملحوظ ہوگی۔ اگر قرینہ ہو تو قبیح لعینہ پر عمل (محمول) ہو سکے گا۔

3- بعض افعال کو شارع (خدا اور رسول ﷺ) نے احکامِ مقصود کے لئے وضع (پیدا) کیا ہے۔ مثلاً ''روزہ'' ثواب کے لئے۔ ''بیع'' مِلک کے لئے اور بعض مواضع میں اس سے منع بھی کیا ہے۔

4- فعلِ حسی قبیح لعینہ (لذاتہ) ہے تو ''باطل'' ہے اسی طرح فعلِ شرعی قبیح لعینہ ہے تو ''باطل'' (False) ہے۔ اور وصف قبیح لعینہ لغیرہ کے سبب ہو تو ''فاسد'' (Evil) ہے اور فعلِ شرعی مجاور کی وجہ سے

قبیح لغیرہ (حرام لغیرہ) ہے تو وہ فعل صحیح ہے مگر مکروہ ہے۔

5- اگر کوئی دلیل نہ فعل کے قبیح لعینہ (حرام لذاتہ) ہونے پر ہو نہ قبیح لغیرہ (حرام لغیرہ) ہونے پر، تو وہ فعل، اصل (ذات) کے لحاظ سے ''صحیح'' اور وصف (صفت) کے لحاظ سے ''فاسد'' ہوگا۔

6- جب افعالِ شرعیہ سے ''نہی'' متعلق ہو یعنی جب مشروعات سے ''نہی'' متعلق ہو اور اُن کے قبیح لعینہ ہونے پر دلیل نہ ہو تو قبیح لغیرہ پر محمول (Based) ہونگے اور یہ بہ اعتبار اپنی اصل کے ''صحیح'' سمجھے جائیں گے۔ مگر مشروعات ایسی چیز میں باقی رہ سکتی ہے جس کی حرمت (حرام ہونے) کو مشروعات (جائز) کے حکم کے ساتھ ثابت رکھنا ممکن ہو۔

7- جہاں ''رکن'' نہ ہو وہ شئے ''باطل'' ہے۔ اس کو نفی و نسخ پر محمول کرنا چاہیئے یعنی وہ فعل ہے ہی نہیں اور نہ ''نہی'' ہے۔ مثلاً پیٹ میں کے بچے کی ''بیع'' (فروخت) کہ مال نہیں۔

8- زمانہ کے ایک حصہ میں ''امر'' (کرو) پر عمل ہوگا تو امتثالِ امر (امر کی تعمیل) ہوگیا۔ ''امر'' کا نقیض (خلاف) ''نہی'' (مت کرو) ہے۔ اِس لئے ''نہی'' دوام پر دلالت کرے گی۔ جس کو فی الفور ہونا بھی لازم ہے۔ یعنی ''مطلق نہی'' میں تمام عمر میں دوام (نہ کرنا) ہے اور ''نہی مقید'' میں مدت، قیامِ قید تک ہوگی۔

واضح ہو کہ!

باطل:۔ اس سے مراد وہ فعل ہے جس کے رکن و اصل میں خرابی ہو، اس پر احکام مرتب نہیں ہوتے۔ مثلاً معدوم (وہ چیز جو مِلک میں نہ ہو) کی بیع (تجارت)۔

فاسد:۔ اس سے مراد وہ فعل ہے جس کی اصل صحیح اور وصف ''فاسد'' ہو۔ ایسی چیز مِلک ہے مگر اس پر تصرف (بیع وغیرہ) حرام ہے۔

(46)III۔ شرعی حُکم یا احکام (Islamic Law)

سوال:122:۔ احکامِ شرعی کے اقسام وضاحت کے ساتھ بیان کیجئے؟

جواب:۔ حکم (Law) کی دو قسمیں ہیں۔

(a) **حکمِ تکلیفی** (Primary Law) (b) **حکمِ وضعی** (Declarity Law)

III(a) **احکامِ تکلیفی کی اقسام**:۔ حکمِ تکلیفی دو قسم پر ہے! 1- **عزیمت** 2- **رخصت**

1- **عزیمت** (Determination) جو ابتداً مشروط ہو۔ اس کی مشروعیت (جائز ہونا) عوارض و مواقع

(عذر) کی وجہ سے نہ ہو۔ جیسے روزۂ رمضان ایک حکم اصلی ہے۔

2-**رخصت**:۔(Exemption) عزیمت کی سختی کا بعض عذرات (Excuses) کی وجہ سے آسانی کی طرف متغیر ہونا۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (**البقرہ**) یعنی اللہ تعالیٰ تکلیف نہیں دیتا مگر جتنی کہ اُس کی برداشت ہے۔

1- **اقسامِ عزیمت**:۔

1- **فرض بمقابل حرام**:۔ جو دلیلِ قطعی سے ثابت ہو۔ اِس کی تصدیق وامتثال (ادا کرنا) دونوں ضروری ہیں۔ انکار سے کفر اور بغیر عذر کے ترک سے فسق (گناہ) لازم آتا ہے۔ مثلاً نماز۔

نوٹ:۔ جس فرض یا حرام کا انکار محض تاویل یا رائے سے ہو تو وہ موجبِ کفر نہیں بلکہ موجبِ فِسق ہے۔ جس فرض یا حرام کا انکار تاویلِ اجتہادی سے ہو تو وہ نہ کفر ہے نہ فِسق بلکہ ''خطا'' ہے۔ مثلاً ربع 1/4 سر کا مسح۔

2- **واجب بہ مقابل مکروہ تحریمی**:۔ کو اسی دلیل سے ثابت ہو جس میں شبہ ہو یعنی عام مخصوص البغض، مجمل، ماوَل، خبرِ واحد سے ثابت ہو۔ مثلاً صدقۂ فطر، قربانی۔

نوٹ:۔ حکمِ واجب (علمِ ظنی) ہے۔ اس کا تارک (ترک کرنے والا) گنہگار ہے۔ مگر واضح ہو کہ بعض دفعہ لفظ **واجب** کا استعمال فرض اور واجب دونوں کے لئے عام ہوتا ہے۔

سنت:۔ سنت کی دو قسمیں ہیں۔ 1-**سنتِ ھدیٰ** (سنتِ موکدہ) 2-**سنتِ زائدہ** (سنتِ غیر موکدہ)

سنتِ ھدیٰ بمقابل اساء ت:۔ دین کا وہ طریقہ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ عنہ چلتے تھے۔ سنتِ ہدیٰ (سنتِ موکدہ) کی بجا آوری چاہیئے۔ تارک لائق ملامت ہے۔ مثلاً جماعت، اذان۔

سنتِ زائد بمقابل مکروہ تنزیھی:۔ وہ کام جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ عبادت کے نہ کیا ہو بلکہ بطورِ عادت کے کیا ہو۔ مثلاً کھانا، پینا، سونا۔ اِس کو مندوب، ادب، فضیلت ومستحب بھی کہتے ہیں۔

نفل بمقابل خلاف اولیٰ:۔ جس کے کرنے پر ثواب ہو۔ ترک کرنے پر عذاب نہ ہو۔ لیکن شروع کرنے کے بعد اس کا اہتمام ضروری ہے اور واجب ہو جاتا ہے۔ (فقہ حنفی)

2-**اقسامِ رخصت**:۔ اِسکی دو قسمیں ہیں۔ i-**حقیقتاً** ii- **مجازاً**

i- **رخصتِ حقیقتاً**:۔ اسکی پھر دو قسمیں ہیں:

(a)- **سببِ حرمت و حرمت باقی ھو**:۔ سبب حُرمت بھی ہو مگر عذر کی وجہ سے سہولت پیدا

کی گئی ہو۔مثلاً ! اظہارِ کفر، خوفِ جان وقطع اعضاء کی وجہ سے جائز ہے۔
حکم:۔جب تک ہو سکے عزیمت اختیار کرے۔رخصت پر عمل کرے گا تو گنہگار رہوگا۔مگر مرتبہ فوت ہو جائیگا۔
(b)- **سببِ حرمت ہو مگر حرمت نہ رہے**:۔مثلاً مسافر کو افطار کی رخصت۔
حکم:۔کمالِ سبب کی وجہ سے عزیمت اولیٰ ہے۔پس مسافر کو روزہ رکھنا اولیٰ ہے۔
ii- **رخصت مجازاً**:۔اس کی پہلی قسم' سابقہ امتوں کے لحاظ کرتے اسلام میں سہولت ہے۔

اس کی دوسری قِسم ،مقامِ رخصت میں فعل خود ساقط ہوجائے اور دوسرے موقعوں پر مشروع (جائز)۔مثلاً سفر میں قصرِ نماز۔

حکم:۔عزیمت پر عمل مناسب نہیں۔پس قصرِ صلوٰۃ ،اکمالِ صلوٰۃ (پوری صلوٰۃ) سے اولیٰ (بہتر) ہے۔
III-(b) حُکمِ وضعی:۔حُکمِ وضعی یعنی ایک شئے کا دوسری شئے سے تعلق۔
اقسامِ حُکمِ وضعی:۔i-رکن ii-علت iii-شرط iv- سبب v-علامت
i- **رکن**:۔اس کی پھر دوقسمیں ہیں! **رکنِ اصلی** - **رکنِ زائد**
رکن اصلی:۔رکن اصلی کے انتفاء (ہونے) سے نفسِ شئے باقی نہیں رہتی۔مثلاً بیع کے لئے ایجاب وقبول۔
رکن زائد:۔وہ شرائط اور اُمورِ خارجیہ جن کو رکن کے برابر اہمیت ہے مگر اُن کا انتفاء اور دُور ہونے سے حکم نہیں جاتا۔حقیقت یہ ہے کہ ایسے اُمور کو مجازاً رکن کہتے ہیں نہ حقیقتاً ، بلکہ رکنِ زائد کہا جاتا ہے۔مثلاً گواہ جو نکاح کے لئے شرط ہے۔
ii- **علت** (Evidence):۔اس سے مراد وہ امرِ خارج جس کی طرف حکمِ وجوب بلا واسطہ مضاف (اضافی) ہو۔
اقسامِ علت:۔اسمیّہ۔ معنویّہ ۔حُکمیّہ
علتِ اسمیّہ:۔یہ علت حُکم کے لئے موضوع ہے۔مثلاً بیع الشرط۔
علتِ معنویّہ:۔یہ علت حُکم میں موثر (Effective) ہے۔مثلاً گواہانِ زنا کا تزکیہ اجراء حد میں (سزا قائم کرنے)۔
علتِ حُکمیّہ:۔یہ علت پائے جاتے ہی بلا تاخیر حُکم بھی پایا جاتا ہو۔مثلاً راستے میں کنواں (Well) کھودنا، مار ڈالنے کے لئے۔

علت کی ایک دوسری تقسیم بھی ہے۔ **علتِ تامّہ** (Perfect)۔**علتِ ناقصہ** (Imperfect)
علتِ تامّہ:۔وہ جو اِسماً ومعناً علت ہو۔شرع میں ''علت'' حقیقتاً یہی ہے۔مثلاً بیع مطلق (بلا شرط) مِلک کیلئے۔

علتِ ناقصہ :۔وہ جو اسم اور معنی اور حُکم کا مجموعہ نہ ہو۔خواہ دو وَصف ہوں یا ایک وَصف۔مثلاً بیع بالخیار (عِلتِ معنویہ و اِسمیہ) یا بیع بالشرط (عِلتِ اِسمیہ)

iii- **شرط**(Condition):۔وہ ہے جس کے ساتھ کسی شئے کا وجود معلق(Pending) ومشروط(Conditional) کیا جائے۔شرط ماہیت (حقیقت) سے خارج ہوتی ہے اور وجوب اس سے متعلق نہیں ہوتا۔

اقسامِ شرط:۔(a)- شرطِ محض۔ (b)- مشابہ عِلت۔ (c)- مشابہ سبب۔(d)- شرطِ مجازی۔

(a)- **شرطِ محض**:۔یعنی صرف شرط اس کی پھر دو قسمیں ہیں:۔ **حقیقی۔ جعلی۔**

شرط حقیقی (Real):۔جس پر حُکم عقلاً وشرعاً موقوف ہو۔مثلاً گواہ نکاح کے لئے شرط ہیں۔ نکاح گواہ بغیر نہیں ہوسکتا۔

شرط جعلی (Artificial):۔اس کو شرطِ غیر حقیقی بھی کہتے ہیں یعنی شرط کے ساتھ مشروط کا ہونا ضروری نہیں ہے۔مثلاً تعلیق شرط بہ مشروط۔جیسے کوئی طلاق کو گھر سے نکلنے پر مشروط کرے تو یہ کہنا بھی شرطِ تعلیق کہلاتا ہے مگر یہ غیر حقیقی (جعلی) ہے۔

(b) **شرط مشابہ علت** :۔اس سے مراد یہ ہے کہ حُکم اس کی طرف مضاف ہوتا ہے بشرطیکہ کوئی عِلت اُس کی معارض (خلاف) نہ ہو۔مثلاً راستہ میں کنواں کھودنا ہلاکت کی شرط ہے اور ہلاکت اِس کی طرف مضاف (اضافی) ہوتی ہے۔

(c) **شرطِ مشابہ سبب** :۔یہ ہے کہ شرط ومشروط کے درمیان فعل، فاعلِ مختار حائل ہو۔اور یہ اصل میں شرط کی طرف مضاف نہ ہو۔اور شرطِ فعل پر سابق ہو۔مثلاً کسی جانور کے پنجرہ (Cage) کا دروازہ کھول دیا جائے اور وہ جانور باہر نکل جائے۔

(d) **شرطِ مجازی**(Metaphorical):۔یہ ہے کہ صورتاً شرط ہو۔مگر حُکماً شرط نہ ہو۔مثلاً ایک کام کی دو شرطیں ہوں، ایک مقدم اور ایک متاخر تو شرطِ مقدم کو شرطِ مجازی کہتے ہیں۔مثلاً ''محصن'' یعنی شادی شدہ ہونا علامتِ حق رجم ہے زِنا کی صورت میں۔

نوٹ: علامت یعنی کسی شئے کے وجود کی نشانی ہومگر اُس شئے کا وجوب اور وجود اُس سے متعلق نہ ہو۔

III-(b) **حقوق** (افعالِ مکلّف)(Rights):-

سوال :123:۔افعالِ مکلّف سے متعلق حقوق اللہ وحقوق العباد اور متعلقات حقوق بیان کیجئے اور اصل و

خلف و اہلیت کے متعلق وضاحت کیجئے ؟

جواب :۔شارع (اللہ و رسول اللہ ﷺ) کا خطاب (امر۔Command) **مکلّف** (مامور person) کے افعال (حقوق) سے متعلق ہوتا ہے۔افعالِ مکلّف کی چار قسمیں ہیں !

(a)- **محض حق اللہ** (b)-**خالص حق العباد** (c)- **حق اللہ غالب** (d)- **حق العباد غالب**

(a)- **حقّ اللہ** :۔اس کی آٹھ قسمیں ہیں !

i- خالص عبادت ii- عقوبات کاملہ iii- عقوبات قاصرہ iv- مشترک درمیان عبادت وعقوبت

v- عبادت مشتمل بہ موؤنت vi- موؤنت مشتمل برعبادت vii- موؤنت مشابہ عقوبت viii- حق مستقل

i- **عباداتِ خالصہ** :۔تین طرح پر ہیں! 1- اصل ،مثلاً تصدیق ایمان 2-لاحق ۔مثلاً اقرارِ ایمان باللسان 3- زاید،مثلاً اعمالِ صالح۔

ii- **عقوباتِ کاملہ**:۔ یہ حدود وسزائے معین سے متعلق ہیں جو **حقوق الٰہی** کے لئے واجب ہوتی ہیں۔

نوٹ:۔پس قصاص' حد نہیں کیونکہ اس میں **حق العباد** غالب ہے۔

۔حد گناہوں سے پاک نہیں کرتی بلکہ **توبہ** پاک کرتی ہے۔

۔**توبہ** سے عقوباتِ دنیوی ساقط نہیں ہوتے۔

iii-**عقوباتِ قاصرہ**:۔مثلاً قاتل کا محروم الارث ہونا۔جیسے بیٹا باپ کو قتل کردے تو باپ کی جائداد کا وارث نہ ہوگا۔

iv-**مشترک درمیان عقوبت و عبادت**:۔جیسے کفارات۔مثلاً حج میں واجبات کے ترک کرنے سے دم دینا وغیرہ۔

v- **عبادت مشتمل بر موؤنت**:۔جس میں صرفۂ مال ہو۔مثلاً صدقۂ فطر۔

vi- **موؤنت مشتمل بر عبادت**:۔مثلاً عُشر۔یعنی پیداوار پر عُشر (Tax) دینا عبادت پر مشتمل ہے۔

vii- **موؤنت مشابہ عقوبت**:۔مثلاً کفار پر خراج۔یعنی کفار پر خراج (Tax) دینا عقوبت (سزا) کے مشابہ ہے۔

viii- **حق مستقل**:۔وہ حقّ اللہ جو بذاتہ قائم ہو۔یعنی خالص خدا کا حق۔مثلاً جہادُ مالِ غنیمت۔

نوٹ:۔**عُشر** =نمو حقیقی یعنی حقیقی پیداوار پر ہوتا ہے۔اور **خراج** =نمو تقدیری پر یعنی زمین سے نفع پیدا کرسکنے کی قدرت پر ہوتا ہے۔

اصل و خلف:۔حق اللہ اور حق العباد کی دو قسمیں ہیں! **اصل۔خلف**۔

جب'' **اصل** '' کی بجا آوری ممکن نہ ہو یا متعذر (عذر) ہو تو '' **خلف** '' اس کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔

مثلاً ! اصل ،''وضو'' کا خلف ''تیمّم'' ہے۔

سوال :124:۔مکلّف یا مامور سے کیا مراد ہے؟ مراتب عقل، افعال کی دو بڑی قسمیں اورِ مکلّف کی اہلیت کے متعلق مختصر روشنی ڈالئے ؟

جواب:۔ **مکلف یا مامور** :۔مکلّف سے مراد وہ شخص ہے جس سے فعل کے لئے خطابِ شرع (شرعی امر) متعلق ہو۔اور خطاب کی اہلیت کے لئے عقل ضروری ہے۔

مراتبِ عقل:۔عقل کے چار مرتبے ہیں!i- عقل ہیولانی ii- عقل بالفعل iii- عقل بالملکہ iv- عقل مستفاد۔

i- **عقل ہیولانی** :۔اِس مرتبہ میں معقولات (عقلی دلائل۔Plausibilities) کو قبول کرنے کی استعداد ہوتی ہے۔

ii- **عقل بالفعل** :۔اِس مرتبہ میں بعض ضروریات کا علم ہوتا ہے اور اکتسابِ نظریات کی استعداد(Theoretical Skill) ہوتی ہے۔

iii- **عقل بالملکہ**:۔اِس مرتبہ میں انسان اکتسابِ نظریات کرسکتا ہے۔

iv- **عقل مستفاد**:۔اِس مرتبہ میں تمام نظریات بدیہی (Naturally) ہوجاتے ہیں۔

مدارِ عقل :۔شرع میں بعض ضروریات کا مان لینا ''مدارِ تکلیف'' ہے۔شرع (اسلامی قانون) میں اعتدالِ عقل کا اندازہ بلوغ (Maturity) کے ساتھ کیا گیا ہے۔عاقل غیر بالغ بچہ کو ایمان کی تکلیف (ذمہ داری) نہیں۔لیکن ایمان لائے تو معتبر ہے۔ہاں مگر بلوغ اور غور وفکرِ شئے کے لئے کافی وقت ملنے کے بعد کفر نامقبول ہے اور ایمان ضروری ہے۔

افعال(Acts) **کی دو قسمیں ہیں**:۔(1)- جن میں فاعل، جابر کا آلہ بن سکتا ہے۔یعنی کسی ظالم کے دباؤ میں فعل کرے (2)- جن میں فاعل جابر کا آلہ نہیں بن سکتا۔

پہلی صورت میں ''قتل'' ہے کہ فاعل گناہگار ہے مگر اس سے قصاص (جان کے بدلے جان) نہ لیا جائے گا بلکہ دوسری صورت میں جابر (ظالم) سے قصاص لیا جائے گا۔

III-(c)- **اھلیت** :۔اس سے مراد خطابِ الٰہی(Divine Commandment) سے مخاطب ہونے کی صلاحیت ہے۔یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ قانونِ شرع کیسے شخص سے متعلق ہوتا ہے۔

فطرتِ انسانی اطاعت احکام الٰہی کی مقتضی (Demanding) ہے، لہٰذا ہر آدمی وجوب وامتثالِ احکامِ الٰہی کا (فرائض وواجبات کی بجا آوری) ذمہ دار ہے۔

چنانچہ جنین یعنی پیٹ میں کا بچہ، آزادی وغلامی میں ماں(Mother) کے تابع ہوتا ہے اور ان حقوق کا اہل ہے جو اُس کو نفع بخش ہیں جیسے آزادی' وارث ہونا' نسب' اس کے لئے وصیت پیدا ہونے کے بعد 'اگر اس کا ولی نیابۃً حقوق ادا کرسکتا ہے تو وہ بھی اس سے متعلق ہوں گے مثلاً اتلافِ مال کا ضمان (ہرجانہ)، لیکن بچے سے حقوق اللہ متعلق نہیں ہوتے مثلاً نماز یا زکوٰۃ وغیرہ۔ ہاں ایسی عبادت جس میں غالب موؤنت یعنی صرفۂ مال ہے بچے سے متعلق ہوتی ہے۔ مثلاً عُشر وخراج۔

افعالِ مشروعہ (جائز) کی ادائی کی اہلیت دو طرح پر ہے !

i- اہلیتِ قاصرہ ii- اہلیتِ کاملہ

i- **اہلیتِ قاصرہ** :۔جس سے قصور(Omission) کے ساتھ عبادات ادا ہوجاتے ہیں، یہ قدرت قاصرہ کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً ! معتوہ یعنی بدفہم ومجنوط (نادان) یا عقلمند بچہ۔ ایسا شخص اگر عبادت کرے تو ادا ہوجائے گی گو اُس پر واجب نہیں ہے۔

نوٹ :۔**اہلیتِ قاصرہ** سے جو چیزیں ثابت ہوتی ہیں وہ چھ (6) ہیں!

1- **حَسن حق اللہ ۔ناقابل سقوط** :۔اللہ تعالیٰ کے ایسے حقوق جو حُسن وعمدہ ہیں اور اُن میں برائی کا احتمال (امکان) نہیں مثلاً ایمان۔

2- **قبیح حق اللہ ۔نا قابل سقوط** :۔اللہ تعالیٰ کے ایسے حقوق کہ وہ بُری باتوں کے متعلق ہو، اور اُن کی بُرائی کسی طرح دُور نہیں ہوسکتی۔ مثلاً اِرتدادِ اسلام یعنی اسلام سے **پلٹ جانا**،

۔واضح ہو کہ عاقل بچہ کے ارتداد سے اُس کی بیوی کا نکاح باطل ہوجائے گا۔ وہ مسلمانوں کا وارث نہ ہوگا اُس پر اسلام کی طرف رجوع کرنے کے لئے سختی کی جائے گی۔ مگر قتل نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ قتل قابلیتِ محاربہ کی وجہ سے ہے۔

۔امام ابو یوسفؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک بچہ کا ارتداد احکام دنیا کے حق میں صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ ضررِ محض ہے۔

3-**مابین حَسن و قبیح**:۔اللہ تعالیٰ کے ایسے حقوق کہ کبھی مناسب ہوتے ہیں، کبھی خاص حالات کی وجہ سے نامناسب ہوجاتے ہیں۔ مثلاً نماز وروزہ، حالتِ حیض ونفاس میں مشروع (جائز) نہیں۔ البتہ اُن حقوق کا طفلِ عاقل (عقلمند بچہ) سے ادا ہونا صحیح ہے۔ مگر اُس کے ذمہ کوئی ضمان وتاوان (ہرجانہ) لازم نہیں آتا۔

4- **حقوق العباد مضرِ محض**:۔ بندوں کے ایسے حقوق جن میں نقصان ہی نقصان ہے۔ مثلاً زوجہ کو طلاق دینا طفلِ عاقل سے ''باطل'' ہے۔

5- **حقوق العباد نافعِ محض**:۔ بندوں کے ایسے حقوق جو خالص نفع ہیں ۔مثلاً تحفہ یا صدقہ قبول کرنا صحیح ہے۔

6- **مابین نفع و ضرر**:۔ جوحقوق ایسے ہوں کہ اُن میں نفع کا پہلو بھی ہو اور نقصان کا بھی۔ مثلاً خرید وفروخت، نکاح۔ اِس قسم کے اُمور میں بچہ کے ولی کی رائے ضروری ہے۔

سوال:125:۔ استنباط، استقراء، قیاسِ شرعی اور علت کے اقسام پر وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالئے؟

جواب:۔استنباط(Inferring the Law):۔حُکم(Legal Value)کے استنباط(اخذ) کرنے کے دوطریقے ہیں.**تحویل**۔ **استخراج**۔

تحویل(Reduction):۔اِس سے مراد ایک قضیہ یا جملہ(Sentence) کو دوسرے جملہ کی طرف بدل دینا۔

استخراج(Derivation):۔اِس سے مراد ایک نیا حُکم پیدا کرنا۔

استخراج کی پھر تین قسمیں ہیں:i- **استراء** ii- **تمثیل** iii- **قیاس** (شرعی یا منطقی)

i-**استقراء**(Iduction):۔اِس سے مراد جزئیات سے ایک کلی کو استنباط واستخراج کرنا۔

ii- **تمثیل**(Allegory):۔اِس سے مراد ایک جزئی سے بواسطہ ایک امر جامع وکلی کے دوسری جزئی پر حُکم لگانا۔

iii- **قیاس**(Anology):۔اِس سے مراد کلی سے جزئی پر حُکم لگانا ہے۔

قیاسِ شرعی:۔قیاسِ شرعی میں دوکام (عمل) ہوتے ہیں۔ پہلے کسی جزئی یا جزئیات سے کسی حُکمِ کلی کو بطور''استقراء'' کے استخراج کرنا۔ پھر جزئیات پر اس حُکمِ کلی کے صدق کا حُکم کرنا یعنی''قیاس'' کرنا۔ اِن دونوں عملوں کے مجموعہ کا مختلف طور سے بیان درجِ ذیل ہے۔

a- **مسکوت** (ظنی) کو منصوص (قطعی) کے ساتھ حُکمِ علت میں برابر کرنا۔

b- **فرع** کو اصل کے ساتھ حُکمِ علت میں مشابہ کرنا۔

c- **علتِ** مشترک کی وجہ سے ایک حُکم میں معلوم کو معلوم پر حمل کرنا۔

قیاس کی بناء چار اُمور پر ہے !اِس مثال پر غور کریں کہ''سیندھی'' کو''شراب'' پر قیاس کیا گیا! اِس مثال کی بناء درجہ ذیل چار اُمور پر ہے!

1-**اصل یا مقیس علیہ یا مشبہ بہ**:۔جس سے تشبیہ دی جاتی ہے مثلاً''شراب''

2- **فرع یا مقیس یا مشبہ**:۔جس کو تشبیہ دی جاتی ہے۔ جیسے''سیندھی''

3-**علت و وَصفِ جامع**:۔جومقیس علیہ(شراب) ومقیس (سیندھی) میں مشترک ہوتا ہے۔جیسے''سُکر'' نشہ۔

4- **حُکم** جو مقیس علیہ (شراب) سے مقیس (سیندھی) میں متفرع (فرع ہوتا) ہے جیسے ''حُرمت''۔

ثبوتِ قیاس:۔ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے۔ ''فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَارُ''

اِس آیتِ قرآنی کے تحت سلف (اگلوں) سے خلف (پچھلوں) تک فقہا ''قیاس'' کرتے آئے ہیں۔

شرائطِ قیاس:۔

1- **حُکمِ** اصل کو عقل، ادراک (Percept) کر سکتی ہے۔ 2- **حُکمِ اصل** ''اصل'' کے ساتھ مخصوص نہ ہو۔ 3- **اصل**، **منسوخ** (Cancel) نہ ہو۔ 4- **حُکمِ اصل** شرعی ہو لغوی نہ ہو۔ 5- **دلیلِ اصل**، حُکمِ فرع کو شامل نہ ہو۔ 6- **حُکم** جس طرح ''اصل'' کے اندر پایا جاتا ہے۔ ''فرع'' میں بھی پایا جاتا ہے۔ 7- **اصل** کا حُکمِ شرعی، قیاس سے ثابت نہ ہو۔ 8- **علتِ** مشترکہ کا وجود ''اصل'' میں مساوی ہو۔ 9- **فرع**۔ کتاب وسنت واجماع میں سکوت (ظنی) ہو منصوص (قطعی) نہ ہو۔ 10- **حُکمِ فرع**۔ اصل سے مقدم نہ ہو۔ مثلاً ''وضو'' کو جس کا ''وجوب'' پہلے ہے' بہ علتِ طہارت نیت میں ''تیمّم'' پر قیاس نہیں کر سکتے۔

11- **نص** (دلیلِ قطعی) سے جو مفہوم ومعنی ہوتے ہیں اُن میں قیاس وتعلیل کے بعد کسی قسم کا تغیر (Change) نہ ہو۔ 12- **فرع** اگر ایسی چیز کو شامل ہو جو **اصل** کے ساتھ مماثلت کو مانع ہو تو ایسا قیاس ''باطل'' (False) ہے اس کو ''**قیاس الفارق**'' کہتے ہیں۔ مثلاً وضو کو تیمّم پر قیاس کرنا قیاس **مع الفارق** ہے۔

نوٹ:۔ ''**علّت**'' میں قیاس کا دارومدار ہے۔ یہی وجہ ہے **علت**، اصل وفرع میں مشترک ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے حُکم اصل' فرع میں ثابت کیا جاتا ہے۔

۔ **علّت** ایسی حکمت ومصلحت پر مشتمل ہوتی ہے جس کی وجہ سے حکیم (مجتہد) علی الاطلاق حُکم کو مشروع (جائز) کرتا ہے۔

۔ **علّت** کی وجہ سے بندوں کو منفعت (فائدہ) حاصل ہوتی ہے۔ اِن سے مضرت (نقصان) دفع ہو جاتی ہے۔ اُسی علت کو جو مصالح پر مشتمل ہو' مناسب'' بھی کہا جاتا ہے۔

۔ **علّت وعلامت** میں یہ فرق ہے کہ وجودِ وجوب، حُکمِ علت سے ہوتا ہے۔ یعنی **علامت** کو وجودِ حکم میں دخل نہیں۔ مثلاً ''اذان'' کی علامت نماز ہے نہ کہ علتِ نماز۔

علّت کے اقسام:۔ ''علت'' کے کئی اقسام ہیں جیسے!

1- **علّت**، اصل کا وصفِ لازم ہوتی ہے۔ مثلاً زکوۃ میں۔

2- کبھی **علّت**، وَصفِ عارضی بھی ہوتی ہے۔مثلاً گیہوں (Wheat) کا ناپا جانا'علّتِ ربوا (سود کی علت)۔

3- کبھی **علّت**، وصفِ خفی ہوتی ہے یعنی ایسی علت کا جاننا ''مجتہد'' کا کام ہے کیونکہ اگر علت کو ہر زبان داں (شخص) سمجھ سکتا ہے تو وہ علت دلالتِ نص ہے جو''قطعی'' ہوتی ہے۔نہ کہ قیاس میں کام آنے والی علت جو''ظنی'' ہوتی ہے۔

4- **علّتِ شرعی** وہ ہے جو اصل وفرع کو جامع ہو۔مثلاً میّت کے قرض پر حج کو قیاس کرنا، کہ واجب الادا ہے۔

5- کبھی **علّت** اسمِ جنس ہوتی ہے۔

6- کبھی **علّت** مرکب ہوتی ہے۔مثلاً احناف کے پاس حُرمتِ ربوا (سود کا حرام ہونے) میں علتِ جنس اور مقدار ہے۔

7- **علّت** کبھی منصوص (قطعی) ہوتی ہے اور کبھی **غیر منصوص**۔**نص** کے بھی مراتب ہیں، کبھی خفی ہوتی ہے کبھی ظاہر۔

ماخذ علّت:۔

1- کتاب اللہ 2- سنت الذہب بالذہب۔مثلاً ربوا کے لئے۔3- اجماع مثلاً سفر، کم عمری، ولایتِ مال۔اور بلوغ، رفع ولایت تھا، اسی علت کی وجہ سے حُکم لڑکی کی طرف بھی متعدی ہو گیا۔ 4- وَصف کو حُکم کے ساتھ مناسبت وملائمت ہو یعنی حصولِ منفعت (نفع) یا دفعِ مضرت (نقصان) کے لئے ہو۔مثلاً روزہ میں کسرِ نفس اور امدادِ فقراء

علّت کی تاثیر:۔علت کی تاثیر چار طرح پر ظاہر ہوتی ہے!

a) **علّتِ متعین**، معلول (تاثیر) وحُکم متعین۔

b) **علّتِ متعین**، معلول جنسی۔

c) **علّتِ جنسی**، معلول متعین۔

d) **علّتِ جنسی**، معلول جنسی۔

واضح ہو کہ ملائمت (رعایت) ومناسبت سے علت کا''ظن'' پیدا ہوتا ہے جس کو''**اخالہ و تخریج المناط**'' کہتے ہیں۔ملائمت (Softness) پر عمل کرنا صحیح ہوتا ہے واجب نہیں ہوتا۔وجوب کے لئے موثر (قطعی ویقینی) ہونا ضرور ہے۔اُن اوصاف کو جن سے اخالہ پیدا ہوتا ہے۔''**مصالح مرسلہ**'' کہتے ہیں۔

مصالح (Expedience):۔یہ تین قسم پر ہیں:۔(i) **ضروریہ**۔(ii) **حاجب**۔(iii) **تحسینیہ**

(i) **مصالح ضروریہ**:۔جن کو رعایت ہر دین میں کی گئی ہے اور وہ پانچ (5) ہیں!

1- **دین**۔ 2-**جان**۔ 3-**عقل**۔ 4-**نسب**۔ 5- **مال**۔

مصالح حاجبه:۔ان کا مدار حاجت پر ہے۔اور بذاتہ (بغیر حاجت کے) ضروری نہیں مثلاً حوائجِ تمدن۔

مصالح تحسینیه:۔یہ اصلاح اخلاق وعادات کے اسباب ہیں۔

شرائطِ علت:۔شرائطِ علت کئی ہیں مثلاً!

1- **علت**،مشروعیت حُکم (جائز ہونا) کا باعث ہو یعنی علت حُکم کے ساتھ مناسبت رکھتی ہو۔

2- **علت**، ایسا وصف ہو کہ جس کی حکمت معین ہو۔کیونکہ کبھی حکمت معین نہیں ہوتی ہے۔مثلاً تراضی طرفینِ بیع میں علت مخفی رہنے کی وجہ سے ایجاب وقبول اس کا قائم مقام کر دیا گیا۔

3- **وجودی** (حاضر) کے لئے **عدمی** (غیر حاضر) **علت** نہ ہو۔

4- **علت**، قاصرہ نہ ہو یعنی جو فرع میں متعدی نہ ہو۔

5- **علت**، نقض(Breach) کو قبول نہ کرے یعنی اس کو حُکم لازم ہو،مگر کسی مانع سے۔

6- **عدمِ انعکاس**۔مگر جمہور کے پاس معلول کی کئی علتیں ہوسکتی ہیں۔

7-**حُکم** پہلے،**علت** بعد نہ ہو۔

8- **علت** حُکمِ اصل کو باطل کرنے والی نہ ہو۔

9- **علتِ نص**۔ کتاب،سنت واجماع کے مخالف نہ ہو۔

10- **علت** کے نص پر زیادت نہ ہو کیونکہ یہ نسخ وتغیر ہے۔

11- **علت** بعض کے پاس صحابی کے قول کے خلاف نہ ہو۔

12-**علت** کو کوئی وصف معارض (خلاف) نہ ہو۔

13- بعض کا خیال ہے کہ دلیلِ علت' عام نہ ہو۔

وجه تعلیل:۔تعلیل کی وجہ **علت** کا استنباط اُمورِ ذیل کے لئے متصور(Considered) ہے۔

1- **موجب** کی ذات کے لئے یا موجب کے وصف کے ثابت کرنے کے لئے۔

2-**اثبات** شرط کے لئے۔ 3-**حُکم** یا وصفِ حُکم کے اثبات کے لئے۔4-**نص** کے حُکم کی تعدی کے لئے۔

نوٹ:۔شرع وفقہ میں اپنی رائے سے ابتداءً،موجب یا شرط یا حُکم کا پیدا ہونا۔یا منفی کرنا درست نہیں یعنی

قیاس بلا ماخذ درست نہیں ہاں مگر بطور تعدی کے صحیح ہے۔ قیاس کی دو قسمیں ہیں! **جلی۔ خفی**

قیاسِ جلی:۔ وہ قیاس جس میں زیادہ غور وخوض کی ضرورت نہ ہے۔

قیاسِ خفی:۔ وہ جس میں زیادہ غور وخوض کی ضرورت ہو۔ اس کو ''اِستحسان'' کہتے ہیں۔

۔ قیاسِ جلی کی پھر دو صورتیں ہیں۔ ایک وہ جس کی تاثیر ضعیف ہو۔ دوسری وہ جو بظاہر ''فاسد'' ہو مگر ''صحت'' اس میں مخفی ہو۔

قیاسِ مخفی کی بھی پھر دو صورتیں ہیں! ایک وہ جو اپنے اندر زبردست تاثیر پوشیدہ رکھتی ہو اگرچہ کہ بظاہر ضعیف معلوم ہو۔ دوسری وہ جو بظاہر ''فاسد'' معلوم ہو اور بباطن صحت رکھتی ہو۔

۔ **واضح ہو کہ** جس ''قیاسِ خفی'' میں علت قوی ہو وہ اس ''قیاسِ جلی'' سے مرجح ہے جس کی علت ضعیف ہو۔ اور جس ''قیاسِ جلی'' میں صحت مخفی ہو، اُس ''قیاسِ خفی'' سے مرجح ہے جس میں فساد مخفی ہو۔ بقیہ خفی کو جلی پر ترجیح ہے۔

۔ **یہ بھی واضح ہو کہ** کبھی **نص**، کتاب وسنت واجماع سے ثابت ہوتا ہے اور کبھی مناسبتِ قیاسِ خفی سے ثابت ہوتا ہے۔ پس قیاسِ جلی کو ایسے ''استحسان'' (قیاسِ خفی) کے مقابلہ میں ترک کردیتے ہیں۔

۔ **یہ بھی واضح ہو کہ** ''قیاس'' میں اُمورِ ذیل قابلِ لحاظ ہیں!

1- دو قضیوں یا جملوں کے ملنے سے نتیجہ نکلتا ہے۔

2- دونوں قضیے (جملے) صحیح ہوں تو نتیجہ بھی صحیح ہوگا۔ 3- نتیجہ کبھی قضایا (جملوں) سے عام نہیں ہوتا۔

47- موادِ قیاسات
(Subject of Analogies)

سوال :126:۔ **موادِ قیاسات** کے لحاظ سے صغریٰ اور کبریٰ کس قسم کے قضایا (جملے) ہوتے ہیں۔ اور حاصل کس طرح ہوتے ہیں۔ اُن میں سے کون سے قضایا (جملے) موجبِ یقین اور کون سے موجبِ ظن ہوتے ہیں؟ ''برہانیات'' سے کیا مراد ہے واضح بیان کیجئے؟

جواب:۔ **موادِ قیاسات**:۔ ''قیاس کی اہمیت کے لحاظ سے یہ ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ کسی ''امر'' (Command) پر کوئی حُکم (Law) لگانے کے لئے دو قضیے (دو جملے یا Sentence) ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک جملہ **واقعات** پر مبنی ہوتا ہے اور دوسرا **قانون** پر مبنی!

۔ یہ قانون بعض دفعہ بالکل بدیہی (Self evident) ہوتا ہے اور بعض دفعہ ثابت (Stablished) کیا جاتا ہے۔

۔نیز قانون (Law) کبھی موجبِ ظن (Anological) ہوتا ہے کبھی یقین(Determined) کبھی فلسفی (Logical) ہوتا ہے، کبھی تمدنی (Social) اور کبھی اخلاقی (Moral) ہوتا ہے۔کبھی شرعی (Islamic Law) اور کبھی مذہبی (Spiritual) ہوتا ہے مثلاً(1) ''زید چور ہے''(ایک جملہ)۔(2)''اور چور کے لئے اتنی سزا سرکار سے متعین(Fixed) ہے''(دوسرا جملہ)۔لہٰذا نتیجہ(قیاس) یہ کہ''زید اتنی سزا کا مستحق ہے''۔ ظاہر ہے کہ''زید چور ہے''۔یہ ایک واقعاتی قضیہ(جملہ) ہے اس کا ثبوت اصلی شہادت و مشاہدہ سے ہوتا ہے۔اور دوسرا قضیہ(جملہ)''چور کے لئے اتنی سزا ہے'' یہ قانونِ تعزیرات(Penal Code) سے ثابت ہوسکتا ہے۔یہاں واقعاتی جملہ''**صغریٰ**''اور قانونی جملہ''**کبریٰ**'' کہلائے گا۔

قضا یا(جملے) **صغریٰ** اور **کبریٰ** کے ملنے سے نتیجہ یا **قیاس**''زید اتنی سزا کا مستحق ہے''۔جملہ ہوگا۔چونکہ صغریٰ اور کبریٰ دونوں صحیح ہیں اس لئے(قیاس) نتیجہ بھی صحیح نکلا۔یا یوں کہئے کہ صغریٰ اور کبریٰ دونوں یقینی ہوں تو قیاس بھی یقینی و قطعی ہوگا۔اور اگر دونوں ظنی ہوں تو قیاس بھی ظنی(غیر قطعی) ہوگا۔اسی طرح اور اشکال بھی ہیں۔

خلاصہ! یہ کہ تمام کوشش اس **کبریٰ یعنی** قانون کے حاصل کرنے میں ہوتی ہے اور وہی قوانین منضبط و مدون(Compilation) ہوکر علوم(Science) ہوجاتے ہیں۔

مشاہدہ(Contemplation)، اختیار(Authority)، استقراء(Induction)، تمثیل(Simily) تقریر(Discource) سب کچھ ان ہی قوانین کے استنباط (Inference) کرنے کے لئے حکماء (Sage) یا فقہا کی بڑی جدوجہد اور لگاتار تحریروں کے بعد کہیں ایک قانون(حکم شرعی) دریافت ہوتا ہے۔

بُرھان:۔''بُرہان'' وہ''**قیاس**'' ہے جو ابتداً بدیہات سے مرکب ہو یا اُن نظریات سے مرکب ہو جن کا سلسلۂ اثبات(قبول کرنا) بدیہات(Selfevidence) پر منتہی(پہنچنا) ہو۔بدیہات کی چھ(6) قسمیں ہیں!

1-**اولیات**:۔ایسے صاف و واضح جملے جن کو ہر عقلِ سلیم والا جانتا ہے۔اس پر دلیل لانے کی ضرورت نہیں مثلاً دلیل قطعی اور متواتر۔

2-**نظریات**:۔وہ جملہ یا قضایا جن کا حدِ اوسط ذہن سے غائب نہیں ہوتا۔مثلاً!''چار(4) جفت (Even) ہے'' یہ ایک ایسا جملہ ہے کہ اس کے ساتھ''دو'' نمبر تقسیم ہوتا ہے ذہن میں لگا ہوا ہے۔

3-**حدسیات**:۔وہ جملے یا جن کے مبادی (Fundamentals) دفعتاً ذہن میں آجاتے ہیں اور اُن میں حرکتِ فطری نہیں ہوتی۔مثلاً چاند اور سورج کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو ذہن فوراً سمجھ جاتا ہے کہ نورِ قمر(چاند کی روشنی) مستفاد

ہے نورِ شمس (سورج کی روشنی) سے۔یعنی چاند کا نور آفتاب کے نور سے ہی حاصل ہوتا ہے۔
4- **مشاھدات**:۔وہ جملے جن میں مشاہدے ہوں اور جس کے ذریعہ سے ''حکم'' کیا جاتا ہے۔مثلاً مبصرات (تبصرے) جن کی تصدیق بصارت (مشاہدے) سے ہوتی ہے۔مشاہدات حواسِ ظاہری سے بھی ہوتے ہیں اور حواسِ باطنی سے بھی۔حواسِ باطنی کو ''وجدانیات'' کہتے ہیں۔
5- **تجزیات**:۔وہ جملے جن کو عقل بار بار مشاہدہ کرکے ایک حُکمِ کلی حاصل کرلیتی ہے۔مثلاً ''سنکھیا (زہر) کھانے سے آدمی مرجاتا ہے''۔
6- **متواترات**:۔کسی بات کو اتنے لوگوں سے سننا کہ اُن کا جھوٹ پر اتفاق کرنا عقل جائز نہ رکھے یعنی عقل تسلیم نہ کرے۔مثلاً ''حیدرآباد۔ہندوستان کا ایک شہر ہے''۔

48-خصم یا مدعی علیه(Defendant) کے فرائض۔

سوال:127:۔ فرائض خصم (Duties of Defendant) اجمالی طور سے بیان کیجئے؟
جواب:۔ **فرضِ خصم** اجمالی طور پر تو یہ ہے کہ مدعی (Claiment) کے غلط دعوے کی مخالفت کرے۔ اور یہ کئی طرح پر ہے۔

(1)**طلب تصحیح نقل**۔(2) **منع**۔ (3)**نقص**۔ (4) **معاوضه**۔

دو دلیلوں میں تطبیق دے۔یا تاویل کرے۔یا دو دلیلوں میں سے ایک کو ترجیح دے۔

طلبِ تصحیح نقل:۔اگر مدعی صرف دوسرے کا قول نقل کرتا ہے۔تو اس سے طلب تصحیح نقل کرے۔یعنی اس سے مطالبہ کرے کہ یہ کس کتاب میں ہے۔اس وقت مدعی یا ناقل کا فرض ہے کہ کتاب لاکر اس میں بتادے۔
منع:۔اگر دعوی نا قابلِ قبول ہو تو دلیل طلب کرے۔اگر مدعی نے دلیل بیان کی ہے اور صغریٰ (واقعہ پر مبنی) یا کبریٰ (قانون پر مبنی) میں سے کوئی قابل اثبات (ممکن) ہو تو اس پر دلیل طلب کرے۔مزید قوت کے لئے اپنے نہ ماننے کی وجہ بیان کرے۔اس کو مسندِ منع کہتے ہیں۔
نَقص:۔صغریٰ یا کبریٰ کے فرض پر کوئی محال (ناممکن) ثابت کرنا مثلاً یہ ثابت کرنا کہ بعض صورتوں میں علت تو پائی جاتی ہے۔اور حکم نہیں پایا جاتا۔
معاوضه:۔مدعی کے دعویٰ کی نقیض (Contrary) پر دلیل قائم کرنا۔اس وقت معارض (اعترض کرنے والا)، ''مدعی'' کی حیثیت پیدا کرلیتا ہے۔اور مدعی، ''خصم'' کی حیثیت۔پس مدعی طلب تصحیح نقل۔منع۔نقص کرسکتا ہے۔

سوال:128:۔فرائضِ خصم (Respondent) کی تفصیلی طور پر بیان کے سلسلہ میں مغالطہ وترجیحات کے پہلو پر وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالئے؟

جواب :۔یہ بات اہم ہے کہ تفصیلی طور سے خصم (Respondent) کے فرائض بیان کرنے کے لئے **ترجیحات اور مغالطہ** کو تفصیلی طور پر بیان کرنا ضروری ہے تاکہ وجوہِ مغالطہ کو اچھی طرح سے جاننے سے مدعی کے دعویٰ کی اچھی طرح سے تنقید ہو سکے!

49-مغالطہ(Misunderstanding):۔دو طرح پر ہوتا ہے۔

(1) **غیر متعلق بہ دعویٰ (مغالطہ)** (2) **متعلق بہ دعویٰ (ترجیحات)**۔

(1) **غیر متعلق بہ دعویٰ (مغالطہ)** ایسی گفتگو جس کو دعویٰ سے کوئی تعلق نہ ہو۔اُس کے مزید درج ذیل قسم ہیں۔

1-**اعجاب تمام** (Self-boosting):۔اکثر لوگ ایک دعویٰ کرتے ہیں۔اس کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں۔اور اپنے فخر وشیخی کے پُل باندھتے ہیں۔

2-**تجہیل کرام**(Accusing):۔مخاطب کو جاہل بدچلن ہر قسم کے عیوب کا نشانہ بنایا جائے جس کو اصل دعویٰ سے کوئی علاقہ نہیں۔اِس کی پھر تین قسمیں ہوسکتی ہیں!

(i) **اعزاء عوام**۔ایسی گفتگو جس سے عامۃ الناس کے جذبات مشتعل ہو جائیں۔

(ii) **تعظیم عظام**۔زندہ آدمی کتنا ہی درست استدلال کرے قدیم لوگوں کے مقابل کوئی شنوائی نہیں۔

(iii) **مبالغہ فی الکلام** ۔ہر شئے میں موافق پہلو بھی ہوتا ہے۔نا موافق بھی۔موافق پہلو پر گو کمزور ہی ہو مگر خوب زور دیا جائے اور نہایت اہم کر کے بتایا جائے۔

3- **ترکِ پہلوئے ناموافق** :۔ناموافق پہلو کو بالکل ترک (نظر انداز) کر دینا۔یہ عموماً ان لوگوں کی عادت ہے کہ عدلی پہلو پر بالکل نگاہ نہیں کرتے یہ بھی درست ہے کہ دوست کے عیوب اور دشمن کے محاسن نظر نہیں آتے۔

و عين الرضا من كل عيب كليلة
و لكن عين السخط تبدى المساوية

4-**تطویل کلام** :۔گفتگو کا تصفیہ ہونے نہ دیں۔بات میں بات نکالتے جائیں یا بار بار اس ہی رَد شدہ بات کا اعادہ کیا جائے۔

5-**سوال ملتف** :۔ایسا پیچیدہ سوال کیا جائے کہ مختلف پہلو ومعنی رکھتا ہو۔ایک معنی کو رَد کر دیا جائے

تو کہیں کہ میری مراد یہ نہ تھی بلکہ دوسری مراد تھی۔

6-**سلسلۂ سوالات**:۔ایک سوال کریں اس کا جواب دیا جائے ،اسی میں سے ایک دوسرا سوال پیدا کیا جائے گو یقین ہو کہ یہ مسئلہ حق ہے مگر ہر بات کا ثبوت طلب کیا جائے۔طلب تصحیح نقل کیا جائے۔اپنے ذمہ بارِ ثبوت کسی بات کا نہ لیں۔ ہر وجودی شئے کو عدمی طور پر بیان کریں۔اور مخالف کو مدعی امرِ وجودی ٹھیرا کر ثبوت طلب کریں۔

7-**تبدیل بنائے بحث**:۔ ہر وقت دعویٰ کو بدلتے جائیں۔تقریر دلکش فصیح و بلیغ کریں۔قدم بقدم ایک دعویٰ کو تبدیل یا ترک کریں۔اور کئی وسائط (مباحث) کے بعد اصل دعویٰ کی طرف رجوع کریں۔ ایک کاوا (چکر) دے کر تھکا دیں اور پھر آخر میں مقصود کی طرف رجوع کریں اور کہیں ''**وَھُوَالمطلوب**''۔اس کام کے لئے بڑی لسانی (زبانی مہارت) کی ضرورت ہے۔بعض لوگ آخر میں موافق ہو جاتے ہیں۔اور کہتے ہیں میرا بھی یہی مقصود تھا۔

8-**ادائے بداھت**:۔ایک خیالی مسئلہ کو جس کے سننے کے ایک زمانہ سے عادی ہو گئے ہیں علوم متعارفہ کی طرح ماننا۔

9-**التزام غیر کا للازم**:۔جو چیز لازم نہیں اس کو خواہ مخواہ لازم سمجھنا۔

10-**عدم علم** (علم میں نہ ہونا) **کو عدم وجود** (سرے سے موجود نہ ہونا) **کے مساوی سمجھنا**:۔اس مثال پر غور کیجئے!

ایک کمسن لڑکا اپنے ہم سن لڑکے سے خوب زور سے قہقہے لگا کر کہتا ہے کہ ''ہم نے ہمیشہ دیکھا ہے کہ آفتاب جہانتاب روشن و تاباں طلوع کرتا ہے۔اور روشن استوار پر رہتا ہے اور روشن ہی غروب کرتا ہے۔ یہ فطرتِ اللہ ہے اس کی طبیعت ہے ''لا آف نیچر'' ہے جس میں تغیر و تبدل ممکن نہیں مگر ہمارے نادان بزرگ کہتے ہیں کہ آفتاب عالم تاب بعض دفعہ تاریک بھی ہو جاتا ہے۔اِن اُولڈ فیشن حضرات نے آفتاب کی اس فرضی تاریکی کے لئے ایک لفظ وضع کرنے کی تکلیف بھی اٹھائی ہے عرب کسوف۔(ہندی)۔سورج گرہن اور انگریز جن کو ہم بڑا ہوشیار سمجھتے ہیں۔وہ بھی ''سن کلپس'' کہتے ہیں۔

۔اس قسم کے جہالت ناک مغالطوں (Rude misleadings) کا ماحصل (Purpose) یہ ہے کہ ہم نے جن کو نہ دیکھا وہ نہیں ہے۔ ہمارا عدمِ علم عدمِ وجود کے مساوی ہے۔اگر ہمارے شخصی تجربے اور علم پر عُلوم کا دارو مدار ہوتا تو عُلوم کی اتنی ترقی کیونکر ہوتی۔نہ ''**علمِ طِب**'' مدون ہوتا نہ ''**علمِ ہئیت**'' نہ اور بہت

سے علوم کے لئے سینکڑوں ہزاروں سال کے مشاہدوں کو یکجا کرنے اور اُن سے استخراجات واستنباطات کرنے کی ضرورت ہوتی ۔جن کو ذاتی تجربہ وعلم نہیں وہ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ مسئلہ میرے پاس ثابت نہیں ۔ نہ کہ یہ کہے کہ وہ لا آف نیچر نہیں ہے یعنی قوانینِ الٰہیہ کے خلاف ہے ۔حُکمِ عدم اور عدمِ حُکم میں فرق نہ کرنا ظلم ہے تعدی (زیادتی) ہے ۔

۔پس بالکل یہی حال منکرین معجزات وکرامات وروحانیات سے نا بلد اسرار خفیہ سے جاہل ظلمات مادیت میں محبوس لوگ اپنے معلومات سے جس شئے کو خارج پاتے ہیں اس کے وجود سے بالکل انکار کر بیٹھتے ہیں ۔

۔اِس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر غیر ثابت شدہ بات کو خواہ مخواہ مان ہی لو۔نہیں شہادت طلب کرو۔ثابت ہو جائے تو مانو۔ثابت نہ ہو سکے تو نہ مانو۔حق پرستی کو اپنا فرض سمجھو۔وہم پرستی کو ہرگز نہ مانو۔

۔غیر ثابت کو ثابت نہ جانو۔کوئی دعویٰ بغیر دلیل اور کافی شہادت کے مانا نہیں جاتا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی قول نسبت کیا جاتا ہے تو اس کی روایت کی تحقیق وتنقیح کی جاتی ہے۔ یہ موضوع و ضعیف حدیث قبول نہیں کی جاتی ہے۔

مگر بعض مبتدیوں (Beginners) کی حالت یہ ہے کہ کسی یورپین کی طرف صرف نسبت کر دینے کو کافی سمجھتے ہیں۔اور دُور از تحقیق باتیں ماننے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ پہلے تو اس کی ہی تحقیق نہیں کہ اس امر کو کسی حکیم نے کہا ہے۔کہا ہے تو اس کی دلیل کہاں تک قابلِ اعتبار رہے۔

II-**غیرِ علت کو علت سمجھنا**:۔مثلاً یورپ وامریکہ کی ترقی کا اصلی سبب تعلیم میں جدوجہد صنعت وحرفت وتجارت ۔تنظیم و اتفاق ہے۔مگر بعض نادان سمجھتے ہیں کہ داڑھی مونچھیں صفا چٹ کر دینا۔شراب خوری۔ ہیاٹ لگانا۔شرم وحیا کو شہر بدر کر دینا۔ مذہب کو خیر باد کہنا۔جوٴا کھیلنا۔اپنے آپ کو بوزینہ زادہ (بندر) سمجھنا وغیرہ وغیرہ ترقی کے اسباب ہیں۔

۔اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کسی زمانہ میں کوئی بات ہوتی ہے تو اس بات کو اس کی طرف نسبت کر دیتے ہیں ''ہم زمانی'' کو علت سمجھتے ہیں۔ مثلاً اورنگ زیب زوال سلطنتِ مغلیہ کا باعث (وجہ) ہے یا انگریزی سلطنت ''طاعون'' کا سبب ہے۔

وہم پرستی کی بنا اکثر ''ہم زمانی'' پر ہی رہتی ہے

۔اکثر کاذب (جھوٹے) دعویٰ کرنے والے ناحق پرست لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بڑی جراءت

اور زور سے اسپیچ (Speeches) دیتے ہیں۔ منہ لال۔ گردن کی رگیں پھولی ہوئیں۔ زمین پر پاؤں میز پر ہاتھ مارتے جاتے ہیں۔ اپنے جھوٹے فخر کے ہوا پر پُل باندھتے ہیں۔ دوسروں کو جاہلِ بے تحقیق یا بدچلن فاسق یا کافر کہتے ہیں۔ زور سے قہقہے مارتے۔ غیر متعلق اُمور کا ایک تانتا ہے کہ باندھا ہوا ہے۔ دوسرے کی ایک نہیں سنتے۔ اپنی کہے جاتے ہیں۔ جھوٹ سے بالکل نہیں شرماتے۔ غلط مقدمات اور واقعات کو ایسا بیان کرتے ہیں جیسے علوم متعارفہ یا ثابت شدہ واقعات ہیں۔ سامعین کے جذبات اپنے موافقت میں اُبھارتے جاتے ہیں۔ اپنے موافقین یا ان جہلا سے جو ان کی لفاظی سے مرعوب ہوگئے ہیں تائید چاہتے ہیں۔ یورپ و امریکہ زدہ لوگ اُن مسائل کو جو خلاف اسلام ہیں اور ہنوز خود یورپ میں زیر بحث ہیں، آیاتِ قرآنی سے زیادہ ''قطعی'' کہتے ہیں۔ اور مذہب کے دعویدار خود علماء میں مختلف فیہ (ذیلی) چند مسائل کی تاویل کو کفر و شرک کہتے ہیں۔ غرض حق پرستی معدوم ہے، جہل اور کٹ حجتی کی گرم بازاری ہے۔ اگر ٹھنڈے دل سے کسی ایک مسئلہ کے **مالہٗ و ماعلیہ** پر غور و فکر کی جائے گی تو مسئلہ صاف ہوگا۔ بالجملہ حق جوئی عنقا (بے دلیل بحث) کی پشت پر سوار ہو کر کوہِ قاف میں اُڑتی پھرتی ہے۔ اور جہلِ مرکب کے ظلمات کی بعضھا فوق بعض اذا اخرج یدہ لم یکد یرٰھا کی نوبت آ گئی ہے۔

ترجیحات (Preferences):۔

2- متعلق بہ دعوی (ترجیحات) کی دو قسمیں ہیں۔ (i) **روایت** (حدیث کے سند و متن کی تصدیق)۔ (ii) **درایت** (حدیث کے مفہوم کو سمجھ کر مرادِ شارع معلوم کرنا)۔

(i) روایت کے لحاظ سے ترجیح درجِ ذیل ہے۔

1- راوی ثقاہت؛ ضبط ورع، تقویٰ میں جو قوی ہو اُس کو مقابل کے راوی پر ترجیح ہوگی۔

2- بعض کے پاس سندِ عالی یعنی جس سلسلہ سند میں تعداد اور رواۃ کم ہو۔ ان کو اس روایت پر ترجیح ہے جس میں راوی زیادہ ہوں۔

3- بعض کے پاس راوی کثیر الروایہ ہو تو اس کو قلیل الروایہ پر ترجیح ہے مگر یہ درست نہیں کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ کثیر الراویہ ہیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ قلیل الروایہ ہیں۔ علی ہذا القیاس حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ و حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے قلیل الروایہ ہیں۔

4- ماہر عربیت کو غیر ماہر پر ترجیح ہے کیونکہ وہ روایت کے معنی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

5- حفظ قلب والے راوی کو کتاب میں لکھ کر یا د رکھنے والے پر ترجیح ہے۔

6- بعض کے پاس اکابر صحابہ کی روایت کو دوسروں کی روایت پر ترجیح ہے۔

7- سننے کے وقت جو راوی حضرت سے قریب رہتا تھا۔اس کو بعید پر ترجیح ہے۔

8- جس نے بحالتِ بلوغ و اسلام سنا۔اُس کو اِس شخص پر ترجیح ہے۔جس نے بحالتِ کفر یا صغر سنی سنا ہو۔

9- اگر متقدم الاسلام کو پھر حدیث سننے کا موقع نہ ملے تو متاخر الاسلام کو ترجیح ہے

10- مسند و معنعن کو مرسل پر اور قطعی الاسناد کو متحمل الاسناد پر ترجیح ہے۔

11- مَردوں کو مَردوں کے ساتھ خاص اُمور میں۔اور عورتوں کو عورتوں کے ساتھ خاص اُمور میں ترجیح ہے۔

12- جس کا رفع قطعی ہو اس کو اس حدیث پر ترجیح ہے جس کا رفع مختلف فیہ ہو،مگر یہ کہ جہاں رائے کو مداخلت نہ ہو تو وہاں وہ بھی وقعت میں بمنزلہ رفع کے ہے۔

13- جرح وتعدل میں اختلاف ہو تو جرح کو ترجیح ہے۔

ترجیح باعتبار متن:۔باعتبار متن کے ترجیح کی بہت سے صورتیں ہیں!

(a) **قوت دلالت کی وجہ سے ترجیح ہوتی ہے** مثلاً **محکم** کو مفسر پر **مفسر** کو نص پر اور **نص** کو ظاہر پر۔**خفی** کو مشکل پر اجماع کو قیاس پر۔**عام غیر مخصوص** کو مخصوص پر۔**روایت باللفظ** کو روایت بالمعنی پر۔**سامنے کے کام** کو غیب کے کام پر۔**قریب از فہم** کو بعید از فہم پر۔**مجاز** مشہور کو غیر مشہور پر ترجیح ہے۔**شرط** کا صیغہ اس ٹکڑے پر ترجیح رکھتا ہے جو سیاق نفی میں ہو۔نیز ہر لفظ عام پر ترجیح رکھتا ہے۔**معطل**، غیر معطل سے اولیٰ ہے۔

(b) **اہمیت کے اعتبار سے بھی ترجیح ہوتی ہے**۔پس **حکم تکلیفی** کو حکم وصفی پر ترجیح ہے۔**نہی** کو امر پر ترجیح ہے۔**اباحت وتحریم** میں سے کون مرجح ہے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔**اُخوط ترک** حرام ہے۔**سقوط حد** کو وجوب پر ترجیح ہے۔

(c) **اَغلبیت** (غالب) کو ترجیح ہے۔پس **تخصیص** (خاص) کو تاویل پر ترجیح ہے۔**موافق قیاس** کو مخالف قیاس پر ترجیح ہے۔

(d) **متن حدیث** کو عمل خلفائے راشدین سے ترجیح ہوتی ہے۔

(e) **متن کو سند کے اعتبار سے ترجیح ہوتی ہے**۔

(ii)- درایت کے لحاظ سے ترجیح حسب ذیل ہے!

ترجیحات قیاسیہ:۔دو قیاسوں میں ترجیح!

(1) علت قطعی کو علتِ ظنی پر ترجیح ہے۔**(2) علت منصوصی** کو ایماء پر، **ایماء** کو مناسب پر ترجیح ہے۔

(3) **خصوصِ علت** کو جنس علت پر ترجیح ہے، جب کہ اس کی تاثیر خصوص حکم میں معتبر ہو۔ (4) **جنسِ علت** کو خصوص علت پر ترجیح ہے، جب کہ اس کی تاثیر جنس حُکم میں ہو۔ (5) **جنسِ قریب** کو جنسِ بعید پر۔ **مظنہ** کو حکمت پر' **وجودی** کو عدمی پر' (6) **حُکم شرعی** کو غیر شرعی پر ترجیح ہے۔ بعض لوگ علتِ بسیط کو مرکب پر ترجیح دیتے ہیں۔ مگر یہ احناف کے پاس معتبر نہیں۔ (7) شافعیہ کے پاس **اخالہ** کو دوران پر ترجیح ہے۔ لیکن احناف کے پاس دونوں کچھ چیز نہیں جب تک علت موثر نہ ہو۔ (8) **مصالح ضروریہ** کو حاجیہ پر' حاجیہ کو تحسینیہ پر۔

(9) مصالح ضروریہ میں سے **دین کی حفاظت** کو جان کی حفاظت پر' **حفظِ جان** کو حفظِ نسب پر' پھر **حفظ عقل** کو عدل وضبط پر ترجیح ہے۔

۔ مگر آج کل مال (دولت) کے سامنے نہ دین کوئی چیز ہے اور نہ نسب۔ عقل کی بھی چنداں پروا ہے۔ ورنہ شراب خوری نہ کی جاتی۔ بعض تو ایک مہینہ کی ماہوار (تنخواہ) پر اپنی جان دے کر **خسر الدنیا و الاخرہ** بھی ہوجاتے ہیں۔

(10) ۔ ترجیح کے متعلق سب سے **اہم امر** یہ ہے کہ غلبۂ ظن میں جس امر سے ترقی ہو، وہی اعلیٰ و اولیٰ ہے۔

۔ **دو قیاسوں میں تعارض** ہو تو جس قیاس پر اطمینان قلبی ہو وہی اولیٰ ہے اســتــفــتِ قَــلْــبَــکَ جتنا اطمینانِ قلب قوی ہوتا ہو اُتنا ہی **قیاس** قوی ہوگا۔

نوٹ:۔ شرعی احکام میں جس **وصف** (ظن) کا زیادہ اعتبار کیا گیا ہے وہ مرجح ہے۔ جتنی زیادہ اَصلیں ہو سکیں اتنی ہی زیادہ علت کی تائید میں قوت ہوگی۔

شہادت(Witness):۔ کے متعلق اُمورِ ذیل قابلِ توجہ ہیں۔

1- کیا دعویٰ عدالت کے حدودِ سماعت میں ہے؟ کیا حاکم سماعت میں ہے؟ کیا حاکم سماعت کا مجاز ہے؟

2- کیا تقادم الزماں یعنی میعاد تو مانع نہیں؟ کیا امر فیصل شدہ تو نہیں ہے؟

3- کیا شاہد مَردود الشہادت تو نہیں ہے۔

4- شاہد کا حافظہ اور چال چلن کیسا ہے؟

5- کیا شہادت سے واقعہ پر کوئی اثر پڑتا ہے یا بالکل غیر متعلق ہے۔

6- کیا شہادت واقعہ کے مطابق ہے۔

50-اصولِ کلیاتِ فقہ:۔

(Fundamental Principles of Fiqua)

سوال:129:۔اصولِ فقہ کن اہم کلیات پر مبنی ہیں تفصیل وار بیان کرو؟

جواب:۔ **کلیاتِ فقہ**:۔(1) **عقود** میں اعتبار مقاصد ومعانی کا ہے نہ کہ صرف الفاظ وعبارت کا۔ (2) **شک** سے یقین زائل نہیں ہوتا۔(3) ہر شئے جس حال پر بھی ہے اُسی حال پر رہے گی۔ **قدیم** اپنی قدامت پر رہے گا۔**ضرر** قدیم سے نہیں مانا جاسکتا۔(4) ذمہ کا بَری رہنا اصل ہے صفاتِ عارضہ میں اصل عدم ہے۔(5) **ایک** امر جو کسی زمانہ میں ثابت ہو جائے جب تک اس کے خلاف ثابت نہ ہو وہ ثابت ہی سمجھا جائے گا۔اس کو''استعصاب'' کہتے ہیں۔**امر**،نو پیدا وقتِ قریب سے متعلق کیا جاتا ہے۔(6) **منصوص** کے خلاف اجتہاد کو گنجائش نہیں۔(7) **خلافِ** قیاس مقدمہ پر قیاس نہیں ہوسکتا۔(8) **ایک** اجتہاد دوسرے اجتہاد سے نقیض نہیں ہوسکتا۔(9) مشقت سے آسانی پیدا ہوتی ہے اور صعوبت سے سہولت ہے اور تنگی باعثِ وسعت۔(10) **نہ** ضرر اُٹھاؤ نہ ضرر پہنچاؤ۔ضرر زائل کیا جائے گا۔(11) **مانع** زائل ہو جائے تو ممنوع پھر موجود ہو جاتا ہے۔(12) **ایک** ضرر دوسرے ضرر سے زائل نہیں کیا جاسکتا۔(13) **ضررِ** عام کے لئے ضررِ خاص قابلِ اختیار ہے۔(14) **ضررِ** خفیف سے ضررِ شدید زائل کیا جاتا ہے۔ دو فساد جمع ہوں تو خفیف تر کو اختیار کریں گے۔(15) **خیر الخیرین** کو اختیار کرنا اور شرالشرین کو ترک کرنا۔فساد کا دُور کرنا منفعت کے حاصل کرنے سے بہتر ہے۔(16) **جب تک** ممکن ہو ضرر دُور کیا جائے گا۔حاجت عام ہو یا خاص بمنزلہ ضرورت کے ہے۔اپنے ضرر کی خاطر دوسرے کا حق باطل کرنا جائز نہیں۔(17) **جس** کا لینا حرام، اُس کا دینا حرام ہے۔اس کی طلب اور ارادہ بھی حرام ہے۔(18) **عادت** ایک حاکم ہے۔(19) **جو** عادتاً ممتنع ہے وہ حُکماً ممتنع ہے۔زمانے کے تغیر سے احکام میں بھی تغیر ہوتا ہے۔(20) **معنائے** حقیقی بخلاف عادت ترک ہو سکتے ہیں۔(21) **عادت** کا اعتبار کثرت اور غلبہ پر ہے۔غالب کا اعتبار ہے نہ کہ نادر کا۔(22) **جو** امر کہ عرف میں معروف ہو' وہ بمنزلہ شرط کے ہے۔(23) **مانع** و مقتضی میں مانع پر عمل کیا جاتا ہے۔(24) **شئے** کا تابع حُکم کا بھی تابع ہے تابع کا حُکم علحدہ نہیں ہوسکتا۔(25) **اگر** ایک شخص کسی چیز کا مالک ہو تو اس کی ضروریات کا بھی مالک ہوگا۔(26) **جب** اصل جاتی رہتی ہے تو فرع بھی جاتی رہتی ہے۔

جو حق کہ ساقط ہو گیا مثل معدوم کے پھر نہیں موجود ہو سکتا۔ جب **اصل** شئے زائل ہو گئی تو جو چیز اس کے ضمن میں ہے وہ بھی زائل ہو گئی۔ جب اصل شئے زائل ہو جاتی ہے بالضرور اس کے بدل کی طرف رجوع کیا جائے گا۔(27) **توابع** میں اپنی چیزوں کی حاجت پڑتی ہے کہ اس کے غیر میں حاجت نہیں پڑتی۔(28) **ابتداء** میں جو چیز جائز ہو وہ انتہا میں جائز ہو سکتی ہے۔ بہ نسبت **شروع** کے آخر کار سہل ہے۔(29) **تبرع** بغیر قبضہ کے کامل نہیں ہوتا۔ رعیت پر مصلحت سے تصرف وحکومت کی جاتی ہے۔(30) **ولایتِ خاص** بہ نسبت ولایتِ عام کے قوی تر ہے۔(31) **جب تک ممکن** ہو کلام مہمل نہ کیا جائے۔(32) **جب** حقیقی معنی نہ بن سکیں تو مجازی معنی لئے جائیں۔(33) **کلام** کے معنی نہ حقیقی درست ہو سکیں گے نہ مجازی تب ناچار کلام مہمل سمجھا جائے گا۔(34) **جس** چیز کے ممتاز وعلحدہ اجزاء نہ ہوں اگر اس سے بعض حصہ کا ذکر کریں تو بجائے ذکرِ کل کے ہوگا۔(35) **مطلق** بانص یا بالدلالت مقید نہ ہو تو مطلق ہی رہے گا۔(36) **غائب** کا وصف کرنا معتبر ہے (37) **حاضر** و مشارٌ الیہ کا وصف کرنا لغو ہے۔ جو سوال میں مذکور ہو وہ جواب میں مقدر ہوگا۔(38) **ضرورت** ہی کے وقت ساکت سے کلام متعلق کیا جائے گا۔(39) **جس** شئے کی حقیقت پر اطلاع دشوار ہو تو اس کی دلیل و علامت ہی قائم مقام ہوگی تاکہ ظاہر حال پر حکم ہو سکے۔(40) **کتاب** مثل خطاب کے ہے۔(41) **گونگے** کے مقررہ اشارے مثل بیانِ زبانی ہے۔(42) **مترجم** کا قول بحلف مقبول ہے۔(43) **جو بیان** کہ اس میں خطا ظاہر ہو اُس کا اعتبار نہیں۔ جو احتمال کہ دلیل سے پیدا ہوا سکے ہوتے ہوئے کوئی امر حجت نہیں۔(44) **جو امر** کہ دلیل ثابت ہو وہ گویا بالمعائینہ ثابت ہے۔(45) **مدعی** پر بینہ (گواہ) ہے منکر پر حلف۔(46) **آدمی** اپنے اعتبار سے ماخوذ ہے۔ گواہ خلافِ ظاہر کے اظہار کے لئے بینہ (گواہ کی شہادت) حجت معتد بہ ہے۔ اقرار حجت قاصرہ ہے۔ انکار از قسم سے اصل دعویٰ باقی رہتا ہے، باطل نہیں ہوتا۔ اگر حجت میں تناقض ہو تو وہ حجت، حجت نہ رہے گی۔(47) **کبھی** فراغ پر حکم ثابت ہوتا ہے اور اصل پر ثابت نہیں ہوتا۔ جو امر مشروط بہ شرط ہو وہ ثبوتِ شرط سے ثابت ہوگا۔ جب تک ممکن ہو شرط کی رعایت کی جائے گی۔ جو وعدہ کہ بشرطِ شکل ہو وہ لازم ہو جاتا ہے۔(48) **ضمان** (تاوان) سے اُجرت وخراج ساقط ہو جاتا ہے۔ اُجرت وضمان دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ **الغرم بالغنم** یعنی جو نفع اُٹھائے گا وہ نقصان کا بھی متحمل ہوگا۔ نعمت بقدر نقمت ہے اور نقمت بقدر نعمت۔ (49) **فاعل** پر حکم لگایا جاتا ہے نہ کہ آمر پر مگر یہ کہ آمر نے جبر و اِکراہ کیا ہو۔(50) **جو امر** شرعاً وقانوناً جائز ہو اس کے سلب سے

ضمان (تاوان) لازم نہیں آتا۔ مرتکبِ فعل اگرچہ عمداً نہ ہوضمان دے گا۔(51) **مسببِ فعل** بدونِ عمل کے ضمان نہ دے گا(52) **چوپاؤں** کا ضرر معاف ہے۔(53) **کسی کو** حُکم دینا کہ مِلکِ غیر میں تصرف کرنے کا باطل اورلغو ہے۔(54) **کسی** کو جائزنہیں کہ مِلکِ غیر میں بدون اس کی اجازت کے تصرف کرے۔کسی کو جائزنہیں کہ بے وجہ شرعی کے کسی کا مال لے۔(55) **اگرکسی** شئے کے مِلک کا سبب بدل گیا تو گویا اُس شئے کی ذات بدل گئی۔جوشخص کسی چیزکواس کے وقت سے پہلے طلب کرے تو وہ محروم رہتا ہے۔ جوشخص ایک کام اپنی سعی سے پورا کر چکا ہےتو پھر اُس کے خلاف کوشش باطل ہے۔(56) تکلیف مالا یطاق (نا قابل برداشت) درست نہیں۔(57) حدود شبہ سے ساقط ہوجاتے ہیں۔(58) **سکوت** محل بیان میں' حکم میں''بیان'' کے ہے۔(59) ایک معاہدے میں کئی معاہدے درست نہیں۔(60) معدوم کی بیع باطل ہے مگر استحساناً، بیع سلم واصطناع میں توصیفِ کامل بمنزلہ وجود کے سمجھی جاتی ہے۔(61) وکیل کا کام موکل کا کام سمجھا جائے گا۔

تعارض اور توفیق اور تطبیق:۔

سوال :130:۔تعارض اور توفیق اور تطبیق سے مراد کیا ہے؟ امر زائد کی نفی واثبات میں تعارض کے متعلق محققین کا کیا حُکم ہے؟ ترجیح باعتبار متن اور ترجیحاتِ قیاسہ کو وضاحت کے ساتھ بیان کیجئے ؟

جواب:۔**تعارض**:۔تعارض دو دلیلوں کا اس طرح واقع ہونا کہ ایک دلیل ''ثبوت'' کو اور دوسری دلیل ''انتفاء'' کومقتضی ہو۔اِس کی مختلف صورتیں یہ ہیں!

☆ **تعارضِ حقیقی** کے لئے زمانہ اور محل کا ہونا شرط۔آیات میں تعارض ہوتو حدیث رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔دوسنتوں میں تعارض ہوتو اقوالِ صحابہؓ وقیاس کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

اقوالِ صحابہؓ یا قیاس سے بھی تعارض رفع نہ ہوتو ہر شئے کو اپنی اصل پر برقرار رکھنا چاہیئے۔

☆ **تعارض صوری** کا یہ حُکم ہے کہ ان دونوں متعارض دلیلوں میں سے ایک کے لئے قوت ثابت کر کے دوسری پر ترجیح دی جائے یا دونوں کوکسی طرح جمع کیا جائے کہ ایک دوسرے پرعمل ہو سکے۔اِس جمع کو **توفیق وتطبیق** کہتے ہیں۔

☆ **رفع تعارض**:۔رفع تعارض بہ اعتبارِ اختلافِ حُکم،حمل اور زمانہ کے ہوتا ہے۔حُکم کے لحاظ سے تعارض کئی طرح پر ہے۔

(a) ایک حُکم کے بعض افراد (اجزاء) کو ایک دلیل کے ساتھ ثابت کیا جائے اور بعض افراد کی دوسری دلیل کے ساتھ

نفی کی جائے۔
(b) دونوں دلیلوں کے جُدا جُدا حُکم بیان کئے جائیں۔ زمانہ کے لحاظ سے ''مخلص'' (درست) یہ ہے کہ!
(i) ان دونوں متعارض دلیلوں کا زمانہ ایک نہ ہو، پس پہلا حُکم **منسوخ** اور دوسرا **ناسخ** ہوگا۔
(ii) اختلاف زمانہ پر گو نقل صریحاً دلالت نہیں کرتی مگر عقل و دلیل اس بات پر دال ہے کہ زمانہ جُدا ہے۔
نوٹ:۔ اگر **حلت وحرمت** (حلال وحرام) میں فیصلہ نہ ہو سکے تو احتیاط کا تقاضا ہے کہ ایسے امر سے اجتناب (بچا) ہی کیا جائے۔

امر زائد کی نفی و اثبات میں تعارض :۔ اِس سے مراد یہ ہے کہ اگر ایک نص (دلیلِ قطعی) ایک چیز کے لئے کوئی امرِ عارض ثابت کرتا ہو اور دُوسرا نص اس کو نفی کر کے اس چیز کو اصل حالت پر باقی رکھتا ہو تو محققین کے پاس اس کا حُکم حسبِ ذیل ہے!

1- اگر یہ تحقیق ہے کہ نفی کسی دلیل وعلامت ظاہری پر مبنی ہے تو وہ نفی مثل **اثبات** کے ہوگی کیونکہ اثبات بغیر کسی دلیل کے نہیں ہوتا۔ پھر جب کہ نفی بھی دلیل کے ساتھ ہوگی تو وہ اثبات کی طرح سمجھی جائے گی۔
2- اگر یہ تحقیق ہے کہ ان دونوں (نفی ودلیل) میں تعارض ہوگا۔ تو تعارض رفع (دُور) کرنے کے لئے کسی مرجح کی طرف احتیاج واقع ہوگی۔
۔ اگر نفی، دلیل کے ساتھ نہ ہو بلکہ عدمِ اصلی پر مبنی ہو تو اس وقت میں وہ اثبات کے معارض (خلاف) نہیں ہوسکتی بلکہ اثبات اولیٰ ہوگا کیونکہ وہ دلیل سے ثابت ہے۔
3- اگر نفی کی حالت مشتبہ ہو اس طرح کہ اس میں دونوں احتمال (امکان) ہوں۔ یعنی اس بات کا بھی احتمال ہو کہ وہ دلیل سے ثابت ہو اور اس کا بھی احتمال ہو کہ عدم اصلی پر مبنی ہو تو اس وقت راوی کی حالت پر غور کیا جائے گا۔
4- اگر یہ معلوم ہو جائے کہ راوی نے دلیل پر اعتماد کیا ہے تو نفی مثل اثبات کے ہے۔ اگر اس نے عدمِ اصلی پر اعتماد کیا ہے تو اثبات اولیٰ ہے۔

اللّٰھم صلّ علیٰ محمّد وّ الہٖ و اصحابہ اجمعین . ولحمد لِلّٰہِ رَبِّ العٰلمین

تمت

51- سوالات نقشِ قدم رسول ائمہ مجتہدین وفنِ فقہ

معزز قارئین کی سہولت کے لئے جملہ سوالات کو یکجا ذیل میں درج کر دیا گیا ہے!

S.No	سوالات	Page
سوال:1-	اصول وفقہ کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ اور اصولِ فقہ کی تعریف بیان کیجئے ؟	23
سوال:2-	''فقہ'' کی اصطلاحی تعریف کے ضمن میں اِن احکام کی وضاحت کیجئے ؟	23
سوال:3-	اصول فقہ کا اطلاق کن اُمور کی معرفت پر ہوتا ہے وضاحت کیجئے ؟	26
سوال:4-	اصولِ فقہ اور فقہ میں کیا فرق ہے؟	27
سوال:5-	ایک ''مجتہد'' شخص اللہ کی توفیق سے حکمت و دینی بصیرت کے ساتھ ساتھ قواعدِ اصول فقہ سے آگاہ ہوگا تو اُن کے ذریعہ دلائل جزئیہ سے احکامِ شریعہ کا استباط کرے گا لیکن غیر مجتہدین کو اِس علم کا کیا فائدہ ہوسکتا ہے؟	28
سوال:6-	تدوین اصولِ فقہ کی بنیاد اور اِس فن کی اشاعت وارتقاء اور باقاعدہ تدوین کے متعلق تذکرہ کیجئے ؟	28
سوال:7-	مسالکِ اربعہ کے اسالیب اصولِ فقہ اور طریق کار پر روشنی ڈالئے ؟	32
سوال:8-	اختلافِ ائمہ کے سلسلہ میں وجوہاتِ اختلاف پر روشنی ڈالئے ؟	35
سوال:9-	مسائلِ شرعیہ کے حل کرنے والے کتنے قسم کے عالم ہیں ہر قسم کے عالم (مجتہد) کے لئے کس قسم کے معلومات وعُلوم جاننے کی ضرورت ہے؟	37
سوال:10-	موضوع اصولِ فقہ میں کن اُمور کے احوال پر بحث ہوتی ہے؟	40
سوال:11-	فقہ اِسلامی میں احکامِ شریعہ کا پہلا ماخذ کیا ہے۔ ''شارع'' کی حیثیت سے حاکمیتِ اعلیٰ کی جہتیں اور اُن کی تعریفات بیان کیجئے ؟	47
سوال:12-	حقیقی حاکمیت پر آیاتِ قرآنی دلائل کے طور پر بیان کیجئے ؟	49
سوال:13-	نیابتی حاکمیت یعنی رسالت وسنت نبویؐ پر واضح دلائل بیان کیجئے ؟	49
سوال:14-	حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحی حاکمیت سے مراد کیا ہے اور اس کی کون کون سی صورتیں ہیں واضح بیان کیجئے ؟	51
سوال:15-	حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ''تشریعی حاکمیت'' سے کیا مراد ہے۔ اِس شانِ حاکمیت کے دلائل پر روشنی ڈالئے ؟	53

Page	سوالات	S.No
56	حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی حاکمت کی مختلف صورتوں کے متعلق واضح بیان کیجئے ؟	سوال:16-
58	خلافتِ الٰہیہ اور خلافتِ نبویہ میں فرق کی وضاحت کیجئے ؟	سوال:17-
58	حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی حاکمیت میں اجتہاد و قیاس کے مقام کے متعلق ائمہ اربعہ اور مجتہدین کے طرزِعمل پر روشنی ڈالئے ؟	سوال:18-
60	فقہ اِسلامی میں احکام شریعہ کا پہلا ماخذ ''قرآن'' ہے اور سنت کا درجہ قرآن کے بعد ہے اور پھر فقہ کا تیسرا اور چوتھا ماخذ ''اجماع'' اور قیاس ہے۔ اِن مصادر کی توضیح کو خلاصہ کے طور پر تذکرہ کیجئے ؟	سوال:19-
73	''حکم'' کی لغوی ، اصطلاحی تعریف بیان کرو اور شرعی تعریف کی وضاحت کیجئے ؟	سوال:20-
75	حکم کے اقسام اور اُن کا آپس میں موازنہ مثالوں کے ذریعہ بیان کیجئے ؟	سوال:21-
78	فقہی احکام کی تقسیم مدارج کی وجہ تسمیہ اور احناف کے پاس احکام کی ابتدائی اقسام کے بارے میں وضاحت کیجئے ؟	سوال:22-
79	احکامِ تکلیفی کے مدارج کی تقسیم' تاریخِ اصطلاحات پر روشنی ڈالئے ؟	سوال:23-
82	جب احکامِ تکلیف کا مرجع اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی ہیں تو اِن کو دو ہی اقسام میں کیوں تقسیم نہیں کیا گیا۔ اتنی زیادہ اقسام کیوں بنانی پڑی ؟	سوال:24-
83	احکامِ تکلیفی کے گیارہ (11) اقسام اور اُن کی تعریفات بیان کیجئے ؟	سوال:25-
86	ادلۂ سمعیہ سے مراد کیا ہے۔ ان کی تعریفات اور ترتیب و اقسام بیان کیجئے ؟	سوال:26-
88	''فرض'' کا لغوی معنیٰ ۔ اصطلاحی تعریف کی وضاحت کیجئے ، نیز فرض کے اقسام اور فرض اور واجب میں فرق کو واضح بیان کیجئے ؟	سوال:27-
91	''واجب'' کی لغوی و اصلاحی تعریف اور احکام بیان کیجئے ؟	سوال:28-
92	''فرض و واجب'' کے ثابت ہونے کے ذرائع اور اس پر دلالت کرتے الفاظ جو قرآن و احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ اُن الفاظ کو مثالوں کے ذریعہ واضح کیجئے ؟	سوال:29-
95	فرض و واجب کی تقسیمات کیا ہیں اور اُن میں تقسیم اول کے متعلق وضاحت سے بیان کیجئے ؟	سوال:30-
97	''وجوبِ مقید موسّع'' کی اہمیت کے پیشِ نظر اِس پر مزید وضاحت سے روشنی ڈالئے ؟	سوال:31-
99	تعینِ مقدار کے اعتبار سے وجوب کی تقسیم ثانی وجوب سے متعلق وضاحت کے ساتھ بیان کیجئے؟	سوال:32-

S.No	سوالات	Page
سوال:33-	مطلوب و تکلیف کے اعتبار سے تقسیمِ وجوبِ ثالث کے متعلق وضاحت کے ساتھ بیان کیجئے ؟	101
سوال:34-	تعینِ فعل کے اعتبار سے تقسیمِ رابع وجوب سے متعلق وضاحت کیجئے ؟	102
سوال:35-	وجوب کے بجالانے کی صورتوں کی تعریفات اور اُن کی ادائیگی کی وضاحت کیجئے ؟	103
سوال:36-	''سنت'' کے لغوی اور اصطلاحی تعریفات بیان کیجئے ۔ اور ''سنت'' کے اطلاق پر اختلاف اور ان کے دلائل پر روشنی ڈالئے ؟	106
سوال:37-	''سنت'' کی بنیادی طور پر اقسام اور اُن کی تعریفات اور احکام کے متعلق واضح بیان کیجئے ؟	108
سوال:38-	مستحب/مندوب کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات و احکام کو واضح سمجھائیے ؟	110
سوال:39-	''حرام'' کی لغوی تعریف اور اصطلاحی تعریفات میں ائمہ کے اختلاف کو واضح کیجئے اور حرام کے اقسام کا تذکرہ کیجئے ؟	111
سوال:40-	حرام کے ثبوت کے ذرائع والفاظ کو واضح بیان کیجئے ؟	116
سوال:41-	''مکروہ'' کی لفظی اور اصطلاحی تعریفات اور اسکے اقسام کے بارے میں وضاحت کے ساتھ بیان کیجئے ؟	118
سوال:42-	''مباح'' کا لغوی معنیٰ اور اصطلاحی تعریف کے پیشِ نظر ''مباح'' کے اطلاقات اور اس کے حکمِ شرعی ہونے کے متعلق وضاحت سے بیان کیجئے ؟	122
سوال:43-	غیر منصوص اشیاء کی ''اصل کا حکم'' کے بارے میں اصولیین (علمائے اصول) کی مختلف آراء اور موقف کی مختصر وضاحت اور راجح قول بیان کیجئے ؟	123
سوال:44-	اباحتِ اصلی کے قولِ راجح کے دلائلِ قرآنی و احادیثِ مبارکہ معہ تصریحات وضاحت سے بیان کیجئے ؟	125
سوال:45-	حکمِ شرعی اور قسمِ حکمِ وضعی سے مراد کیا ہے؟ حکمِ وضعی کی مزید کتنی اقسام ہیں؟	135
سوال:46-	حکمِ وضعی کی اقسام کے تعریفات اور احکام پر روشنی ڈالئے ؟	136
سوال:47-	''سبب'' کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات وضاحت کے ساتھ بیان کیجئے ؟	138
سوال:48-	''سبب'' کی اقسام مع مثالوں کے واضح بیان کیجئے ؟	140
سوال:49-	''علت'' کے لغوی معنیٰ اور اصطلاحی تعریفات پر روشنی ڈالئے ؟	143
سوال:50-	سبب اور علت کا باہمی تعلق کو واضح بیان کرو؟	145

S.No	سوالات	Page
سوال:51-	''شرط'' کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات اور اس کی اقسام بیان کرو؟	146
سوال:52-	''رُکن'' کا لغوی معنی اور اصطلاحی تعریف بیان کیجئے اور سبب، رُکن اور شرط کا آپس میں ربط پر روشنی ڈالئے؟	147
سوال:53-	''مانع'' کے لغوی اور اصطلاحی تعریفات بیان کرو اور مانع کی اقسام، اور اُن کی مختلف صورتوں پر روشنی ڈالو؟	149
سوال:54-	''صحت'' یا صحیح کا لغوی معنی اور اصطلاحی تعریفات بیان کیجئے؟	151
سوال:55-	''فاسد'' اور ''باطل'' کے لغوی معنی اور اصطلاحی تعریفات بیان کیجئے؟	152
سوال:56-	''عزیمت'' کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات بیان کیجئے؟	153
سوال:57-	''رخصت'' کا لغوی معنی اور اصطلاحی تعریفات معہ حکم رخصت بیان کیجئے؟	154
سوال:58-	''رخصت'' کی مختلف اقسام وضاحت کے ساتھ بیان کیجئے؟	155
سوال:59-	قانونِ اسلامی میں محکوم فیہ یا محکوم بہ کی تعریف بیان کیجئے؟	162
سوال:60-	فقہائے کرام کے مطابق ''افعال'' (Deeds) کی اقسام اور تفصیلات پر روشنی ڈالئے؟	162
سوال:61-	وجوہ وہیت کے اعتبار سے ''افعال'' کی تقسیمات اور اُن کی تفصیل بیان کیجئے؟	164
سوال:62-	شرعی وجوب کے اعتبار سے ''افعال'' کی تقسیمات اور اُن کی تفصیلات بیان کیجئے؟	166
سوال:63-	معاہدانہ نوعیت کے اعتبار سے ''افعال'' کی تقسیمات اور اُن کی تفصیلات بیان کیجئے؟	168
سوال:64-	''حقوق'' کی اصطلاحی تعریف اور اُس کے اقسام بیان کیجئے؟	170
سوال:65-	''حقوق اللہ'' سے مراد کیا ہے اور اس کی اقسام کی وضاحت کیجئے؟	171
سوال:66-	''حقوق العباد'' سے مراد کیا ہے۔ اُن کی چند اقسام کو واضح کیجئے؟	172
سوال:67-	''حقوق'' کی مزید تقسیم باعتبار ''اصل'' (ادا) اور ''خلف'' (قضاء) کے بارے میں وضاحت کیجئے؟	173
سوال:68-	شرعی فرائض وواجبات کی ادائیگی کی مختلف صورتوں پر مختصر روشنی ڈالئے؟	174
سوال:69-	مکلّف (محکوم علیہ) سے مراد کیا ہے واضح بیان کیجئے؟	180
سوال:70-	تکلیفِ شرعی کے مقاصد، اساس (بنیاد) اور شرائط پر مختصر تبصرہ کیجئے؟	181
سوال:71-	''اہلیت'' کا لغوی معنیٰ اور اصطلاحی تعریف اور اس کے شرعی پہلو کے متعلق وضاحت کے ساتھ بیان کیجئے؟	183
سوال:72-	''مکلّف'' کے اہلیتِ کاملہ کے اجزائے ترکیبی یا شرائط بیان کیجئے؟	185
سوال:73-	عوارضِ اہلیت سے مراد کیا ہے، فقہاء کے نزدیک عوارض کے اقسام کیا ہیں؟	187

S.No	سوالات	Page
سوال:74-	عوارضِ سماویہ کے بارے میں وضاحت سے تبصرہ کیجئے؟	188
سوال:75-	عوارضِ کسبیہ یا ارضی کے حوالے سے وضاحت کے ساتھ تبصرہ کیجئے؟	193
سوال:76-	قانونِ شریعت کا بنیادی تصور کے حوالے سے مختصر مگر جامع گفتگو پر مبنی تذکرہ کیجئے؟	198
سوال:77-	اُن اکابر صحابہ کرامؓ، تابعینؒ وائمہ کرام اور علمائے عظام عاشقانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیجئے جنہوں نے شرح صدرِ محمدیؐ سے ضیاء پا کر نقشِ قدمِ رسول پر گامزن رہتے ہوئے روایت (حدیث وفقہ) کی خدمت کی ہے اور طالبانِ حق کی رہنمائی فرمائی ہے؟	201
سوال:78-	فقہ اور اجتہاد کی تعریفات اور ان کے مختلف پہلوؤں پر مختصر مگر جامع تبصرہ کیجئے؟	207
سوال:79-	فقہا کی فضیلت اور رائے وقیاس کے بارے میں مختصراً مگر واضح بیان کیجئے؟	209
سوال:80-	حقیقتِ فقہ، ضرورتِ فقہ، فقہا واجتہاد پر غائرانہ نظر کے ساتھ خلاصہ پیش کیجئے؟	212
سوال:81-	علمِ فقہ کی بنیاد اور اس کی ابتداء کے بارے میں واضح تذکرہ کیجئے؟	214
سوال:82-	فقہی احکام (احکام شرعیہ) کے اقسام اور اُن کی ابتداء اور ضرورت پر روشنی ڈالئے؟	216
سوال:83-	عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم وعصرِ صحابہؓ میں طرزِ اجتہاد کے چند نظائر پر مختصر تبصرہ کیجئے؟	219
سوال:84-	اگر کوئی شخص حدیث کے ظاہری حکم کو کسی علت کی بناء پر یا کسی اور حدیث کی وجہ سے قبول نہ کرے تو کیا اس کو کوئی الزام دینا جائز ہے؟	222
سوال:85-	صحابہ کرامؓ میں مشہور فقہا کے اسم گرامی کا ذکر کیجئے؟	224
سوال:86-	خلفائے راشدین میں خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی بحیثیت فقیہ، آپؓ کے فضائل اور اسلام کی اشاعت کے بارے میں جامع تذکرہ کیجئے؟	224
سوال:87-	امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی بحیثیت فقیہ، آپؓ کے فضائل اور اشاعتِ اسلام کے بارے میں جامع تذکرہ کیجئے؟	231
سوال:88-	امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی بحیثیت فقیہ اور آپ کے فضائل کے بارے میں جامع تذکرہ کیجئے؟	238
سوال:89-	امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی بحیثیت فقیہ اور آپؓ کے فضائل کے بارے میں جامع تذکرہ کیجئے؟	243
سوال:90-	ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ذاتِ گرامی اور علم وفضل اور	

Page	سوالات	S.No
249	خدمتِ قرآن وحدیث وفقہ کے بارے میں واضح تذکرہ کیجئے؟	
252	مفسر وفقیہ جلیل القدر صحابی وخادمِ رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی اور آپؓ کی فضیلت وفوقیت بحیثیت فقیہ کے بارے میں تذکرہ کیجئے؟	سوال:91-
255	حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ذاتِ گرامی اور آپؓ کے علومِ حدیث، فقہ وتاویل میں فوقیت کے بارے میں مختصر تذکرہ کیجئے؟	سوال:92-
256	حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی، فضیلت اور آپؓ کی قوتِ حافظہ اور قوتِ ادراک وفقہ میں فوقیت اور اشاعتِ حدیث کے فریضہ کی انجام دہی کے بارے میں تذکرہ کیجئے؟	سوال:93-
257	جلیل القدر فقیہ نوجوان صحابی رسول ﷺ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی عشقِ رسول ﷺ اور آپؓ کے علم وفضل اور خدمتِ دین کے بارے میں جامع تذکرہ کیجئے؟	سوال:94-
261	مشاہیر فقہاء ومجتہدین تابعین اور تبع تابعین کے اسماء گرامی بیان کیجئے؟	سوال:95-
261	جگر گوشۂ علیؓ وبتولؓ حضرت امام جعفر صادقؒ کی ذاتِ گرامی اور بحیثیت فقیہ اُن کے فضائل وکمالات کے بارے میں مختصر تذکرہ کیجئے؟	سوال:96-
263	سید الحفاظ شیخ الاسلام حضرت امام سفیان ثوریؒ کی عظیم شخصیت بحیثیت امام الحدیث وفقیہ کے بارے میں مختصر تذکرہ کیجئے؟	سوال:97-
264	حضرت وکیع بن الجراح علیہ الرحمۃ کی جلیل القدر شخصیت بحیثیت محدث وفقیہ کے بارے میں مختصر تذکرہ کیجئے؟	سوال:98-
265	مشہور تابعی ومحدث وفقیہ امام شعبی علیہ الرحمۃ کے بارے میں مختصر تذکرہ کیجئے؟	سوال:99-
266	مشہور تابعی وامام فی الحدیث وفقہ حضرت علقمہ علیہ الرحمۃ کے بارے میں مختصر تذکرہ کیجئے؟	سوال:100-
267	مشہور تابعی ومحدث وفقیہ امام ابراہیم نخعی علیہ الرحمۃ کے حالاتِ زندگی کے بارے میں مختصر تذکرہ کیجئے؟	سوال:101-
268	امامِ اعظم فقیہ الامۃ شیخ الاسلام حضرت ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی بابرکت شخصیت اور آپؒ کے علم وفضل بحیثیتِ مجتہد کے بارے میں وضاحت کے ساتھ تفصیل بیان کیجئے؟	سوال:102-
272	فقیہ الامۃ شیخ الاسلام امام مالک علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور آپؒ کے علم وفضل کے بارے میں تفصیل سے بیان کیجئے؟	سوال:103-
275	فقیہ الامتہ شیخ الاسلام امام شافعی علیہ الرحمۃ کی ذاتِ گرامی بحیثیت مجتہد آپؒ کے علم وفضل کے بارے میں واضح تذکرہ کیجئے؟	سوال:104-

S.No	سوالات	Page
سوال:105-	فقیہ الامۃ شیخ الاسلام امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کی ذاتِ گرامی بحیثیت مجتہد آپؒ کے علم وفضل کے بارے میں مختصر مگر جامع تذکرہ کیجئے ؟	277
سوال:106-	شیخ الاسلام حضرت امام اوزاعی علیہ الرحمۃ کی امامت و جلالت اور مہارتِ حدیث وفقہ کے بارے میں جامع تذکرہ کیجئے ؟	279
سوال:107-	امام بخاری علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور آپؒ کی خدمات حدیث وفقہ کے بارے میں مختصر تذکرہ کیجئے ؟	281
سوال:108-	امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی ذاتِ گرامی اور آپؒ کی مجددانہ خدمت اسلام کا مختصر مگر جامع تذکرہ کیجئے ؟	283
سوال:109-	قطب الملۃ ،حکیم الامۃ امام حدیث وفقہ حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور آپ کی خدمتِ دین کے بارے میں مختصر تذکرہ کیجئے ؟	286
سوال:110-	شیخ الاسلام ،فضیلت جنگ علامہ حضرت محمد انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور آپؒ کی خدماتِ دینِ اسلام کے بارے میں بحیثیت فقیہ مختصر تذکرہ کیجئے ؟	287
سوال:111-	شیخ المحدثین اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ کی شخصیت بحیثیت فقیہ کے بارے میں مختصر مگر واضح تذکرہ کیجئے ؟	289
سوال:112-	بحرالعلوم امام اسلام علامہ مولانا حضرت محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؔ علیہ الرحمۃ کی شخصیت بحیثیت امام المجتہدین کے بارے میں مختصر مگر جامع تذکرہ کیجئے ؟	290
سوال:113-	حضرت ڈاکٹر محمد حمید اللہ علیہ الرحمۃ کی ذاتِ گرامی اور آپؒ کی شخصیت بحیثیت فقیہ ماہر قانون کا مختصر اور جامع تذکرہ کیجئے ؟	292
سوال:114-	حضرت علامہ سید حبیب اللہ قادری المعروف رشید پاشاہ علیہ الرحمۃ کی ذاتِ گرامی بحیثیت محدث وفقیہ صوفی کا مختصر تذکرہ کیجئے ؟	294
سوال:115-	شیخ الاسلام مصلح، محدث وفقیہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ کی شخصیت اور آپ کی خدماتِ دین کے تعلق سے مختصر مگر جامع خاکہ پیش کیجئے ؟	296

S.No	سوالات	Page
سوال:116-	حضرت علامہ مفتی محمد عظیم الدین مدظلہ کی شخصیت بحیثیت فقیہ کا مختصر تذکرہ کیجئے ؟	298
سوال:117-	حضرت مولانا مفتی خلیل اللہ مدظلہ کی شخصیت اور آپ کی حدیث وفقہ کی خدمات کے بارے میں مختصر تذکرہ کیجئے ؟	299
سوال:118-	اصولِ فقہ میں ''امر'' کے حوالہ سے کون سے اُمور قابل بحث ہیں اور اُن میں سے اقسام اَمر اور اُسکے ادا و قضاء کے متعلق واضح گفتگو کیجئے ؟	303
سوال:119-	وجہ امر یا مامور بہ کا حُسن وقبح ہونا اور اس کے اقسام کے متعلق روشنی ڈالئے ؟	306
سوال:120-	امرِ موقت کے اعتبار سے تکلیف مالا یطاق، قدرت اور اس کے اقسام کو واضح کیجئے ؟	307
سوال:121-	**نھی** سے کیا مراد ہے، اس کے اقسام اور مختلف صورتوں پر مدلل بحث کیجئے ؟	310
سوال:122-	احکامِ شرعی کے اقسام وضاحت کے ساتھ بیان کیجئے ؟	312
سوال:123-	افعالِ مکلّف سے متعلق حقوق اللہ وحقوق العباد اور متعلقات حقوق بیان کرو اور **اصل وخلف واہلیت** کے متعلق وضاحت کیجئے ؟	315
سوال:124-	۔مکلّف یا مامور سے کیا مراد ہے؟ مراتب عقل، افعال کی دو بڑی قسمیں اور مکلّف کی اہلیت کے متعلق مختصر روشنی ڈالئے ؟	317
سوال 125-	استنباط، استقراء، قیاسِ شرعی اور علت کے اقسام پر وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالئے ؟	319
سوال:126-	**موادِ قیاسات** کے لحاظ سے صغریٰ اور کبریٰ کس قسم کے قضایا (جملے) ہوتے ہیں اور یہ حاصل کس طرح ہوتے ہیں۔اُن میں سے کون سے قضایا (جملے) موجبِ یقین اور کون سے موجبِ ظن ہوتے ہیں؟ ''برہانیات'' سے کیا مراد ہے مختصر مگر واضح تذکرہ کیجئے ؟	323
سوال:127-	فرائضِ خصم (Responsibilities of Respondent) پر اجمالی طور سے بیان	325
سوال:128-	فرائضِ خصم (Respondent) کی تفصیلی طور پر بیان کے سلسلہ میں مغالطہ و ترجیحات کے پہلو پر وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالئے ؟	326
سوال:129-	اصولِ فقہ کن اہم کلیات پر مبنی ہیں تفصیل وار بیان کیجئے ؟	331
سوال:130-	تعارض اور توفیق اور تطبیق سے مراد کیا ہے؟ امرِ زائد کی نفی واثبات میں تعارض کے متعلق محققین کا کیا حکم ہے؟ ترجیح باعتبار متن اور ترجیحاتِ قیاسیہ کو وضاحت کے ساتھ بیان کیجئے ؟	333

مصنف کی دیگر تصانیف

سن 2000ء میں لطیف اکیڈمی قائم کی گئی اور علومِ قرآن وعرفانی کتب کی اشاعت کا کام انجام دیا جارہا ہے۔ دینی اصلاحی عنوانات کے تحت اور تفسیرِ قرآن کے آڈیوسی ڈیز کے ذریعہ طلباء کی ٹیلی ایجوکیشن کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب مفید سوالات وجوابات پر مبنی دستیاب ہیں۔

(1) بنیادی نصاب دینیات واخلاقیات چار علیحدہ حصوں میں بچوں کے لئے!

توحید ورسالت

دینیات واخلاقیات

ارکانِ دین۔

(2) آسان تجوید

(3) صراطِ مستقیم یعنی راہِ سلوک

(4) کشکولِ قادریہ (باب اول) الاحسان و التصوف

(باب دوم) توحید ومعارف۔

حصہ اول اور دوم (230) سوالات معہ جوابات)۔

(5) نقشِ قدمِ رسولؐ (باب اول) احوال ائمہ تفسیرِ قرآن۔

(باب دوم) احوال ائمہ حدیث وفنِ حدیث۔

(باب سوم) احوال ائمہ فقہ وفن فقہ اسلام۔

(6) سخنستانِ وجودیؒ (کلام حضرت سید محمد بادشاہ محی الدینؒ جودیؒ)۔

(7) افکار قادری (کلام حضرت سید محی الدین میر لطیف اللہ شاہ قادری، قادریؔ)۔

(8) خیالستانِ خالدؔ" (کلام حضرت ابوالفیض شاہ محمد خالد وجودیؒ خالدؔ) چار جلدوں میں۔

اِن کُتب کے علاوہ مزید ٹیلی ایجوکیشن کے مدِنظر ترجمہ و تفسیر قرآن میری اپنی آواز میں ریکارڈ کی گئی کیسٹس اور سی ڈیز (Cassettes & CD's) کے ذریعہ طلباء کی ٹیلی ایجوکیشن کا اہتمام کیا جارہا ہے۔

All these books can be Read online & Downloaded from our website, **www.Lateefacademy.com**